تقریر سیکھئے

از

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد نذیری مدظلہ

ائمہ مساجد، خطبا، مبلغین اور طلبا مدارس وسکول کیلئے ساٹھ سے
زائد دینی موضوعات پر مستند علمی واصلاحی تقاریر

تقریر سیکھئے

علماء دیوبند کے علوم کا پاسبان
دینی وعلمی کتابوں کا عظیم مرکز ٹیلیگرام چینل
حنفی کتب خانہ محمد معاذ خان
درس نظامی کیلئے ایک مفید ترین
ٹیلیگرام چینل

از

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد نذیری مدظلہ

مکتبہ خلیل
یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ
اردو بازار لاہور فون 37321118

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب ——— تقریر سیکھئے

مصنف ——— حضرت مولانا جمیل احمد نذیری مدظلہ

باہتمام ——— معاذ حسن

اشاعت ——— 2014

طابع ——— گنج شکر پرنٹرز۔ لاہور

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور طباعت سے قبل کوشش کی جاتی ہے کہ نشاندہی کی جانے والی جملہ غلطیوں کی بروقت تصحیح کردی جائے۔ اس کے باوجود غلطیوں کا امکان باقی رہتا ہے۔

لہٰذا قارئین کرام سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ علمی غلطیوں کی نشاندہی کریں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہوسکے۔ نیکی کے اس کام میں تعاون کرنا صدقہ جاریہ کے مترادف ہے۔ (ادارہ)

ملنے کے پتے

کتب خانہ شان اسلام، اردو بازار لاہور	مکتبہ عمر فاروق، محلہ جنگی پشاور
حافظ جنرل سٹور، تبلیغی مرکز رائیونڈ	مکتبہ اہلسنت والجماعت، صدر روڈ پشاور
کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی	دینی کتب خانہ، تیمرگرہ
مکتبہ رشیدیہ، اقبال روڈ راولپنڈی	مکتبہ رشیدیہ، نیو روڈ اینگورہ
اسلامی کتاب گھر، خیابان سرسید راولپنڈی	مکتبہ عثمانیہ، ہری پور
مکتبہ الفرقان، مصریال روڈ راولپنڈی	مکتبہ اسلامیہ، گامی اڈا ایبٹ آباد
مکتبہ صفدریہ، مصریال روڈ راولپنڈی	مدنی کتب خانہ، تبلیغی مرکز مانسہرہ
مکتبہ امینیہ، چوک بازار حسن ابدال	حسن دینی کتب خانہ، مانسہرہ
مکتبہ طلبہ، جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک	ادارۃ الحمود، تبلیغی مرکز مانسہرہ
مکتبہ المعارف، محلہ جنگی پشاور	مکتبہ لدھیانوی، کراچی
	مکتبہ القرآن، بنوری ٹاؤن کراچی

فہرست مضامین

- کچھ بات ہماری بھی ۵
- طلوع اسلام ۵
- حقوق اللہ ۶
- حقوق العباد ۱۰
- حقوق مسلم ۱۴
- حقوق والدین ۱۸
- تخلیق آدم ۲۲
- حضرت نوح علیہ السلام ۲۸
- حضرت ابراہیم علیہ السلام ۳۴
- حقوق رسولؐ ۴۷
- فضائل سید المرسلین ﷺ ۵۲
- پیارے نبی کیسے تھے؟ ۵۶
- اتباع رسولؐ ۵۹
- مکی زندگی ۶۵
- ہجرت ۷۰
- فتح مکہ ۷۵
- درسگاہ رسولؐ اور درس انسانیت ۷۹
- عظمت صحابہؓ ۸۲
- حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ۸۹
- حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ۹۵
- حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ۹۹
- حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ۱۰۳
- واقعہ معراج ۱۰۷
- شب قدر ۱۱۲
- شب برأت ۱۱۵

- یوم عاشوراء (۱۰ محرم الحرام) ۱۱۹
- یوم جمعہ ۱۲۷
- فضائل مساجد ۱۳۱
- حضرت نانوتویؒ اور ان کے شاگردوں کا عظیم کارنامہ..... قیام مدارس..... ۱۳۵
- ہمارے خوابوں کا ہندوستان..... ۱۳۹
- موت کی یاد ۱۴۳
- آخرت ۱۴۷
- قبر کی منزل..... ۱۵۱
- میدان حشر ۱۵۵
- جنت..... ۱۶۰
- دوزخ..... ۱۶۳
- کامیاب کون؟ ۱۶۶
- اور ہم خوار ہوئے تارک قرآن ہوکر ۱۷۱
- مسلمانوں کی موجودہ مشکلات اور ان کا حل ۱۷۵
- مسلم پرسنل لا..... ۱۸۲
- دعوت وتبلیغ..... ۱۸۶
- قرآن مجید..... ۱۹۲
- کسب حلال کی فضیلت..... ۱۹۸
- اخلاص نیت..... ۲۰۲
- سلام ومصافحہ..... ۲۰۶
- طہارت ۲۰۹
- ملکی مسائل کا حل..... تعلیمات رسول کی روشنی میں..... ۲۱۲
- توبہ ۲۱۵
- بھیک مانگنا ۲۱۸
- خودکشی حرام ہے ۲۲۴
- حوادث زمانہ اسلام کی راہ میں حائل نہیں ہوتے ۲۳۰
- جنت کے راستے ۲۳۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کچھ بات ہماری بھی

طلبہ مدارس، ائمہ مساجد اور خطبا و مبلغین کے لئے مولانا مفتی جمیل احمد صاحب مہتمم جامعہ عربیہ عین الاسلام نوادہ کی تصنیف ''تقریر سیکھئے'' الحمدللہ آپ کے لیے حاضر خدمت ہے، اور الحمدللہ دینی وعلمی حلقوں میں بے حد مقبول ہے۔

موضوعات کے تنوع، آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ سے مزین، غیر مستند واقعات سے پاک، زندگی کے ہر گوشے سے متعلق عمدہ، سلیس، رواں دواں اور شگفتہ تقریروں کا دلکش مجموعہ ہونے کی وجہ سے تقریر سیکھانے والی کتابوں میں یہ ایک الگ حیثیت رکھتی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی حسب سابق قبولیت سے نوازے۔ (آمین)

ادارہ

۶ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ یوم دوشنبہ ۲۱؍جون ۱۹۹۹ء

❁❁❁

طلوع اسلام

تو رازِ کن فکاں ہے، اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا راز داں ہو جا، خدا کا ترجماں ہو جا

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا

یہ ہندی، وہ خراسانی، یہ افغانی وہ تورانی
تو اے شرمندۂ ساحل اُچھل کر بے کراں ہو جا

غبار آلودۂ رنگ ونسب ہیں بال و پر تیرے
تو اے مرغِ حرم اُڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا

خودی میں ڈوب جا غافل یہ سرِ زندگانی ہے
نکل کر حلقۂ شام و سحر سے جاوداں ہو جا

مصافِ زندگی میں سیرتِ فولاد پیدا کر
شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا

گذر جا بن کے سیلِ تند رَو کوہ و بیاباں سے
گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا

ترے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی
نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر سازِ فطرت میں نوا کوئی

علامہ اقبال

حقوق اللہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:

انداز بیاں گرچہ بہت شوق نہیں ہے
شاید کہ اُتر جائے ترے دل میں میری بات

محترم بزرگو اور دوستو!

آپ دنیا پر ایک نگاہ ڈالئے، لوگوں کی آوزوں کو سنئے، آس پاس کی صداؤں پر دھیان دیجئے، آپ کو ایک آواز سب سے زیادہ سنائی دے گی، وہ ہے حقوق طلبی کی آواز، ہر شخص دوسرے سے اپنے حق کا طلبگار ہے۔ ہر شخص کی زبان پر شکوہ ہے کہ اسے اس کا حق نہیں ملتا۔ اس کے حقوق دبائے جارہے ہیں، اس کا استحصال کیا جارہا ہے، اس کے ساتھ ظلم وزیادتی ہورہی ہے، آقا کو شکایت ہے کہ اس کا ملازم اس کے حقوق ادا نہیں کرتا، ملازم کو شکوہ ہے کہ آقا اس کی محنت کے مطابق اس کا حق نہیں دیتا۔ اسی طرح ہر شخص دوسرے سے حلق تلفی کا شاکی ہے۔ گھر، باہر، شہر، دیہات، امیر وغریب، عورت، مرد، بچے، بوڑھے، ہر جگہ اور ہر ماحول میں حقوق طلبی کی صدائیں گونجتی نظر آئیں گی۔

دوستو! ہمیں غور کرنا چاہیے کہ ہم اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے کس قدر تگ ودو کرتے ہیں، کتنی محنت اور دوڑ دھوپ کرتے ہیں۔ ہمیں جب ہمارا حق نہیں ملتا تو ہمیں کس قدر ملال ہوتا ہے اور ہم شکایات کے کیسے کیسے دفتر کھول دیتے ہیں۔ مگر احکم الحاکمین جس کے قبضہ وقدرت میں ہماری ذات، ہماری جان ومال اور دنیا کا یہ سارا کارخانہ ہے ہر لحظہ، ہر ساعت جس کے ہم پر بے شمار احسانات وانعامات ہیں، کیا ہم نے اس کے حقوق کی ادائیگی کی فکر کی، کیا اس کے جو حقوق ہم پر عائد ہیں وہ ہم نے ادا کردیئے۔ باری تعالیٰ بھی ہم سے اپنے حقوق کی ادائیگی کا طلبگار ہے۔ وہ بھی اس کے فائدے کے لئے نہیں بلکہ ہمارے ہی فائدہ کے لئے، کیا ہم نے اس کی طرف دھیان دیا اور کتنی مرتبہ دھیان دیا؟ کیا ہم نے اس کی طرف توجہ کی اور کب کب توجہ کی؟

اگر ہم اللہ کے حقوق کو ادا کرنے والے نہ بنیں گے تو کیا اللہ ہم سے خوش رہے گا، کیا اس کی

رضامندی ہمیں حاصل ہوگی؟ کیا اللہ کے حقوق تلف کرنے کے بعد ہم اللہ کے غیظ وغضب اور اس کی زبردست پکڑ سے بچ سکیں گے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

محترم دوستو! ہماری سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اللہ کو پہچانیں پھر اس کے حقوق کو پہچانیں اور حقوق پہچاننے کے بعد جان وتن سے اس کی ادائیگی میں لگ جائیں۔ اس کے بغیر نہ ہمیں دنیا میں کامیابی مل سکتی ہے نہ آخرت میں۔ اللہ کا سب سے پہلا حق یہ ہے کہ ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اسے یکتا و بے نیاز تسلیم کریں، ارشاد باری ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ۝﴾

''اے نبیؐ! کہہ دیجئے کہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے۔''

اللہ کی ذات یا صفات کسی کو شریک وسا جھی قرار دینا شرک ہے، اور شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔

﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾

''بے شک شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔''

ہر گناہ کی بخشش ہو سکتی ہے مگر شرک کی بخشش نہیں ہو سکتی۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى اِثْمًا عَظِيْمًا﴾

''بے شک اللہ نہیں بخشے گا اس بات کو کہ اُس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے اور بخش دے گا اس کے علاوہ جو چاہے گا، اور جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے اس نے بہت بڑے گناہ کا افتراء کیا۔''

جس طرح اللہ کا ہم پر حق ہے کہ ہم اس کی ذات کو ایک مانیں، اس کے ساتھ کسی اور کو خدائی میں شریک نہ سمجھیں۔ اسی طرح ہم پر یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی صفات میں بھی کسی کو شریک نہ جانیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کو دور ونزدیک کی خبر ہے ہر کھلی اور چھپی چیز کا علم ہے۔ کسی اور کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ نہ ہو۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے قبضہ وتصرف میں یہ ساری کائنات اور اس کا نظام ہے، وہ اس میں جیسے چاہتا ہے بناتا اور بگاڑتا ہے، کسی اور کے اندر یہ قدرت وطاقت نہیں ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ہم پر یہ بھی حق ہے کہ ہم اس کی عبادت واطاعت کریں، اس کے حکموں کے آگے سر جھکا دیں، اس نے اپنے نبی آخر الزماں ﷺ کے ذریعہ جو دین اسلام بھیجا ہے ہم اس کے مطابق اپنی زندگی گزاریں۔ اور اللہ کی عبادت اس طرح کریں گویا ہم اسے دیکھ رہے ہیں، اگر چہ ہم اپنی ان

ظاہری آنکھوں سے خدا کو نہیں دیکھتے مگر اس میں کیا شک وشبہ ہے کہ خدا ہمیں ہر وقت دیکھ رہا ہے۔ ہماری ہر حرکت وسکون اس کی نگاہ میں ہے۔ ہمارا ہر قدم اس کے ارادہ ومشیت کا مرہونِ منت ہے۔

حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

((اِنْ تَعْبُدَاللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ۔ (بخاری)

''اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، پس اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو بے شک اللہ تعالیٰ تم کو دیکھ ہی رہا ہے۔''

محترم بزرگو اور دوستو! اللہ کا ہم پر حق ہے کہ ہم اس کی عبادت و پرستش کریں۔ اور اس کی عبادت و پرستش میں کسی کو شریک نہ کریں، اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو ہم اللہ کا حق ادا کرنے والے نہ بنیں گے بلکہ حق مارنے والے بن جائیں گے۔ اور حق مارنے کا جو خوفناک انجام ہوگا وہ کون نہیں جانتا۔

اللہ تعالیٰ کا ہم پر حق ہے کہ ہم سر اُسی کے آگے جھکائیں، کسی اور کے آگے نہیں، سجدہ اُسی کی ذات کو کریں، کسی قبر کو نہیں، طواف اُسی کے گھر خانۂ کعبہ کا کریں، کسی مزار کا نہیں، نذر اور قربانی اسی کی نام کی ہو، کسی پیر اور فقیر کے لئے نہیں۔

حقیقی وحدانیت اور سچی حقوق اللہ کی ادائیگی اسی وقت ممکن ہے جب ہم یہ ساری چیزیں صرف اور صرف اللہ کی ذات کے ساتھ مخصوص سمجھیں، کسی اور کو خواہ وہ خدا کا کتنا ہی مقرب کیوں نہ رہا ہو، اس کا اہل نہ سمجھیں۔

سوچئے! کتنی تاسمجھی اور نادانی کی بات ہے کہ ہمارے کچھ مسلمان بھائی بزرگوں کی قبروں کے ساتھ وہ سلوک کرتے ہیں جو خدا کے ساتھ مخصوص ہے، مزارات کو چومنا، ان کا طواف کرنا، مزارات کو سجدہ کرنا، ان پر منتیں ماننا، چادر وغیرہ گرانا اور اس طرح کی بہت سی خرافات میں مبتلا ہیں۔ اور سب سے عجیب بات تو یہ ہے کہ وہ ان امور کو توحید کے خلاف نہیں سمجھتے بلکہ اُسے کارِ ثواب سمجھ کر انجام دیتے ہیں۔ مولانا حالی نے اپنی مسدس میں ایسے ہی لوگوں کا نقشہ کھینچا ہے۔

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہرِ سجدہ تو کافر
کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں

پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ جا جا کے نذریں چڑھائیں
شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

آج عالم یہ ہے کہ آپ کسی بھی ''درگاہ'' یا ''مزار شریف'' پر جا کر دیکھ لیجئے وہاں مزار پر جو رونق نظر آئے گی، مزار پر جو سج دھج دکھائی دے گی وہ اسی کے بغل میں مسجد کو حاصل نہ ہوگی۔ عرس کے موقع پر زائرین کے ہجوم کی وجہ سے راستہ چلنا دشوار ہوگا۔ کندھے سے کندھا چھل رہا ہوگا۔ مگر وہیں نماز کے وقت مسجد ویران وسنسان نظر آئے گی دو چار اللہ کے بندے پہنچ گئے تو پہنچ گئے ورنہ مزار شریف کو چھوڑ کر مسجد کون جاتا ہے۔ کسی شاعر نے سچ کہا ہے۔

رہ گئے قبروں کے پتھر سجدہ ریزی کے لئے
ہو چکا رخصت دلوں سے مسجدوں کا احترام

بزرگو اور دوستو! ہمیں اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہئے اور سوچنا چاہئے کہ ہم اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں، مگر اللہ کا بھی حق ادا کر رہے ہیں یا نہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات وانعامات کا تقاضا ہے کہ ہم اس کے حقوق کو سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ادا کریں۔ اللہم سب کو توفیق عطا فرمائے (آمین)

ہو جس میں عبادت کا دھوکہ مخلوق کی وہ تعظیم نہ کر
جو خاص خدا کا حصہ ہے بندوں میں اسے تقسیم نہ کر

وما علینا الا البلاغ

حقوق العباد

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ

آدمی نہیں سنتا آدمی کی باتوں کو پیکرِ عمل بن کر غیب کی صدا بن جا

محترم بزرگو اور دوستو!

آج دنیا میں ظلم کا دور دورہ ہے، ہر شخص ایک دوسرے کا مال واسباب ہڑپ کرنے کے چکر میں ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ دوسرے کا مال ہتھیا کر میں اپنی جائداد میں اضافہ کرلوں گا، میری دوکان ترقی کر جائے گی، میری کھیتی باڑی بڑھ جائے گی میرے بود و باش اور رہن سہن میں تبدیلی آجائے گی، حالانکہ وہ یہ نہیں سوچتا ہے کہ دوسرے کا مال اپنے مال میں ملا کر، دوسرے کا کھیت اپنے کھیت میں شامل کر کے وہ اپنے آپ کو جہنم کی دہکتی ہوئی آگ کا مستحق بنا رہا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ دوسرے کا کھیت غصب کر کے اس نے اپنے کھیت کی مقدار میں اضافہ کر دیا، حالانکہ حقیقت میں اس نے اپنے کھیت کی مقدار نہیں بڑھائی، بلکہ اپنے لئے جہنم کے انگاروں کی مقدار بڑھالی۔ وہ باور کئے ہوئے ہے کہ دوسرے کے روپے پیسے نہ دے کر اس نے اپنے آپ کو ظاہری نقصان سے بچالیا ہے حالانکہ اُس کی اِس حرکت کی وجہ سے ابدی دنیا کا نقصان اس کا مقدر بن چکا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ دوسروں پر ظلم وزیادتی کر کے میں اپنے جاہ وحشم اور اقتدار میں اضافہ کر رہا ہوں، اپنا معیار زندگی بلند سے بلند کر رہا ہوں۔ حالانکہ اس کے یہ افعال دوزخ کے شعلوں کا لباس پہنا رہے ہیں۔

آہ آج کا یہ انسان کس قدر نادان ہے۔ جن چیزوں کو وہ اپنے فائدہ کا سودا سمجھتا ہے وہ سراسر گھاٹے کا سودا ہے مگر اسے سمجھ میں نہیں آتا۔ اسے دوسروں پر ظلم وزیادتی کرتے ہوئے لطف آتا ہے، وہ دوسروں کا مال ہڑپ کر کے خوش ہوتا ہے۔ وہ دوسرے کی جائداد غصب کر کے اپنی عقلمندی کی داد حاصل کرنا چاہتا ہے اور بھول جاتا ہے کہ اسکی یہ حرکتیں کتنی خطرناک ہیں اور کتنا خوفناک ہے وہ راستہ جس پر وہ چل رہا ہے۔

آج کا انسان عدالتوں کا سہارا لے کر، مقدمات لڑ کے، جھوٹی سچی گواہیاں دلوا کر، رشوت کی تھیلیاں کھول کر، دوسروں کی جائداد کو اپنی بنالیتا ہے۔ دوسروں کے حقوق پر ڈاکے ڈالتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ دنیاوی قانون کی رو سے وہ چیز میری ہوگئی تو خدائی قانون میں بھی میری ہوگئی۔ حالانکہ یہ اس کی بھول ہے قیامت تک وہ چیز اس کی نہیں ہوسکتی، اُسے اُس چیز سے فائدہ اٹھانے کا حق نہیں ہے وہ اُس کے ذریعہ جو کچھ حاصل کر رہا ہے سب حرام ہے، وہ جہنم کا ایک ٹکڑا ہے جو اس نے جھوٹی

گواہیاں دلوا کر اور رشوت دے کر حاصل کیا ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَاِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ يَكُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِهٖ مِنْ بَعْضٍ فَاَقْضِيْ لَهٗ عَلٰى نَحْوِ مَا اَسْمَعُ مِنْهُ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهٗ بِشَيْءٍ مِنْ حَقِّ اَخِيْهِ فَلَا يَاْخُذَنَّهٗ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهٗ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ (متفق علیہ)

''میں ایک انسان ہی ہوں، تم لوگ اپنے جھگڑے میرے پاس لے کر آتے ہو، ہو سکتا ہے کہ تم میں کا کوئی دوسرے کے مقابلے میں اپنی بات کو زیادہ بنا سنوار کر پیش کرنے کا ماہر ہو، لہٰذا میں اُس کو سچا سمجھ کر اُسی کے حق میں فیصلہ کر دوں، پس سن لو جس کے لئے میں اسکے بھائی کے حق سے فیصلہ کر دوں تو وہ اُسے ہرگز نہ لے۔ کیونکہ وہ جہنم کا ایک ٹکڑا ہے جو میں اسے کاٹ کر دے رہا ہوں۔''

ایک دوسری حدیث میں ہے:

مَنِ ادَّعٰى مَا لَيْسَ لَهٗ فَلَيْسَ مِنَّا وَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ (مسلم)

''جو کسی ایسی چیز کا دعویٰ کرے جو اس کی نہ ہو، وہ ہم سے نہیں، ایسے شخص کو اپنا ٹھکانا جہنم میں ڈھونڈھ لینا چاہیے۔''

محترم حضرات! یہ ظلم و زیادتی اور دوسروں کی جائیداد پر ناجائز قبضہ کرنا، حقوق العباد میں سے ہے، اور حقوق العباد، حقوق اللہ سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنا حق چاہے گا تو معاف کر دے گا مگر بندوں کا حق بندے ہی معاف کریں تو کریں، اللہ معاف نہیں کرے گا۔ بلکہ قیامت کے دن بڑے خطرناک طریقے سے وصول کیا جائے گا۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهٗ مَظْلِمَةٌ لِاَخِيْهِ مِنْ عِرْضِهٖ اَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ اَنْ لَّا يَكُوْنَ دِيْنَارٌ وَّلَا دِرْهَمٌ اِنْ كَانَ لَهٗ عَمَلٌ صَالِحٌ اُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلِمَتِهٖ وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ لَهٗ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهٖ فَحُمِلَ عَلَيْهِ (بخاری)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے اپنے بھائی کی کوئی چیز ظلماً لے لی ہو یا اس سے تعرض کیا ہو تو چاہیے کہ وہ دنیا ہی میں معافی تلافی کرا لے قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس دن درہم و دینار نہ ہوں گے، اگر عمل صالح ہوگا تو اُس سے اُس ظلم کی مقدار لے لیا جائے گا اور اگر نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کے گناہ،

ظالم کے اوپر لاد دیئے جائیں گے۔"

بھائیو! آج موقع ہے ہم چاہے کہ اس موقع کو غنیمت جانیں۔ ہم سے حقوق العباد میں جو کوتاہیاں ہوئی ہوں، ان کی یہیں معافی تلافی کرالیں، ہم میں سے جس نے اپنے کسی دوسرے بھائی کی جائیداد خواہ وہ معمولی ہی کیوں نہ ہی، ظلماً لے لی ہو وہ اسے واپس کردے، اگر وہ بھائی زندہ نہ ہو تو اس کے ورثا کو دے دے اگر بالفرض وارث بھی نہ ہوں تو اسے صدقہ کردے، لیکن بہرحال اسے اپنے پاس نہ رکھے اور اللہ سے صدق دل سے اپنی اس غلطی کی معافی مانگے، اللہ غفور رحیم ہے، امید ہے کہ معاف کردے گا۔ لیکن اگر آج ہم نے اس موقع کو غنیمت نہ جانا اور معافی تلافی نہ کی تو قیامت کے دن ہماری یہ ڈھیر ساری نمازیں، روزے اور حج وزکوٰۃ میں کام نہ آئیں گے ہم خواہ وہاں نیکیوں کے انبار لے کر جائیں مگر ان سے ہماری گلو خلاصی نہ ہوگی۔ ہماری یہ عبادات، حقوق العباد کے سامنے بالکل بے حیثیت ہوکر رہ جائیں گی اور ہمیں بے یارومددگار چھوڑ دیا جائے گا۔ اس دن ہم سے زیادہ بے چارگی اور مفلسی میں کوئی نظر نہ آئے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا کہ اَتَدْرُوْنَ مَنِ الْمُفْلِسُ (کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اِنَّا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَنْ لَادِرْھَمَ وَلَا مَتَاعَ (ہم تو مفلس اسی کو سمجھتے ہیں جس کے پاس مال ومتاع نہ ہو) حضور ﷺ نے فرمایا:

اَلْمُفْلِسُ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِصَلٰوۃٍ وَصِیَامٍ وَزَکٰوۃٍ وَیَاْتِیْ قَدْ شَتَمَ ھٰذَا وَقَذَفَ ھٰذَا وَاَکَلَ مَالَ ھٰذَا وَسَفَکَ دَمَ ھٰذَا وَضَرَبَ ھٰذَا فَیُقْعَدُ فَیُقْتَصُّ ھٰذَا مِنْ حَسَنَاتِہٖ وَھٰذَا مِنْ حَسَنَاتِہٖ فَاِنْ فَنِیَتْ حَسَنَاتُہٗ قَبْلَ اَنْ یُّقْتَصَّ مَا عَلَیْہِ مِنَ الْخَطَایَا اُخِذَ مِنْ خَطَایَا ھُمْ فَطُرِحَ عَلَیْہِ ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ

"میری امت کا مفلس وہ ہوگا جو قیامت کے دن بہت سی نمازیں، روزے اور زکوٰۃ وغیرہ لے کر آئے گا مگر حال یہ ہوگا کہ کسی کو گالی دی ہوگی کسی پر الزام لگایا ہوگا، کسی کا مال کھایا ہوگا کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا پیٹا ہوگا، لہٰذا وہ بٹھا دیا جائے گا اور ہر شخص اپنا بدلہ لینے آجائے گا، اس کی نیکیاں اٹھا اٹھا کر دی جانے لگیں گی، یہاں تک کہ نیکیاں سب ختم ہو جائیں گی مگر دعویدار باقی رہ جائیں گے۔ لہٰذا ان دعویداروں کے گناہ اس پر لاد دیئے جائیں گے، پھر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔"

آج ہم غیبت اور چغل خوری میں لگے رہتے ہیں۔ ایک دوسرے پر طعن وتشنیع کرتے

ہیں۔ اتہام و بہتان لگاتے ہیں، ایک دوسرے کو ستانے اور نیچا دکھانے کی فکر میں رہتے ہیں ذرا سوچئے! جب قیامت کے دن ان کے عوض ہماری نیکیاں لی جانے لگیں گی تو ہم کس لائق رہ جائیں گے، ہمارے اوپر جب ہمارے ظلم کے بدلے مظلوموں کی برائیاں لادی جانے لگیں گی تو ہم اپنی بے چارگی کی فریاد کس سے کر سکیں گے؟ خدا بھی ہماری کوئی فریاد نہ سنے گا کیونکہ یہ سب اسی کے حکم سے ہوگا اور خدا بھی حق والوں کو حق لینے سے نہ روکے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَمْنَعُ ذَا حَقٍّ حَقَّهٗ (بیهقی)

سچ بات تو یہ ہے کہ اگر وہاں بھی مظلوموں کو اپنا حق نہیں ملے گا تو کہاں ملے گا؟ اگر وہاں بھی انصاف نہ ہوگا تو کہاں ہوگا؟ اسی لئے حدیث شریف میں ہے:

لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوْقُ اِلٰى اَهْلِهَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ (مسلم)

"قیامت کے دن حقوق، حقداروں تک ضرور بالضرور پہنچائے جائیں گے۔ یہاں تک کہ بے سینگ والی بکری کے لئے سینگ والی بکری سے بدلہ لیا جائیگا۔"

یعنی جانوروں تک میں مظلوموں کی دادرسی ہوگی اور حق داروں کو ظالموں سے حق دلایا جائے گا۔ پھر بھلا انسان اشرف المخلوقات ہوکر اور بڑی ذمہ داریوں کا اہل ہوکر، اس قانون سے مستثنیٰ کیسے ہوسکتا ہے۔ اس کی گرفت تو سب سے پہلے ہوگی۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا فَاِنَّهٗ يُطَوَّقُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ اَرْضِيْنَ (متفق علیه)

"رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے ایک بالشت زمین بھی ظلماً لے لی ہوگی وہ قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔"

بزرگو اور دوستو! ہمیں ان وعیدوں سے ڈرنا چاہئے اور ظلم و زیادتی اور حقوق العباد میں کوتاہی کرنے سے باز آجانا چاہیے ورنہ ہماری ساری زندگی کے اعمال اکارت ہوجائیں گے، قیامت کے دن ان اعمال کا ہمیں کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ اس دن ہم افسوس سے ہاتھ ملیں گے مگر اس دن کا ہاتھ ملنا کام نہ آئے گا۔

وہ غیرتیں، وہ صبر، وہ ایمان ہیں کہاں ۔۔۔ حسن عمل کے دل میں وہ ارمان ہیں کہاں
اک غل مچا ہوا ہے کہ مسلم ہیں خستہ حال ۔۔۔ پوچھے ذرا کوئی کہ مسلمان ہیں کہاں

(اکبرالہ آبادی)

حقوقِ مسلم

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَفْضَلِ الْمُرْسَلِیْنَ وَمَنِ اهْتَدٰی بِهُدٰهُمْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ اَمَّا بَعْدُ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ۔ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ط بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ج وَ مَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ○

صدرِ محترم! حاضرینِ مجلس!

میں نے ابھی ابھی آپ حضرات کے سامنے سورۂ حجرات کی جو آیاتِ کریمہ تلاوت کی ہیں ان کا ترجمہ یہ ہے۔

''اے ایمان والو! نہ تو مَردوں کو مَردوں پر ہنسنا چاہیے، کیا عجب ہے کہ جن پر ہنستے ہیں وہ ان ہنسنے والوں سے خدا کے نزدیک بہتر ہوں، اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہیے، کیا عجب ہے کہ وہ اُن سے بہتر ہوں۔ اور نہ ایک دوسرے طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا ہی برا ہے۔ اور جو ان حرکتوں سے باز نہ آئیں تو وہ ظلم کرنے والے ہیں۔ اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو کیونکہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اور سراغ مت لگایا کرو۔ اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس کو تم ناگوار سمجھتے ہو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا، مہربان ہے۔''

بزرگو اور دوستو! ان آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی تصویر کھینچی ہے اور بتایا ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے ساتھ کس قدر ہمدردی اور بہی خواہی کا

سلوک کرنا چاہیے اور اس کو اذیت دینے والی اور تکلیف پہنچانے والی باتوں سے بچنا چاہیے۔ آیات کریمہ کے علاوہ احادیث نبویہ میں بھی یہ ہدایات جابجا وارد ہوئی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَ قِتَالُهٗ كُفْرٌ۔

''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔''

دوسری حدیث ہے:

لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تُعَيِّرُوْهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهٗ مَنْ يَّتَّبِعْ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعُ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ يَّتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِيْ جَوْفِ رَحْلِهٖ

''(اپنے) مسلمان بھائیوں کو ایذا نہ پہنچاؤ، ان کی برائی نہ بیان کرو اور اُن کے عیوب نہ تلاش کرو، ورنہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کا عیب تلاش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا عیب تلاش کرتا ہے اور جس کا عیب اللہ تلاش کرے گا اسے رسوا کردے گا خواہ وہ عیب کتنا ہی پوشیدہ ہو۔''

میرے بھائیو! اگر ہم چاہتے ہیں کہ دنیا میں ترقی کریں، ہماری عظمت رفتہ اور کھویا ہوا وقار ہم کو واپس مل جائے تو ہمیں دیکھنا ہوگا کہ ہمارے آپسی تعلقات کس قسم کے ہیں، ہم ایک دوسرے کے خیر خواہ ہیں یا بدخواہ، ایک دوسرے کے ہمدرد وغم گسار ہیں یا جانی دشمن؟..... بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج ہم مسلمان ایک دوسرے کو زیر کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں، ایک دوسرے کی جائیداد کو ہڑپ کرنا ایک دوسرے کی جائیداد کو لوٹنا، ایک دوسرے پر طعن وتشنیع، اتہام وبہتان اور غیبت وچغل خوری کرنا، آج ہم مسلمانوں کا شیوہ زندگی بن گیا ہے۔ حالانکہ حدیث میں آیا ہے کہ سچا پکا کامل الایمان مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ

''کامل مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے اُس کے دوسرے مسلمان بھائی محفوظ رہیں۔''

قرآن وحدیث میں مسلمانوں کے جو آپسی حقوق بیان کئے گئے ہیں اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے لئے سراپا خیر ہونا چاہیے، دنیا بھر میں جتنے مسلمان ہیں، قرآن نے سب کو بھائی بھائی قرار دیا ہے۔ سورۂ حجرات میں ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔

''تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

بخاری شریف کی حدیث ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں:

اَلْمُؤْمِنُوْنَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ اِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهٗ اِشْتَكٰى كُلُّهٗ وَاِنِ اشْتَكٰى رَاْسُهٗ اِشْتَكٰى كُلُّهٗ۔

''تمام مومنین فرد واحد کی طرح ہیں، اگر آنکھ میں تکلیف ہو تو پورا بدن تکلیف محسوس کرتا ہے اگر سر میں تکلیف ہو تو بھی پورا بدن تکلیف محسوس کرتا ہے۔''

ایک دوسری حدیث میں مسلمانوں کے باہمی تعلقات اور اتحاد و تعاون کو عمارت کے مثل کہا گیا ہے، جس طرح کسی عمارت کا ہر جز، دوسرے جز، کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہے اور ہر جز کو دوسرے جز کے ذریعہ استحکام پہنچتا ہے، اسی طرح مسلمانوں کو بھی ایک دوسرے کا معاون اور بہی خواہ ہونا چاہیے، اپنی ہمدردی اور مدد کے ذریعہ آپسی اتحاد و اتفاق کی عمارت کو مضبوطی اور استحکام عطا کرنا چاہیے تاکہ کوئی اُسے گرا نہ سکے، تباہ و برباد نہ کر سکے۔

ہر مسلمان کو چاہیے کہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرے اور جو اپنے لئے ناپسند ہو، وہی اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی ناپسند ہونا چاہیے ایسا نہ ہو کہ اپنے لئے خواہش ہو کہ میں دولتمند بن جاؤں، آرام و راحت سے گزر بسر کروں، کوئی تکلیف اور پریشانی نہ ہو، مگر دوسرے مسلمان بھائی کی دولت ایک آنکھ نہ بھائے۔ مسلمان بھائی کا چین و سکون اور آرام و راحت سوہان روح بن جائے اور یہی فکر رہے کہ مجھے کوئی پریشانی نہ ہو مگر دوسرا مسلمان خوب پریشان رہے۔

سوچ بچار کا یہ طریقہ اور غور و فکر کا یہ انداز سچے اور پکے مسلمان کا نہیں ہے۔ سچا اور کامل مسلمان وہ ہے جو حضورؐ کے اس فرمان کے مطابق ہو۔

وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ

''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے، کوئی بندہ اس وقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔''

دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک کامل مسلمان نہ تو دوسرے مسلمان پر ظلم کر سکتا ہے نہ اس پر ظلم کرنے والے کی مدد کر سکتا ہے۔ نہ ہی اس کی تحقیر و تذلیل کے درپے ہو سکتا ہے۔ جو مسلمان دوسرے مسلمان کی ضرورت پوری کرے گا، اللہ اس کی ضرورت پوری کرے گا۔

جو مسلمان دوسرے مسلمان کی پریشانی دور کرے گا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی

پریشانی دور کرے گا، جو مسلمان دوسرے مسلمان کے عیوب کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیوب یعنی گناہوں کی پردہ پوشی کریگا۔

مسلم شریف کی روایت ہے کہ ہر مسلمان کی، دوسرے مسلمان پر تین چیزیں حرام ہیں۔

دَمُهٗ وَمَالُهٗ وَعِرْضُهٗ۔

''اُس کا خون، اُس کا مال، اُس کی عزت۔''

مسلمان کو دھوکہ دینا اور اُسے نقصان پہنچانا بہت بڑا گناہ ہے۔

ارشاد نبویؐ ہے:

مَلْعُوْنٌ مَنْ ضَارَّ مُؤْمِنًا اَوْ مَكَرَ بِهٖ۔

''ملعون ہے وہ شخص جو کسی مسلمان کو ضرر پہنچائے یا اس کے ساتھ مکر کرے۔''

مسلمان بھائی کو ہنسی مذاق میں بھی ڈرانے دھمکانے یا اس کی طرف کسی ہتھیار سے اشارہ کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ دو مسلمانوں کے درمیان تین دن یا زیادہ سلام وکلام اور بول چال بند رکھنا حرام ہے۔ اور اُن میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو سلام وکلام میں پہل کرے اور یہ سوچ لے کہ

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

محترم بزرگو اور دوستو! مسلمانوں کے آپسی تعلقات اور حقوق کی کہاں تک تفصیل بیان کی جائے، بے شمار قرآنی آیات واحادیث نبویہ میں ان باتوں کو بہت کھول کھول کر بتا دیا گیا ہے۔ اُن ہدایات کے بعد بھی اگر ہم مسلمان، ایک دوسرے کو ہمدرد نہ بنے، ہم نے آپسی، رنجشوں کو ختم نہ کیا، ایک دوسرے کو ایذا دینے سے باز نہ آئے اور تعلقات کو سدھارنے اور مسلمان بھائی کا حق ادا کرنے کی فکر نہ کی تو کیا ہم سچے اور پکے مسلمان کہلانے کے مستحق ہیں؟!

اثر کرے نہ کرے، سن تو لے مری فریاد
نہیں ہے داد کا طالب یہ بندہ آزاد

.....

بنائیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ! کیا رہنا جو ہو بے آبرو رہنا

(اقبال)

حقوق والدین

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِدِیْنِہِ الْقَوِیْمِ وَمَنَّ عَلَیْنَا بِبِعْثَۃِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ اَمَّابَعْدُ۔
اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ط اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَا اَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْھَرْھُمَا وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا۔

صدر محترم، حاضرین جلسہ!

میں نے آپ حضرات کے سامنے ابھی ابھی سورۂ بنی اسرائیل کی جو آیت کریمہ تلاوت کی ہے، اس کا ترجمہ یہ ہے اور حکم دیا ہے آپ کے رب نے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر تمہارے سامنے تمہارے والدین میں سے کوئی یا دونوں بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف بھی نہ کہنا اور ان کو نہ جھڑکنا، اور اُن سے نرم بات کہنا، اور اُن کے آگے عاجزی کا بازو جھکا دو، اور کہو کہ اے میرے پروردگار! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھ کو بچپنے سے پالا ہے۔"

حضرات! اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے حقوق کو بیان کیا ہے۔ لیکن یہی ایک آیت نہیں ہے بلکہ قرآن میں دیگر مقامات پر بھی یہی احکام موجود ہیں، مثلاً سورۂ لقمان میں ہے۔

وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ حَمَلَتْہُ اُمُّہٗ وَھْنًا عَلٰی وَھْنٍ وَّفِصَالُہٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ ط اِلَیَّ الْمَصِیْرُ ○ وَاِنْ جَاھَدٰکَ عَلٰٓی اَنْ تُشْرِکَ بِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْھُمَا وَصَاحِبْھُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا۔

"ہم نے تاکید کردی انسان کو اُس کے ماں باپ کے واسطے، اُس کی ماں نے اُس کو اپنے پیٹ میں رکھا تھک تھک کر، اور دودھ چھڑانا دو برس میں ہے کہ میرا اور اپنے والدین کا حق مانو اور تمہیں میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اگر وہ کوشش کریں کہ تم میرے ساتھ اُس چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کا تمہیں علم نہیں ہے تو تم اُن کی بات نہ ماننا، اور دنیا میں دونوں کے

ساتھ اچھا سلوک کرو۔"

اس آیت سے ثابت ہوا کہ گناہ اور معصیت کے علاوہ ہر کام میں والدین کی اطاعت ضروری ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اس کی ناک خاک آلود ہو، اس کی ناک خاک آلود ہو، اس کی ناک خاک آلود ہو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، حضور ﷺ کس کی ناک خاک آلود ہو، آپ نے فرمایا:

مَنْ اَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَالْكِبَرِ اَحَدَهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ۔

"اُس شخص کی، جس نے اپنے والدین میں سے کسی ایک کو یا دونوں کو بڑھاپے کے عالم میں پایا، پھر اُن کی خدمت کر کے اپنے آپ کو جنت کا مستحق نہیں بنایا۔"

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں آکر دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! مَا حَقُّ الْوَالِدَيْنِ (والدین کا حق کیا ہے؟) حضورؐ نے فرمایا هُمَا جَنَّتُكَ وَنَارُكَ (وہی تمہاری جنت بھی ہیں، وہی تمہاری دوزخ بھی) مطلب یہ ہے کہ اگر تم ان کی فرمانبرداری کرو گے تو جنت کے حقدار بن جاؤ گے اور اگر اُن کے ساتھ برا سلوک کرو گے تو جہنم میں جلو گے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کو جو نیک اولاد اپنے ماں باپ کی طرف محبت کی نظر سے دیکھے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ہر نظر کے بدلے ایک حج مبرور کا ثواب عطا فرماتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اگرچہ وہ دن میں سو مرتبہ نظر ڈالے؟ حضورؐ نے فرمایا: نَعَمْ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَاَطْيَبُ (ہاں! اللہ کی عطا اور بخشش تمہارے تصورات سے بڑھ کر ہے)

محترم دوستو! غور کرنے کا مقام ہے کہ ماں باپ کو صرف محبت کی نظر سے دیکھنے کا کتنا بڑا ثواب ہے۔ لہٰذا جو لوگ ماں باپ کے دل و جان سے خدمت کرتے ہیں، ہر دم اُن کا حق ادا کرنے فکر میں لگے رہتے ہیں، اُن کے آرام و راحت کا خیال رکھتے ہیں، وہ اللہ کے نزدیک کتنے بلند مقام کے مستحق ہیں، ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے دریافت کیا مَنْ اَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِیْ (میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ کون مستحق ہے؟) حضور ﷺ نے فرمایا اُمُّكَ (تمہاری ماں) اس نے ثُمَّ مَنْ (پھر کون؟) حضور ﷺ نے فرمایا ثُمَّ اُمُّكَ (تمہاری ماں) اس نے کہا ثُمَّ مَنْ (پھر کون؟) حضور ﷺ نے جواب دیا ثُمَّ اُمُّكَ (پھر تمہاری ماں) اس نے تین مرتبہ یہی سوال کیا، تینوں مرتبہ حضور ﷺ نے یہی جواب دیا۔ جب اس نے چوتھی مرتبہ پوچھا ثُمَّ مَنْ (پھر کون؟) تو

حضور ﷺ نے فرمایا ثُمَّ اَبُوْكَ (پھر تمہارا باپ)

نیک اولاد کا فرض ہے کہ وہ اپنے والدین کی خبر گیری کرے، ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اچھا سلوک اور ہر ایک کو خوش رکھنے کی کوشش کرے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ:

رِضَى الرَّبِّ فِيْ رِضَى الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِيْ سَخَطِ الْوَالِدِ۔

''باپ کی رضا میں اللہ کی رضا ہے، باپ کی ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی ہے۔''

دوسری روایت میں ہے کہ باپ جنت کے دروازوں میں سب سے بیچ کا دروازہ ہے، خواہ تم اُسے محفوظ رکھو یا ضائع کر دو۔

بزرگو اور دوستو! والدین کی خدمت گزاری صرف آخرت کے ہی اجر و ثواب کا ذریعہ نہیں بلکہ دنیا میں بھی رحمت الٰہی کا سبب ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے تین آدمیوں کا واقعہ بیان فرمایا۔ تینوں آدمی کہیں جا رہے تھے، راستہ میں بارش ہونے لگی، بارش سے بچنے کے لئے تینوں ایک غار میں چھپ گئے۔ غار ایک پہاڑ کے نیچے واقع تھا۔ موسلا دھار بارش میں پتھر کی ایک بھاری چٹان اوپر سے پھسل کر غار کے منہ پر گری، غار کا منہ بند ہو گیا اور یہ تینوں اس میں قید ہو کر رہ گئے۔ چٹان اتنی بھاری تھی کہ تینوں مل کر بھی اس کو ہٹا نہیں سکتے تھے۔ بڑی مصیبت کی گھڑی تھی غار کا منہ اس طرح بند ہو گیا کہ باہر کی کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ تینوں نے اللہ کو یاد کیا اور ایک دوسرے سے کہا کہ ہم میں سے ہر ایک اپنا کوئی ایسا نیک عمل یاد کرے جو اس نے خالص اللہ کی رضامندی کے لئے کیا ہو، اور ہر ایک اپنے اسی عمل کا حوالہ دے کر اللہ سے دعا کرے شاید اللہ ہماری مشکل کو حل فرما دے اور یہ چٹان غار کے منہ سے ہٹ جائے۔

ان میں سے ایک نے کہا اے اللہ! میرے بوڑھے ماں باپ تھے اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے، میں بکریاں چرا کر ان سب کی خبر گیری کرتا تھا۔ جب میں شام کو واپس آتا تو دودھ دوہ کر سب سے پہلے اپنے والدین کو پلاتا پھر اپنے بچوں کو، ایک دن بکریاں چراتے ہوئے میں دور نکل گیا تھا جب واپس آیا تو رات ہو چکی تھی، میرے والدین سو چکے تھے، میں نے اپنی عادت کے مطابق دودھ دوہا اور دودھ کا برتن لے کر والدین کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ مجھے یہ بھی پسند نہیں تھا کہ والدین کو جگاؤں اور ان کی نیند میں خلل ڈالوں اور یہ بھی پسند نہیں تھا کہ والدین سے پہلے اپنے بچوں کو پلا دوں، بچے بھوک کے مارے میرے قدموں کے پاس روتے اور چیختے رہے، مگر میں نے انہیں دودھ نہ پلایا، اور ماں باپ کے سرہانے دودھ کا برتن لئے کھڑا رہا، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ صرف تیری رضا کے لئے کیا تھا تو اس چٹان کو اس

غار سے اتنا ہٹا دے کہ آسمان نظر آنے لگے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمائی اور چٹان اتنی کھسک گئی کہ آسمان نظر آنے لگا۔

دوسرے نے کہا اے اللہ! میری ایک چچازاد بہن تھی، جس سے میں محبت کرتا تھا۔ ایسی ہی شدید محبت جیسی مرد عورت سے کرتا ہے، میں نے اس سے اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے کہا تو اس نے جواب دیا کہ اگر میں اسے سو دینار لا کر دے دوں تو وہ میری خواہش پوری کر دے گی۔ چنانچہ میں نے محنت اور کوشش کر کے سو دینار جمع کئے اور اسے لا کر دیئے وہ خواہش پوری کرنے کے لئے تیار ہوگئی، مگر عین وقت پر اس نے کہا اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر اور یہ حرکت نہ کر۔ چنانچہ میں فوراً وہاں سے اٹھ گیا۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام صرف تیری رضا کے لئے کیا تھا تو اس چٹان کو ہٹا دے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی بھی دعا قبول فرمائی، اور چٹان کچھ اور ہٹ گئی۔

تیسرے نے کہا اے اللہ! میں نے ایک شخص کو اجرت پر رکھا تھا اس کی اجرت سولہ رطل دھان طے ہوئی تھی، جب اس نے کام پورا کر لیا تو اس نے اپنی اجرت مانگی، میں نے اجرت اس کے سامنے رکھ دی، مگر اس نے اس کو لیا نہیں بلکہ چھوڑ کر چلا گیا، میں اس دھان کو برابر بوتا رہا یہاں تک کہ اس کی خرید و فروخت سے بہت سی گائیں اور چرواہے جمع کر لئے، پھر ایک دن وہی شخص آیا اور اس نے کہا "اللہ سے ڈرو! مجھ پر ظلم نہ کرو اور میرا حق دیدو۔" میں نے کہا جاؤ وہ گائیں اور چرواہے لے جاؤ۔ اس نے کہا اللہ سے ڈرو اور مجھ سے مذاق نہ کرو، میں نے کہا میں تم سے مذاق نہیں کرتا، جاؤ! گائیں اور چرواہے لے جاؤ، وہ شخص ان گایوں اور چرواہوں کو لے گیا۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام صرف تیری رضا کے لئے کیا تھا تو باقی ماندہ چٹان بھی ہٹا دے، اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا بھی قبول کی اور چٹان غار کے منہ سے ہٹ گئی اور تینوں صحیح سالم نکل آئے۔

محترم حضرات! یہ ہے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک اور اعمال صالحہ کی برکت کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی کتنی بڑی مصیبت سے نجات عطا فرمائی۔ آیئے ہم سب مل کر دعا کریں اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو اپنے والدین کا فرمانبردار اور اطاعت شعار بنایئے اور اعمال صالحہ کی دولت عطا فرمائے۔ (آمین)

خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں، غلامی میں
زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغناء

(اقبال)

تخلیق آدم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَمَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ اَمَّابَعْدُ۔

صدر محترم! حاضرین جلسہ!

تصور کیجئے اُس وقت کا جب دنیا میں انسانوں کی آبادی نہ تھی، نہ آدم تھے نہ آدم زاد، نہ حوا تھیں نہ حوا کی اولاد، یہ دنیا کتنی ویران اور اداس رہی ہوگی نہ چہل پہل نہ رونق، نہ شور وغل، نہ ہنگامہ، سارا ماحول بے کیفی اور بے لطفی میں ڈوبا ہوا، نہ محبت نہ عداوت، نہ اتحاد نہ اختلاف، نہ فکر معاش، نہ فکر آخرت، ہر چیز سے عاری اور ہر چیز سے خالی دنیا، نہ زندگی کی بہار، نہ زندگی کی رنگینیاں، جب دنیا میں آدمی ہی نہیں تھا تو یہ چیزیں کہاں سے ہوتیں، یہ ساری بہار تو انسان ہی کے دم سے ہے۔ انسانی وجود نے دنیا کے ماحول کی کایا پلٹ دی دنیا کی اداسی اور ویرانی کو رونق وہنگامہ میں بدل دیا، دنیا میں انسان کے آتے ہی زندگی کی تگ ودو شروع ہوگئی، کائنات کی کھوج کرید اور تحقیق وتفتیش کا سلسلہ چل پڑا۔ اس ہنگامہ ہستی نے جہاں ہزاروں فتنوں کو جنم دیا، وہیں کائنات کے راز ہائے سربستہ کھولے، زندگی کے عقدہ لاینحل کی گتھیاں سلجھائیں جہاں اس نے اپنی گمراہی وضلالت کے اسباب فراہم کئے وہیں حق وصداقت کے روشن مینار بھی تعمیر کئے، انسان نہ سراپا خیر تھا، نہ سراپا شر، اس میں شر اور خیر دونوں تھا۔ لہٰذا دونوں فطرتوں کا ظہور ہوا۔ یہ الگ بات ہے ایک انسان کو کامیابی سے ہمکنار کیا، دوسرے نے اسے گمراہی پر ڈال دیا۔

ذرا اور پیچھے ہٹ کر سوچئے! جب یہ دنیا بھی نہ رہی ہو۔ دنیا کا کارخانہ نہ رہا ہو، یہ کائنات نہ رہی ہو۔ کائنات میں پائی جانے والی مخلوقات نہ رہی ہوں۔ تب کیسا لگتا ہوگا، اور خالق کائنات کیا سوچتا رہا ہوگا؟!

ایک حدیث قدسی ہے جو اگرچہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہے مگر ہمارے اس تصور کے لئے معین ومددگار ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ۔

''میں پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں، پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔''

گویا مخلوقات کی پیدائش کا مقصد خالق کائنات کو پہچاننا ہے، لہٰذا جو مخلوق اپنے خالق کو نہ پہچانے وہ اپنے مقصد تخلیق اور مقصد آفرینش سے ناواقف و بیگانہ ہے۔ خالق کو پہچاننے کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق، خالق کو مطیع و فرمانبردار ہو، اس کے حکموں پر چلنے والی ہو، اس کی عبادت میں منہمک رہنے والی ہو۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ﴾

''ہم نے جنات اور انسان کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔''

انسانوں سے پہلے! اس دنیا میں جنات آباد تھے۔ مگر ان کے ذریعہ دنیا میں وہ رنگا رنگی نہ پیدا ہو سکی جو حضرت انسان کا مقدر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جب ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا چاہا تو فرشتوں کو اطلاع دی کہ میں زمین میں اپنا ایک خلیفہ اور نائب پیدا کرنے والا ہوں۔ فرشتوں نے سنا تو کہنے لگے کہ بارالٰہا! اگر ایک نئی مخلوق کو پیدا کرنے کا مقصد آپ کی تسبیح و تہلیل ہے تو اُس کے لئے ہم تو ہمہ وقت حاضر ہی رہتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مخلوق زمین میں فساد پھیلائے، خون خرابہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ مخلوق مفسد ہوگی یا مصلح، اچھی ہوگی یا بری، خون خرابہ کرے گی یا امن و آشتی کی پیامبر، ان سب کے بارے میں حقیقت کا علم مجھے ہے، تمہیں نہیں۔

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

''اور اس وقت کو یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا ایک خلیفہ بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے کہا کیا ایسی ہستی کو خلیفہ بنایا جا رہا ہے جو زمین میں فساد پھیلائے اور خون بہائے حالانکہ ہم تو تیری تسبیح و تقدیس میں ہی لگے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔''

آدم کا خمیر مٹی سے گوندھا گیا۔ جب وہ مٹی پختہ ٹھیکری کی طرح کھنکھنانے لگی تو اللہ تعالیٰ نے اس جسد خاکی میں روح پھونکی، دفعتہ وہ جسد خاکی گوشت پوست کا ایک انسان بن گیا ساتھ ہی تمام انسانی اوصاف و خصائل کا حامل بھی۔

فرشتوں کو حکم ہوا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں تاکہ فرشتوں پر آدم علیہ السلام کی برتری ثابت ہو جائے۔

فرشتے حکم الٰہی کے پابند تھے، فوراً آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے مگر ابلیس لعین نے سجدہ سے انکار کر دیا اور مردود بارگاہ ہوا۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ○

''اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ پس سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ سے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ (علم الٰہی میں) پہلے ہی سے کافروں میں سے تھا۔''

اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے پوچھا کہ تم نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیوں نہیں کیا، ابلیس نے جواب دیا کہ میں آدم سے بہتر ہوں، آدم سے اونچی مخلوق ہوں، پھر اپنے سے نیچی مخلوق آدم کو کیوں سجدہ کروں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم میرے حکم سے بھی اونچے تھے کہ میرے حکم کے بعد تم نے نافرمانی کی، نکل جاؤ یہاں سے، تم ہمیشہ کے لئے راندہ درگاہ ہو گئے۔ سورۂ اعراف میں ہے:

مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ○ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ

''کس بات نے تجھے سجدہ کرنے سے روکا جبکہ میں حکم دے چکا تھا، ابلیس نے کہا میں آدم سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیری یہ ہستی نہیں ہے کہ یہاں رہ کر سرکشی کرے یہاں سے نکل دور ہو، بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے۔''

شیطان نے کہا اسی آدم کی وجہ سے مجھے تیرے دربار سے نکالا گیا، لہٰذا تو مجھے مہلت دے کہ میں آدم اور آدم کی اولاد کو بہکاؤں، انہیں گمراہ کروں، ان کے سامنے دنیا کو مزین کر کے پیش کروں، طرح طرح سے دل میں وسوسے ڈالوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا جا! میں نے تجھ کو مہلت دے دی اور قیامت تک کی مہلت دی۔ لیکن یاد رکھ! جو تیرے بہکاوے میں آئیں گے، جو تیری راہ اختیار کریں ان کو اور تجھ کو، سب کو جہنم میں جھونک دونگا۔ اور یہ بھی یاد رکھ کہ میرے مخلص بندے تیرے پھندے میں نہ آئیں گے، تیرا کوئی داؤ اور فریب ان پر نہ چلے گا۔

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ○ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ○ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہی سیدھی راہ ہے جو مجھ تک پہنچانے والی ہے۔ جو میرے مخلص بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہ چلے گا صرف انہیں پر چلے گا جو بندگی کی راہ سے بھٹک گئے۔ ان سب کے لئے جہنم کے عذاب کا وعدہ ہے۔''

بزرگو اور دستو! اس وقت سے لے کر آج تک شیطان انسان کے پیچھے پڑا ہوا ہے، وہ انسانوں کو طرح طرح کے حیلوں، قسم قسم کی تدبیروں سے گمراہ کرتا رہتا ہے مگر اللہ کے مخلص اور نیک بندے، شیطان کے فریب میں نہیں آتے، وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ بھیجی ہوئی ہدایت پر چلتے ہیں۔ لیکن جو لوگ شیطان کے مکر و فریب میں آ گئے، ان کا ٹھکانا وہیں ہے جہاں شیطان کا ٹھکانا ہے یعنی جہنم اور اس کے دہکتے ہوئے انگارے، جہنم اور جہنم کے سانپ، بچھو اور طرح طرح کے عذاب۔

لیکن قصۂ آدم کا یہ باب یہیں بند نہیں ہوتا، فرشتوں کے سامنے آدم کی برتری دکھانے کا انتظام ہو رہا ہے۔ تاکہ فرشتے انسان کو سراپا شر نہ سمجھیں، وہ انسان کو فتنہ و فساد اور خون خرابے کا ہی آلہ تصور نہ کریں۔ بلکہ اس کی مخفی صلاحیت اس کی قوت ادراک اور اسکے علمی تفوق کا بھی جائزہ لے سکیں۔ اور انسانی علم کے آگے اپنی عاجزی و درماندگی کا اعتراف کریں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو علم اسماء کی دولت عطا فرمائی، پھر فرشتوں سے بھی علم اسماء کے متعلق استفسار ہوا اور آدم سے بھی۔ فرشتے نہ بتا سکے، حضرت آدم نے فوراً بتا دیا۔ اور آدم کا استحقاق خلافت ثابت ہو گیا۔ فرشتوں نے اعتراف کیا کہ انسان علم میں ان سے بڑھ کر ہے وہ ان سے زیادہ حقائق اشیاء کی دریافت پر قادر ہے۔

وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ○ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ○

''اور اللہ نے آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے پھر انہیں فرشتوں پر پیش کیا اور فرمایا کہ ان چیزوں کے نام بتاؤ، اگر تم درستگی پر ہو۔ فرشتوں نے کہا اے پروردگار! تیری ذات پاک ہے۔ ہمیں بس وہی علم ہے جو تو نے سکھایا۔ تو ہی جاننے والا، حکمت والا ہے۔ کہا اے آدم! ان چیزوں کے نام بتاؤ، پس جب آدم نے ان چیزوں کے نام بتا دیئے تو اللہ

تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمانوں اور زمین کی غیب کی باتیں میں ہی جانتا ہوں اور میں وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔"

بہرحال آدم کی برتری فرشتوں پر ظاہر ہوگئی اور فرشتوں نے بھی اس کا اعتراف واقرار کیا، اس کے بعد حضرت آدم کو حکم ہوا کہ وہ جنت میں رہیں، جنت کے میوے اور پھل کھائیں، آرام وراحت سے گزر بسر کریں۔ لیکن تنہا رہتے ہوئے آدم کو وحشت ہو رہی تھی، کسی ساتھی کی تلاش تھی، جس کو اپنا ہم دم وہم نفس اور مونس وغم خوار بنائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی انتظام فرمادیا اور حضرت حوا علیہا السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا فرمایا وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا (اور اسی کے نفس سے اس کا جوڑا بنایا) آدم وحوا علیہما السلام دونوں ہنسی خوشی جنت میں رہنے لگے، جنت میں ہر طرح کی آزادی تھی مگر ایک چیز کی پابندی تھی۔ پابندی یہ تھی کہ جنت کے فلاں درخت کا پھل نہ کھانا، پھل کھانا درکنار اس کے قریب بھی نہ جانا مگر انسان کا ازلی دشمن شیطان تاک میں تھا۔ اس نے آدم وحوا کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ جس درخت کے قریب جانے سے منع کیا گیا ہے وہ "شجرہ خلد" ہے۔ اس کے پھل کا کھانا جنت کی سرمدی آرام اور ہمیشہ کی راحت کا ضامن ہے، شیطان نے قسمیں کھا کھا کر باور کرایا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں، چنانچہ آدم وحوا پر لازمۂ بشریت یعنی خطاء ونسیان کا ظہور ہوا اور ممانعت کے باوجود ممنوعہ درخت کا پھل کھالیا۔ پھل کھاتے ہی جنت کا لباس اتر گیا دونوں کا ستر کھل گیا۔ آدم وحوا پتوں سے اپنا بدن چھپانے لگے۔ گویا انسانی تمدن کی ابتدا ہو رہی تھی کہ انسان ستر پوشی کے لئے سب سے پہلے درخت کے پتوں کو استعمال کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! ممانعت کے باوجود یہ حکم عدولی کیسے ہوئی؟ آدم پھر آدم تھے سراپا اطاعت شعار وفرمانبردار، شیطان کی طرح اپنی غلطی کی تاویل کرنے والے یا اپنی غلطی پر جم جانے والے نہ تھے۔ انہوں نے صاف صاف اپنی خطاء کا اقرار کیا کہ بارالٰہا! یہ حکم عدولی تمرد وسرکشی کا نتیجہ نہیں، یہ ذہول ونسیان کا نتیجہ ہے۔ پھر بھی اے اللہ! میں اپنی خطا پر نادم ہوں، عفو ومغفرت کا طلبگار ہوں۔

﴿وَ لَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾

"ہم نے آدم سے پہلے ہی عہد لے لیا تھا مگر وہ بھول گیا، اور ہم نے اس میں نافرمانی کا قصد نہ پایا۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم وحوا کی غلطی معاف فرمادی لیکن حکم ہوا کہ زمین میں اُترو تاکہ نسل انسانی آباد ہو، دنیا کی ویرانی دور ہو، انواع واقسام کی تحقیقات وانکشافات سے دنیا کی رونق دوبالا ہو، یہ خاموش اور بے کیف ماحول کیف وسرور اور رنگ ونور میں تبدیل ہو۔

﴿وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ﴾

"اور ہم نے کہا یہاں سے اترو، تم میں کا بعض بعض کا دشمن ہوگا۔ اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانہ ہے اور فائدہ اٹھانا ہے ایک وقت مقررہ تک۔"

کھول آنکھ زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ
اس جلوۂ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ
ایام جدائی کے ستم دیکھ، جفا دیکھ
بیتاب نہ ہو معرکۂ بیم و رجا دیکھ
ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ گنبد افلاک، یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ، یہ صحرا، یہ سمندر، یہ ہوائیں
تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئینۂ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ

حضرت نوح علیہ السلام

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ۔
اَمَّا بَعْدُ

صدر محترم حاضرین جلسہ!

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے بہت سے نبی اور رسول بھیجے، سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام تھے، اور سب سے پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام تھے، مسلم شریف کی حدیث میں ہے:

یَا نُوحُ اَنْتَ اَوَّلُ الرُّسُلِ اِلَی الْاَرْضِ۔

''(اے نوح) تمہیں زمین پر سب سے پہلا رسول بنایا گیا)''

حضرت نوح علیہ السلام ایک ایسی قوم میں مبعوث کئے گئے تھے جو توحید سے یکسر نا آشنا تھی، خدائی تعلیمات واحکام کو بالکل بھلا بیٹھی تھی۔ خدائے واحد کی جگہ اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کی پرستش وپوجا میں مصروف تھی، قوم نوح کے پانچ مشہور بت تھے جن کا نام وَدّ، سُواع، یغوث، یعوق اور نسر تھا۔ بخاری شریف میں ہے کہ یہ پانچوں قوم نوح کے صالحین کے نام تھے، جب ان کا انتقال ہوگیا تو اس زمانہ کے لوگوں نے ان کی یادگار میں ان کی مورتی بنا کر رکھ لی، ان لوگوں کے بعد جب دوسری نسل آئی تو اس نے ان مورتیوں کا احترام کرنا شروع کر دیا، جب وہ بھی چلے گئے اور تیسری نسل کے لوگ آئے تو انہوں نے احترام سے بڑھ کر پوجا شروع کر دی اور انہیں پانچوں مورتیوں کے آگے سجدہ ریز ہونے لگے اور اس طرح بت پرستی شروع ہوگئی۔

گویا دنیا میں بت پرستی کی ابتداء اولیاء پرستی سے ہوئی ہے۔ دنیا میں پہلے بت پرستی کا وجود بھی نہ تھا۔ سب سے پہلے بزرگوں کی یادگار کے لئے مورتیاں بنیں اور وہی مورتیاں بعد میں پوجی جانے لگیں۔

نوح علیہ السلام نے جب قوم کو اللہ کی طرف بلایا، شرک چھوڑ دینے کی تلقین کی، حق اور راستی کی راہ اختیار کرنے کی تبلیغ کی تو قوم کی اکثریت نے بات ماننے سے انکار کر دیا۔ بہت کم لوگوں نے حضرت نوح کی دعوت پر لبیک کہا، وہ بھی بیچارے معمولی حیثیت رکھنے والے اور کمزور لوگ تھے، قوم

کے بڑے لوگوں نے حضرت نوح کا مذاق اڑایا۔ ان کی دعوتی کوششوں کا استہزا کیا اور اس بات کا بھی طعنہ دیا کہ تمہارے ساتھ معمولی لوگ ہیں، غریب اور کمزور طبقے کے افراد ہیں۔

﴿وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ وَ مَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ﴾

''ہم دیکھتے ہیں کہ تمہاری اتباع کرنے والے ہم میں ذلیل وحقیر لوگ ہیں اور بے سوچے سمجھے تمہارے پیچھے ہو لئے ہیں ہم تو تم لوگوں میں اپنے سے کوئی برتری نہیں پاتے بلکہ سمجھتے ہیں کہ تم جھوٹے ہو۔''

حضرت نوح علیہ السلام نے صاف صاف کہہ دیا کہ اے روسائے قوم! تم لوگ میری دعوت کو مانو نہ مانو، تم میری آواز پر لبیک کہو یا نہ کہو، میں ایمان لانے والوں کو اپنے سے الگ نہیں کرسکتا۔ وَمَا اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (میں انہیں دھتکارنے والا نہیں جو ایمان لے آئے)۔

نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو طرح طرح سے سمجھایا، رات میں بھی، دن میں بھی، کھلم کھلا بھی، پوشیدہ طور پر بھی مگر قوم نہ مانی، حضرت نوح کے سمجھانے پر اور بھی برگشتہ ہوگئی۔ کانوں میں انگلیاں اور کپڑے ٹھونس لئے، نوح علیہ السلام نے عذاب الٰہی سے ڈرایا تو کہنے لگے اے نوح! تم اپنے رب کا عذاب کیوں نہیں لے آتے، روزانہ دھمکاتے کیا ہو۔

﴿قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾

''قوم نے کہا اے نوح! تو نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت جھگڑا کیا، پس جس عذاب کا تو وعدہ کرتا ہے اسے لے آ، اگر تو سچا ہے۔''

ان سب باتوں کے باوجود حضرت نوح علیہ السلام دین کی دعوت دیتے رہے۔ لوگوں کو حق کی طرف بلاتے رہے۔ لیکن قوم بہت ہی ہٹ دھرم اور سرکش تھی، وہ حضرت نوح علیہ السلام کی بات کسی طرح ماننے کے لئے تیار نہ تھی، دن بدن اس کی سرکشی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ ساڑھے نوسو برس تک دعوت دینے کے بعد حضرت نوح بالکل ناامید اور مایوس ہوگئے تو بارگاہ الٰہی میں یوں دعا فرمائی۔

﴿رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ○ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾

''اے پروردگار! تو کافروں میں سے کسی کو بھی زمین پر باقی نہ چھوڑ، اگر تو ان کو یوں ہی

چھوڑ دے گا تو یہ تیرے بندوں کو بھی گمراہ کریں گے اور ان کی نسل بھی انہی کی طرح نافرمان پیدا ہو گی۔"

بارگاہِ الٰہی میں حضرت نوح علیہ السلام کی یہ دعا قوم کے حق میں بددعا تھی اور ہر طرح کی کوششوں کے بعد وہ اس بددعا پر مجبور ہوئے تھے، پیغمبر کی بددعا رائیگاں کیوں جاتی، فوراً قبول ہوئی اور حکم ہوا کہ اے نوح ایک کشتی تیار کرو، ایک طوفان آنے والا ہے، یہ سرکش و نافرمان قوم اسی طوفان میں غرق ہو جائے گی اور جو اہلِ ایمان ہوں گے وہ کشتی میں محفوظ رہیں گے۔

﴿وَ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَ وَحْیِنَا وَ لَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ﴾

"اے نوح! ہماری حفاظت میں اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بناؤ اور مجھ سے ظالموں کے متعلق کچھ نہ کہو، یہ لوگ غرق ہونے والے ہیں۔"

نوح علیہ السلام نے کشتی بنانی شروع کی، قوم نے دیکھا تو مذاق اڑایا کہ نہ پانی، نہ پانی برسنے کا کوئی امکان، کیا خشکی پر کشتی چلائیں گے، لیکن حضرت نوح علیہ السلام ان سب سے بے نیاز اپنے کام میں مصروف رہے اور کشتی بن کر تیار ہو گئی۔ اب عذابِ الٰہی آ گیا، آسمان سے بھی ٹوٹ کر پانی برسنے لگا اور زمین بھی اپنے چشمے اگلنے لگی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا اے نوح! اپنے اہل و عیال اور دیگر ایمان والوں کو لے کر کشتی میں بیٹھ جاؤ اور ہر مخلوق کا ایک ایک جوڑا بھی ساتھ رکھو۔ اب وہی لوگ عذابِ الٰہی سے بچیں گے جو کشتی میں ہوں گے، ان کے سوا کوئی نہ بچ سکے گا۔

﴿حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَ مَنْ اٰمَنَ وَ مَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ﴾

"یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور نے جوش مارا ہم نے کہا چڑھا لو کشتی میں ہر قسم سے جوڑا اور اپنے گھر کے لوگوں کے سوائے ان لوگوں کے جن کے بارے میں پہلے فیصلہ ہو چکا ہے۔ اور سب ایمان والوں کو بھی، اور ایمان نہ لائے تھے ان کے ساتھ مگر تھوڑے۔"

آپ لوگ جانتے ہیں کہ یہ ایمان لانے والے کتنے ہیں؟ صرف چالیس افراد، یا بقول بعض اسی کے قریب یعنی ساڑھے نو سو برس کی تبلیغ کا نتیجہ چالیس یا اسی نفر اہلِ ایمان۔ بہرحال ناکام حضرت نوح علیہ السلام نہیں تھے۔ انہوں نے اپنی کوشش میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی۔ ناکام تو وہ قوم تھی جس نے دعوتِ الٰہی کو ٹھکرا دیا اور گمراہی اور ضلالت پر تکیہ کر کے بیٹھ گئی۔

عذاب الٰہی آچکا تھا، نافرمان اور سرکش قوم عذاب الٰہی کے شکنجے میں کسی جا چکی تھی اور اہل ایمان کی کشتی موجوں کے درمیان بڑی شان وشوکت اور اطمینان وسکون کے ساتھ تیر رہی تھی وَھِیَ تَجْرِیْ بِھِمْ فِیْ مَوْجٍ کَالْجِبَالِ (وہ کشتی انہیں ان موجوں کے بیچ لئے چل رہی تھی جو پہاڑوں کے مانند تھیں) پہاڑوں کی طرح اٹھتی ہوئی طوفانی لہروں میں سرکش قوم غرق کی جا رہی تھی۔ اسی دوران ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے کافر بیٹے کنعان کو دیکھا کہ وہ طوفانی موجوں میں تھپیڑے کھا رہا ہے، نوح علیہ السلام دعوت حق کے جذبے سے بیتاب ہو اٹھے، پکار کر کہا یَا بُنَیَّ ارْکَبْ مَّعَنَا وَلَا تَکُنْ مَّعَ الْکَافِرِیْنَ (اے میرے بیٹے! آ ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا اور کافروں میں سے نہ ہو) مگر آہ وہ بدنصیب بیٹا جواب بھی نہ سمجھ سکا، جو عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر بھی نہ سنبھل سکا۔ کہنے لگا کہ میں ابھی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاؤں گا۔ وہ مجھے موج سے بچا لے گی۔ نوح علیہ السلام نے فرمایا: ''آج اللہ کے عذاب سے اللہ کے سوا کوئی نہ بچا سکے گا۔'' ابھی یہی گفتگو ہو رہی تھی تب تک ایک موج آئی اور باپ بیٹے کے درمیان حائل ہو گئی، سیکنڈوں میں بیٹا نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ عذاب الٰہی کی غضبناک طوفانی لہروں نے اسے دبوچ لیا تھا۔

وَحَالَ بَیْنَھُمَا الْمَوْجُ فَکَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ

''اور دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی اور وہ ڈوبنے والوں میں سے ہو گیا۔''

سوچئے! کنعان کون تھا؟ حضرت نوح کا بیٹا، ایک جلیل القدر پیغمبر کا لخت جگر، ایک برگزیدہ رسول کا نور نظر، مگر انجام کیا ہوا؟ عذاب الٰہی کے شکنجے میں گرفتاری، ہمیشہ کی ذلت ورسوائی۔

جب بیٹا ڈوبنے لگا اور عذاب الٰہی کی تیز وتند موجوں میں ہچکولے کھانے لگا تو حضرت نوح علیہ السلام کی محبت پدری نے جوش مارا اور بارگاہ رب العزت میں یوں التجا کی:

﴿رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ وَ اِنَّ وَعْدَکَ الْحَقُّ وَ اَنْتَ اَحْکَمُ الْحٰکِمِیْنَ﴾

''اے میرے رب! میرا بیٹا میرے اہل وعیال میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نوح! یہ کنعان اگرچہ تمہارا صلبی بیٹا ہے مگر مومن نہیں ہے۔ تمہارا متبع اور فرمانبردار نہیں ہے۔ ایمان ویقین کی دولت سے مالا مال نہیں ہے، بلکہ کفر وشرک کی آلائشوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس لئے حقیقت میں تمہارے اہل وعیال میں شامل نہیں۔ صرف صلبی بیٹا ہونے سے اہل وعیال میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ تمہارے اوپر ایمان نہ لائے۔ اس کے اعمال، گناہ ومعصیت کے اعمال ہیں، نیکی اور عمل صالح سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ لہٰذا اے نوح! اس کے بارے

میں سفارش نہ کرو۔ یہ عذاب الٰہی سے بچ نہیں سکتا۔

قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ

''فرمایا اے نوح! وہ تیرے گھر والوں میں نہیں ہے۔ اس کے اعمال اچھے نہیں ہیں۔ پس مجھ سے اس چیز کے بارے میں سوال نہ کرو جس کے متعلق تمہیں علم نہیں ہے۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم ناواقفوں میں نہ بنو۔''

نوح علیہ السلام نے فوراً معافی مانگی اور کہا واقعی مجھ سے بھول ہوگئی تھی کہ میں نے اپنے نافرمان بیٹے کے لئے سفارش کی۔ حقیقت میں اس سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اور اے اللہ! اگر تو میری اس غلطی کو معاف نہ کرے گا تو میں بڑے خسارے میں مبتلا ہو جاؤں گا۔

حضرات! غور کرنے کا مقام ہے کہ ایک سگا بیٹا بھی ایمان نہ لانے اور عمل صالح نہ کرنے کی وجہ سے نبی کے اہل وعیال میں داخل نہ رہا۔ تو وہ لوگ اچھی طرح سوچ لیں جو حسب نسب کے بیجا فخر میں مبتلا ہیں اور اعمال صالحہ کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے، یاد رکھیے! اللہ تعالیٰ کے یہاں بزرگی اور بڑائی کا معیار تقویٰ اور پرہیزگاری ہے، ایمان ویقین اور اعمال صالحہ کی دولت ہے نہ کہ خاندان کی بڑائی اور عظمت سورۂ حجرات میں ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ

''اے لوگو بیشک ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے قبیلے اور خاندان اس لئے بنائے تاکہ ایک دوسرے کی شناخت کرو۔ خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے معرکۃ الآرا خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا:

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَظُّمَهَا بِالْاٰبَاءِ ○ اَلنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ۔

''جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار خدا نے مٹا دیا۔ تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔''

میرے دوستو! قیامت کے دن اعمال تولے جائیں گے، حسب نسب نہیں تولے جائیں گے، عمل کا پلڑا اگر بھاری نہ ہوا تو اونچے خاندان سے ہونا کچھ کام نہ آئے گا۔ اس لئے حسب نسب

اور ذات برادری پر فخر و مباہات کے بجائے اعمال صالحہ میں لگ جانا چاہیے اور تقویٰ و پرہیز گاری کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔

عروج نسل و نسب پر غرور بے معنی
عمل ٹلے گا قیامت میں خاندان نہیں

بہر حال قوم نوح اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئی۔ جس عذاب کو وہ ایک مذاق اور کھیل سمجھتے تھے وہ حقیقت کا روپ دھار کر انہیں نگل چکا تھا۔ طوفان نوح تھم گیا۔ آسمان کو حکم ہوا اب نہ برس، زمین سے کہا گیا کہ پانی کو جذب کر لے۔ سفینۂ نوح صحیح و سلامت جودی پہاڑ پر لگ گیا۔ جو ہونا تھا ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دکھا دیا کہ مفسد قوم کیسے تباہ و برباد ہوتی ہے اور ایمان لانے والے کس طرح کامیاب و بامراد ہوتے ہیں۔

﴿يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَ عَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ﴾

''اے نوحؑ! ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ اترو اور برکتوں کے ساتھ تم پر بھی اور اُن پر بھی جو تمہارے ساتھ ہیں۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ!

آگ ہے، اولاد ابراہیم ہے، نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

صدر محترم حاضرین جلسہ!

حضرت ابراہیم علیہ السلام، خدائے بزرگ و برتر کے ایک جلیل القدر پیغمبر تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات، دنیا کے تین بڑے مذاہب کی سرچشمہ ہے اسلام، یہودیت اور عیسائیت، حضرت موسیٰ و عیسیٰ کا سلسلہ نسب بھی حضرت ابراہیم تک پہنچتا ہے اور ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم کے لاڈلے فرزند حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کی اولاد میں ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کا باپ آزر بہت بڑا بت پرست اور بت ساز تھا۔ خدا کی قدرت دیکھئے کہ اس نے بت ساز کے گھر میں بت شکن پیدا کر دیا۔ مشرک باپ کا بیٹا موحد، بتوں کے آگے سر جھکانے والے کا لخت جگر، خدائے واحد کے آگے سربسجود ہونے والا، اپنے ہاتھوں سے پتھروں کو تراش کر مورتیاں بنانے والے کا نور نظر مورتیوں کا دشمن۔

سچ ہے کہ اللہ کی قدرت کے آگے کوئی چیز ہیچ نہیں، وہ چاہے تو نبی کے گھر میں شیطان پیدا کر دے اور چاہے تو شیطان کے گھر میں نبی کو پیدا فرما دے۔ حضرت نوح علیہ السلام نبی تھے مگر اُن کا بیٹا بت پرست و مشرک تھا۔ آزر بت پرست و بت ساز تھا مگر اُسی کے بیٹے حضرت ابراہیمؑ بت شکن و خدا پرست تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب آنکھیں کھولیں تو گھر کے ماحول کو دیکھا کہ ان کا باپ اپنے ہاتھوں سے مورتیاں بناتا ہے۔ اُن کی تراش خراش کرتا ہے۔ پھر بازار میں لے جا کر فروخت کر دیتا ہے، لوگ اُسے خریدتے ہیں، ان مورتیوں کو خدا سمجھتے ہیں، اُن کے آگے سر جھکاتے ہیں، ہاتھ جوڑتے ہیں، مرادیں مانگتے ہیں، انہیں ہر قسم کے نفع و نقصان کا مالک سمجھتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کو یہ باتیں بہت عجیب لگتی تھیں، وہ سوچتے تھے کہ میرا باپ اور یہ سارے لوگ کس قدر گمراہی میں مبتلا ہیں۔ ظاہر میں آنکھیں رکھتے ہوئے دل کی بینائی سے محروم ہیں۔ بصارت تو ہے لیکن بصیرت نہیں، کان تو ہیں لیکن گوش حق نیوش نہیں، ان کے پاس دل بھی ہے، دماغ بھی ہے۔ بظاہر عقل وشعور بھی ہے مگر کتنے بے شعور ہیں کہ اپنے سے کمزور کی پرستش میں لگے ہوئے ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کو خدا سمجھتے ہیں، جو اتنے کمزور ہیں کہ مکھی بیٹھ جائے تو اُسے بھی نہیں بھگا سکتے، سامنے رکھی ہوئی چیز کو کھا نہیں سکتے، ہاتھ بڑھا کو کوئی چیز اُٹھا نہیں سکتے، کسی کی طرف قدم اٹھا کر چل نہیں سکتے۔ کہنے کو ان بتوں کے پاؤں بھی ہیں، ہاتھ بھی ہیں، کان بھی ہیں، آنکھ بھی ہیں، زبان بھی ہے چہرہ مہرہ بھی ہے۔ بظاہر تو سبھی کچھ ہے، مگر صرف دیکھنے اور دکھانے کے لئے حقیقت میں کچھ نہیں ہے۔ حقیقت میں صرف ایک بے جان اور بے حیثیت پتھر ہے۔ جس کو عقل کے اندھوں اور شعور وفہم سے لابلد انسانوں نے اپنا خدا تصور کر رکھا ہے کتنی بڑی بھول میں انسان مبتلا ہے، کتنی بڑی گمراہی میں غرق ہے ایسے ہی لوگوں کے متعلق ارشاد ربانی ہے:

﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾

''ان کے دل ہیں پر وہ سمجھتے نہیں۔ ان کے آنکھیں ہیں پر دیکھتے نہیں۔ ان کے کان ہیں پر سنتے نہیں یہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ بے راہ ہیں۔ یہی ہیں جو غفلت میں سرشار ہیں۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو سمجھایا، اپنی قوم کو نصیحت کی اور انہیں بت پرستی چھوڑ کر خدائے وحدہٗ لاشریک کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونے کی تلقین کی، قرآن عزیز میں ہے۔

﴿وَ لَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ○ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ○ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ○ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

''بلا شبہ ہم نے ابراہیم کو اول ہی سے رشد وہدایت عطاء کی تھی اور ہم اس کے جاننے والے تھے جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ مجسمے کیا ہیں؟ جن کو تم لئے بیٹھے ہو، کہنے لگے ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی پوجا کرتے پایا ہے، ابراہیم نے کہا بلا شبہ تم اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں ہیں۔''

سورہ مریم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ○ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَ لَا يُبْصِرُ وَ لَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ○ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ○ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ○ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ○﴾

''اے پیغمبر! کتاب میں ابراہیم کا ذکر کرو، یقیناً وہ مجسم سچائی تھے اور اللہ کے نبی تھے، اس وقت کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ! تم کیوں ایسی چیز کی پوجا کرتے ہو جو نہ سنتی ہے نہ دیکھتی ہے، نہ تمہارے کوئی کام آسکتی ہے، اے میرے باپ! مجھے علم کی ایسی روشنی مل گئی ہے جو تمہیں نہیں ملی، پس میری اتباع کرو میں تمہیں سیدھی راہ دکھاؤں گا، اے میرے باپ! شیطان کی بندگی نہ کرو، شیطان تو خدائے رحمٰن کا نافرمان ہو چکا ہے۔ اے میرے باپ! میں ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ خدائے رحمٰن کی طرف سے کوئی عذاب تمہیں آگھیرے اور تم شیطان کے ساتھی ہو جاؤ۔''

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان نصیحتوں کا نہ باپ آزر نے مانا، نہ قوم نے بلکہ سبھی ابراہیم کے دشمن بن گئے۔ آزر نے تو حضرت ابراہیم کو سنگ سار کر دینے کی دھمکی دی اور کہہ دیا کہ تم گھر سے نکل جاؤ۔ حضرت ابراہیم نے باپ کو سلام کیا، گھر سے نکل گئے، اور جاتے جاتے باپ سے یہ بھی کہہ گئے کہ میں اپنے پروردگار سے تمہاری بخشش کی دعا کرتا رہوں گا۔ میرا رب مجھ پر بڑا مہربان ہے، ممکن ہے تمہیں بخش دے۔ اب میں تم کو بھی چھوڑ رہا ہوں اور تمہارے ان تمام معبودوں کو بھی جنہیں تم خدا کے سوا پوجتے ہو۔

حضرت ابراہیم کی قوم کواکب پرست تھی، چاند تاروں کو بھی اپنا معبود سمجھتی تھی۔ حضرت ابراہیم نے چاند ستاروں سے بھی اپنا دامن چھڑایا اور معبود واحد سے اپنا رشتہ عبدیت جوڑا۔ لیکن اس کے لئے انداز اتنا عجیب وغریب اختیار کیا کہ چاند، سورج اور ستاروں کے آگے سر بسجود ہونے والی قوم کی گمراہی کھل کر سامنے آگئی۔

تاروں بھری رات تھی۔ ایک ستارہ روشن وتابناک تھا۔ حضرت ابراہیم نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ هٰذَا رَبِّيْ (یہ میرا رب ہے) جب وہ وقت مقررہ پر ڈوب گیا تو حضرت ابراہیم نے فرمایا لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ (میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا) جو ڈوب جائے اور اتنا مجبور ہو کہ وقت مقررہ.

سے ایک دو گھڑی بھی نہ ٹھہر سکے وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

اب چاند چمکتا ہوا نظر آیا، چاندنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کہ اگر کواکب کو ہی خدا ماننا ہے تو یہ چاند زیادہ مستحق ہے کیونکہ تمام ستاروں کے مقابلے میں یہ زیادہ روشن ہے اور اپنی خنک روشنی سے سارے جہان کو منور کئے ہوئے ہے، مگر جب سحر قریب آئی تو چاند بھی دھندلا پڑنے لگا اور جب اُجالا ہوا تو اس کی بھی روشنی غائب ہو چکی تھی۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا:

لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ

"اگر میرے پروردگار نے مجھے راہ نہ دکھائی ہوتی تو میں ضرور اسی گروہ میں سے ہو جاتا جو راہِ راست سے بھٹک گیا۔"

اب دن نکل چکا تھا اور آسمان پر سورج پوری آب و تاب کے ساتھ روشن تھا۔ سورج! جو چاند سے بھی زیادہ کائنات عالم کے لئے روشنی کا منبع و مرکز تھا۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا:

هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ۔

"یہ میرا پروردگار ہے؟ کہ یہ سب سے بڑا ہے۔"

مگر دن بھی دھیرے دھیرے ختم ہو رہا تھا اور شام کے سائے قریب آ رہے تھے، شب دیجور آ پہنچی، سورج بھی اپنا منہ چھپا کر مغرب میں روپوش ہو چکا تھا۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ یہ مجبور و بے کس چاند، تارے اور سورج خدا نہیں ہو سکتے، لہٰذا

﴿یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ○﴾

"اے میری قوم! میں ان تمام سے جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو بیزار ہوں۔ میں نے ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اس ہستی کی طرف اپنا رُخ کر لیا ہے جو آسمان و زمین کی بنانے والی ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

معبودانِ باطل کو لاچار و بے بس ثابت کرنے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک اور موقع ہاتھ آیا اور وہ تھا قوم کے میلے کا دن، قوم نے حضرت ابراہیم سے کہا آپ بھی میلے میں چلئے، مگر حضرت ابراہیم نے قوم کی گمراہی سے اپنی افسردگی اور رنج و ملال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اِنِّیْ سَقِیْمٌ (میں کچھ بیمار ہوں)۔

قوم حضرت ابراہیم کو چھوڑ کر میلے میں چلی گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اٹھے، کلہاڑی ہاتھ میں

لی اور قوم کے سب سے بڑے بت خانے میں پہنچ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ بتوں کے سامنے طرح طرح کے چڑھاوے کے کھانے موجود ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے طنزیہ لہجے میں بتوں کو خطاب کر کے فرمایا یہ سب موجود ہے۔ تم کھاتے کیوں نہیں، میں تم سے بات کر رہا ہوں تم جواب کیوں نہیں دیتے! اَلَا تَاْكُلُوْنَ مَالَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ (کیوں نہیں کھاتے؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے کیوں نہیں بولتے) پھر بڑے بت کو چھوڑ کر سبھی کو توڑ ڈالا اور بڑے بت کے کاندھے پر کلہاڑی رکھ کر چلے آئے۔

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ۔

''پس ابراہیم نے سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا مگر بڑے بت کو چھوڑ دیا۔''

جب لوگ میلے سے واپس آئے اور بت خانے کا یہ حال دیکھا تو بہت برہم ہوئے اور تحقیق شروع کی یہ کس نے کیا ہے۔ ایک دوسرے سے پوچھتے رہے۔ آخر کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ ابراہیم کی ہی حرکت ہوگی کیونکہ وہی ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا رہتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بلائے گئے اور ان سے سوال کیا گیا:

اَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ۔

''اے ابراہیم کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کیا ہے؟''

حضرت ابراہیم سے جس وقت یہ سوال ہو رہا تھا، قوم کا ایک مجمع کثیر موجود تھا کاہن، مذہبی پیشوا اور سرداران قوم بھی کھڑے تھے، اور سب کے کان ابراہیم کے جواب کی طرف لگے ہوئے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ بتوں کو بے حیثیت اور بے وقعت ثابت کرنے کا اس سے بہتر موقع ہاتھ نہ آئے گا۔ آج سبھی لوگ دیکھ لیں گے کہ ہمارے یہ مٹی اور پتھر کے معبود کتنے بے جان، کتنے کمزور اور کتنے لاچار و بے بس ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَاسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ

''بلکہ ان کے بڑے نے یہ کیا ہے، پس اگر یہ بت بولتے ہوں تو انہیں سے پوچھ لو۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وار نشانہ پر لگ چکا تھا، وہ بتوں سے کیا پوچھتے بھلا بت بھی بولتے ہیں، سب کو شرمسار اور نادم ہونا پڑا، مذہبی پیشواؤں اور کاہنوں کا برا حال تھا، ان کی بڑی ذلت اور رسوائی ہو رہی تھی کہ جن بتوں کو وہ حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے تھے اور ساری قوم کو جن کے آگے سرنگوں ہونے پر مجبور کرتے تھے وہ اتنے بے حیثیت و بے وقعت نکلے کہ اپنی حفاظت بھی نہ کر پائے اور نہ ہی یہ ملتے ہیں کہ ان کو کس نے توڑا، ٹوٹے ہوئے بت کیا بتاتے، بڑا بت جو محفوظ تھا وہ بھی

نہ بتا سکتا تھا۔ شرمندگی اور ندامت سے عرق عرق ہو کر سر جھکا لیا، پھر کہنے لگے:

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ۔

''اے ابراہیم! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ بولتے نہیں۔''

گویا بتوں کی عاجزی و درماندگی کا اعتراف خود اُن کے پرستاروں اور پجاریوں نے کر لیا۔ حضرت ابراہیم کی حجت قائم ہو چکی تھی کہ یہ بت جب بولنے تک کی طاقت نہیں رکھتے تو نفع ونقصان کی کیا طاقت رکھیں گے، وقت آ گیا تھا کہ اللہ کی ربوبیت اور قدرت وحاکمیت کا اظہار کرتے ہوئے قوم کو ''ایمان باللہ'' کی دعوت دے دی جائے، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

﴿اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَا يَضُرُّكُمْ ○ اُفٍّ لَّكُمْ وَ لِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾

''کیا پس تم اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی پوجا کرتے ہو جو نہ تم کو کوئی نفع دے سکتی ہیں نہ نقصان، تم پر افسوس ہے اور تمہارے ان معبودوں پر بھی جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو، تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے۔''

لیکن وہ قوم جو عقل وہوش کو معبودانِ باطل کے پاس رہن رکھ چکی ہو، جو سوچنے کی صلاحیت سے یکسر محروم ہو، جس کے پاس بصارت تو ہو مگر دل بصیرت سے عاری ہوں وہ حضرت ابراہیم کی اس روشن دلیل کو کیسے قبول کر سکتی تھی، چنانچہ سب لوگ اعتراف واقرار کرنے کی بجائے حضرت ابراہیم کے ہی دشمن ہو گئے اور کہنے لگے کہ اگر اپنے دیوتاؤں کو خوش کرنا ہے تو اس مجرم کو سخت سزا دو، اسے دہکتی ہوئی آگ میں جلا دو تا کہ اس کا وجود ہی ختم ہو جائے اور اس کی دعوت وتبلیغ کا قصہ بھی تمام ہو جائے۔

شدہ شدہ یہ بات بادشاہِ وقت نمرود تک پہنچ گئی، جو خدائی کا دعویدار تھا اور ساری رعایا سے اپنی پرستش کراتا تھا اس نے سوچا کہ اگر یہ شخص اپنی تبلیغ کرتا رہا اور اس کی دعوتی سرگرمیاں یونہی جاری رہیں تو میری بادشاہت واقتدار میرا جاہ وجلال اور میری ربوبیت وخدائی بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔ اس نے حکم دیا کہ ابراہیم کو ہمارے دربار میں حاضر کرو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب نمرود کے دربار میں پہنچے تو اس نے پوچھا کہ تم باپ دادا کے دین کی کیوں مخالفت کرتے ہو؟ اور مجھے اپنا رب کیوں نہیں مانتے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا۔ میں خدائے واحد کا پرستار ہوں۔ اس کے ساتھ خدائی میں کوئی شریک نہیں، ساری کائنات اور سارا نظام عالم اسی کے قبضہ وتصرف میں ہے، ساری

کائنات اُسی کی پیدا کی ہوئی ہے۔ کوئی انسان یا مٹی اور پتھر کا بت خدا نہیں ہوسکتا۔ میں سیدھی راہ پر ہوں، تم لوگ غلط راہ پر ہو، میں صحیح راہ کو چھوڑ کر باپ دادا کا خود ساختہ دین نہیں اختیار کرسکتا۔

نمرود نے کہا کہ اے ابراہیم! کیا تیرے خدا میں کوئی ایسی قدرت ہے جو مجھ میں نہیں ہے؟ حضرت ابراہیم نے فرمایا۔ میرا رب وہ ہے جس کے قبضہ وقدرت میں موت وحیات ہے، وہی موت دیتا ہے وہی زندگی عطا کرتا ہے۔

موت وحیات کے مفہوم سے ناآشنا اور نابلد نمرود کہنے لگا کہ ''زندگی اور موت تو میرے اختیار میں بھی ہے'' اس کے بعد دو قیدیوں کو بلایا، جو بے قصور تھا اس کے متعلق جلاد کو حکم دیا کہ اس کی گردن اُڑادو، جلاد نے حکم کی تعمیل کی، بے قصور قتل کردیا گیا۔ اور دوسرے شخص کے متعلق جو واجب القتل مجرم تھا، حکم دیا کہ اسے آزاد کردیا جائے اس کے بعد حضرت ابراہیم کی طرف متوجہ ہوکر کہنے لگا کہ دیکھو! میں بھی تو زندگی اور موت دیتا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ اس سے بات کرنا بیکار ہے، یہ موت وحیات کا مطلب ہی نہیں سمجھتا۔ بے قصور کو مار ڈالنے اور مجرم کی جان بخش دینے کا نام موت وحیات عطا کرنا نہیں ہے بلکہ موت وحیات کا مالک ہونے کا نام موت وحیات عطا کرنا ہے، جس کے قبضہ وقدرت میں ہست کو نیست کرنا اور نیست کو ہست کرنا ہو، وہی موت وحیات کا مالک ہے۔ نمرود یا تو بات کو سمجھتا نہیں، یا قوم کو مغالطہ میں ڈالنا چاہتا ہے۔

حضرت ابراہیم نے سوچا کہ اس کے سامنے کوئی ایسی دلیل لانی چاہیے، جس سے آسانی سے زیر ہوجائے اور کوئی جواب نہ بن پڑے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

﴿فَإِنَّ اللّٰهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ﴾

''پس اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے۔ تو اسے مغرب سے نکال کر دکھلا، پس وہ کافر فرمبہوت ہوکر رہ گیا۔''

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل وبراہین کا کسی کے پاس کوئی جواب نہیں تھا مگر اس کے باوجود وہ لوگ راہ مستقیم پر گامزن نہ ہوئے بلکہ سب نے مل کر حضرت ابراہیم کے لئے ایک تجویز کی اور وہ تھی آگ میں زندہ جلادینے کی سزا، چنانچہ ایک مخصوص مقام پر کئی روز تک مسلسل آگ دہکائی گئی۔ اس کے بعد ان لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دہکتے ہوئے انگاروں میں پھینک دیا۔ نمرود اور ساری قوم مطمئن تھی کہ اب ابراہیم بچ کر نہیں جاسکتا، مگر جسے اللہ رکھے

اسے کون چکھے، حضرت ابراہیم کا بال بیکا نہ ہوا، دہکتی ہوئی آگ، لپکتے ہوئے شعلے اللہ کے حکم سے گل وگلزار بن گئے، جس اللہ نے آگ کے اندر جلانے کی صلاحیت رکھی ہے، اُسی نے اُس آگ کی صلاحیت کو بے اثر کر دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں "بَرْدًا وَّسَلَامًا"

﴿قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ﴾

"ہم نے کہا اے آگ ابراہیم پر سرد اور سلامتی بن جا۔"

دشمن اگر قوی است، نگہباں قوی تر است

حضرت ابراہیم علیہ السلام صحیح وسالم مامون ومحفوظ آگ کے شعلوں سے ہوتے ہوئے نرغۂ اعدا سے نکل گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان لوگوں سے مایوس ہو چکے تھے، انہوں نے دعوت وتبلیغ کا نیا میدان تلاش کیا اور ایسے لوگوں کی طرف چلے جو حق بات سننے والے اور حق پر ایمان لانے والے ہوں۔ چنانچہ کلدانیین کی جانب ہجرت کرتے ہوئے فلسطین پہنچے اور فلسطین سے مصر گئے۔ تینوں مقامات پر حضرت ابراہیم کی بیوی حضرت سارہؓ اور حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی بیوی حضرت ابراہیم کے ساتھ تھیں۔ بادشاہ مصر نے اپنی بیٹی حضرت ہاجرہؓ کو حضرت ابراہیم کے نکاح میں دے دیا۔ یہی وہ حضرت ہاجرہ ہیں جن سے ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تولد ہوئے اور آقائے نامدار ﷺ کے جدا مجد بنے۔

محترم بزرگو اور دوستو! اگر ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی پر غور کریں تو ہمیں شروع سے آخر تک ابتلاء وآزمائش کے دور سے بھری ہوئی ملے گی۔ باپ آزر کا دشمن بن جانا، قوم کا عداوت پر کمربستہ ہو جانا، نمرود کا حضرت ابراہیم کو آگ کے شعلوں میں ڈلوا دینا، پھر سب سے مایوس ہو کر وطن عزیز کو خیر آباد کہہ دینا یہ ساری باتیں ابتلاء وآزمائش نہیں تو اور کیا ہیں۔

لیکن امتحان کے مراحل ابھی ختم نہیں ہوئے تھے۔ بیوی ہاجرہ سے حضرت ابراہیم کے بیٹے حضرت اسماعیل پیدا ہوئے۔ بڑھاپے کے عالم میں پہلی اولاد پیری اور ضعیفی کا سہارا آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور، حضرت ابراہیم کو کیا خوشی نہ ہوئی ہوگی۔

مگر اللہ کی طرف سے حکم ہوا کہ بیوی ہاجرہ اور بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو وادیٔ غیر ذی زرع میں چھوڑ آؤ۔ یعنی اُس جنگل وبیابان میں جہاں نہ کوئی آبادی ہے، نہ آب ودانہ، جو چٹانوں اور پتھروں کا دیس ہے، جہاں کھیتی باڑی کا سوال ہی نہیں، ریت ہی ریت، ریگستان ہی ریگستان دور تک پھیلا ہوا، تا حد نگاہ کسی آدم زاد کا نہ نشان نہ پتہ، مگر وہ وادی جو اللہ کی سب سے محبوب وادی تھی، جہاں ابراہیم واسمٰعیل کو خانہ کعبہ کی تعمیر کرنی تھی، جہاں صفا ومروہ پہاڑیاں ہیں، جہاں زمزم کا چشمہ اُبلنا

تھا، جس وادی کو ایک دن ساری دنیا کا مرکز نگاہ اور مرکز توجہ بننا تھا۔ ہاں ہاں! وہی وادی جو دنیا کی سب سے مقدس وادی تھی۔ جہاں تجلیاتِ الٰہی کا خاص فیضان تھا۔

خدا کے حکم سے مرسلؑ نے جب رخت سفر باندھا
جناب ہاجرہؑ نے دوش پہ لخت جگر باندھا
خدا کا قافلہ جو مشتمل تھا تین جانوں پر
معزز جس کو ہوتا تھا زمینوں وآسمانوں پر
چلا جاتا تھا اس تپتے ہوئے صحرا کے سینے پر
جہاں دیتا ہے انساں موت کو ترجیح جینے پر
وہ صحرا جس کا سینہ آتشیں کرنوں کی بستی ہے
وہ مٹی جو سدا پانی کی صورت کو ترستی ہے
وہ صحرا جس کی وسعت دیکھنے سے ہول آتا ہے
وہ نقشہ جس کی صورت سے فلک بھی کانپ جاتا ہے
بالآ چلتے چلتے آخری منزل پہ آٹھہرے
پئے آرام زیر دامن کوہ صفا ٹھہرے

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب بیوی اور بیٹے کو چھوڑ کر جانے لگے اور چلتے چلتے ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے اہل وعیال نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو اس جانب جہاں خانہ کعبہ ہے رُخ کیا اور یوں دعا مانگی:

﴿رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْىِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَ ارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ﴾

''اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی بعض اولاد وادی غیر ذی زرع میں تیرے محترم گھر کے پاس لاکر بسائی ہے۔ خدایا! تاکہ یہ نماز قائم کریں۔ پس تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور تو انہیں زمین کی پیداوار سے سامان رزق مہیا کر دے تاکہ یہ تیرے شکر گزار ہوں۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت ہاجرہؑ اور ننھے اسمٰعیل کے پاس پانی کا ایک مشکیزہ اور ایک تھیلی کھجور چھوڑ کر گئے تھے۔ حضرت ہاجرہؑ کچھ دن تک اسی سے گزر بسر کرتی رہیں، آخر کار پانی بھی ختم

ہو گیا اور کھجوریں بھی، اب بڑی سخت پریشانی کا سامنا تھا، چونکہ بھوکی پیاسی تھیں اس لئے دودھ بھی نہیں اترتا تھا کہ اسمٰعیلؑ کو پلا سکیں۔ جب بھوک و پیاس سے حالت دگرگوں ہونے لگی اور ننھا اسمٰعیل بیتاب ہونے لگا تو حضرت ہاجرہؑ اسمٰعیلؑ کو وہیں چھوڑ کر قریب کی صفا پہاڑی پر چڑھ گئیں کہ شاید کہیں پانی نظر آجائے یا کوئی اللہ کا بندہ دکھائی دے جائے، مگر کچھ نظر نہ آیا۔ بچے کی محبت میں دوڑ کر پھر بچے کے پاس واپس آگئیں۔ مگر بچے کو بھوک و پیاس سے تڑپتا اور بلکتا دیکھ کر دوسری پہاڑی مروہ پر پہنچیں مگر وہاں سے بھی کچھ نظر نہ آیا۔ پھر بچے کا خیال آیا، دوڑ کر واپس آگئیں، شاعر کہتا ہے:

صفا و مروہ پر ہر سو تلاش آب میں دوڑیں
بلند و پست پر فکر شئے نایاب میں دوڑیں
کبھی اس سمت جاتی تھیں کبھی اس سمت جاتی تھیں
خیال آتا تھا بچے کا تو فوراً لوٹ آتی تھیں
تڑپتے دیکھ کر بچے کو بڑھ جاتی تھی بے تابی
ٹپک پڑتی تھی اشک یاس سے پانی کی نایابی
بہت ڈھونڈھا نہ کچھ آثار پانی کے نظر آئے
جدھر اٹھی نظر، جھلسے ہوئے ٹیلے نظر آئے

اسی طرح سات مرتبہ صفا و مروہ کے درمیان آئیں گئیں، یہی وہ سنت ہاجرہ ہے، جسے آج بھی حاجی فریضہ حج کے دوران ادا کرتے ہیں، اور جسے سعی بین الصفا والمروہ کہا جاتا ہے۔

آخر میں جب حضرت ہاجرہؑ مروہ پر تھیں تو کانوں میں ایک آواز آئی، جیسے کوئی پکار رہا ہے۔ کان لگایا تو آواز آئی اے ہاجرہ! تمہاری دردبھری صدا سن لی گئی۔ جاؤ ذرا اسمٰعیلؑ کے پاس جاکر قدرت خداوندی کا تماشا دیکھو، حضرت ہاجرہ، شیر خوار اسمٰعیلؑ کے پاس واپس آئیں تو دیکھا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام موجود ہیں اور جس جگہ ننھا اسمٰعیلؑ ایڑیاں رگڑ رہا تھا وہیں ایک چشمۂ شیریں جاری ہے۔ حضرت ہاجرہؑ جلدی جلدی اُس کے چاروں طرف باڑ بنا کر اُسے پھیلنے سے روکنے لگیں۔ یہی وہ چشمہ شیریں، چشمۂ زمزم ہے، جسے حجاج کرام، حج بیت اللہ سے واپسی پر بطور تبرک لاتے ہیں اور ہم اور آپ عزت و احترام کے ساتھ پیتے ہیں۔

اسی دوران عرب کا ایک قبیلہ بنی جرہم ادھر سے گزرا اور وادی کے قریب پڑاؤ ڈال دیا۔ اور حضرت ہاجرہؑ کی اجازت سے وہیں مستقل بود و باش اختیار کر لی اس طرح یہ وادی غیر ذی زرع آباد ہو گئی اور انسانی قدموں کی چہل پہل اور خوشنما چڑیوں کی چہچہاہٹ ہر طرف سنائی دینے لگی۔

کچھ دنوں کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام، اللہ کے حکم سے پھر واپس آئے تا کہ اپنی بیوی ہاجرہؓ اور بیٹے اسمٰعیل سے ملاقات کریں اور وادیٔ غیر ذی زرع کا نقشہ دیکھیں۔ چنانچہ بیوی و بچے اور قبیلہ جرہم کو دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت خوش ہوئے اور سجدہ شکر بجالائے۔

مگر اب حضرت ابراہیمؑ کا ایک اور امتحان ہونا تھا، سب سے آخری امتحان مگر سب سے کٹھن اور سب سے دشوار امتحان، ایسا امتحان اور ایسی آزمائش جو دنیا کی تاریخ میں سب سے انوکھی اور سب سے عجیب تھی، جس کا نقشہ اور جس کا منظر دنیا نے آج تک کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اور وہ امتحان تھا امیدوں کے مرکز، بڑھاپے کی لاٹھی لاڈلے، چہیتے اور اکلوتے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو اللہ کے راستے میں قربان کر دینے کا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین دن تک لگاتار خواب دیکھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''اے ابراہیمؑ! ہماری راہ میں اپنے اکلوتے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی دو۔''.....انبیاء کرام علیہم السلام کا خواب رویائے صادقہ اور وحی الٰہی ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ پیکر تسلیم و رضا تھے، فوراً حکم کی تعمیل کے لئے تیار ہو گئے، مگر اس امتحان و آزمائش کا دوسرا جزء وہ بیٹا تھا جسے راہ خدا میں قربان کرنا تھا۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند ارجمند کو اپنا خواب سنایا، بیٹا آخر کس بیٹا تھا، حضرت ابراہیمؑ کا بیٹا، پیکر تسلیم و رضا کا بیٹا، ہر آزمائش میں کھرے اُترنے والے باپ کا بیٹا، ایک جلیل القدر اور اولوالعزم پیغمبر کا بیٹا جس کی پیشانی سے خود ہی نور نبوت نمایاں تھا۔ بیٹے نے بھی سر جھکا دیا۔ اے میرے پیارے باپ! آپ کو اللہ کی طرف سے جو حکم ملا ہے، کر گزریئے انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔

سعادت مند بیٹا جھک گیا فرمانِ باری پر
زمین و آسماں حیراں تھے اس طاعت گزاری پر
رضا جوئی کی یہ صورت نظر آئی نہ تھی اب تک
یہ جرأت پیشتر انساں نے دکھلائی نہ تھی اب تک
عجب بشاش تھے دونوں رضائے رب عزت پر
تامل یا تذبذب کچھ نہ تھا دونوں کی صورت پر

اب دونوں باپ اور بیٹے قربانی پیش کرنے کے لئے جنگل کی طرف روانہ ہو گئے۔ منزل پر پہنچ کر باپ نے مذبوح جانور کی طرح بیٹے کے ہاتھ پیر باندھے چھری کو تیز کیا اور پیشانی کے بل پچھاڑ کر چھری حلقوم اسمٰعیل پر رکھ دی۔

ہوئے اب ہر طرح تیار دونوں باپ اور بیٹا
چھری اُس نے سنبھالی تو یہ جھٹ قدموں میں آلیٹا
پچھاڑا اور گھٹنا سینۂ معصوم پر رکھا
چھری پتھر پہ رگڑی، ہاتھ کو حلقوم پر رکھا
زمیں سہمی پڑی تھی آسماں ساکن تھا بیچارہ
نہ اس سے پیشتر دیکھا تھا یہ حیرت کا نظارہ

لیکن فوراً اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ اے ابراہیم! تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا، اب اپنے بیٹے کو چھوڑ دو اور اس مینڈھے کو بیٹے کے عوض قربان کرو۔ حضرت ابراہیم نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک مینڈھا کھڑا نظر آیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے بیٹے اسمٰعیل کی جگہ مینڈھے کو قربان کر دیا۔ یہ پورا واقعہ سورۂ صافات میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

﴿فَقَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ○ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ○ وَنَادَيْنَاهُ أَن يَا إِبْرَاهِيمُ ○ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ○ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ○ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ○ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ○ سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ○ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ○ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ﴾

''ابراہیم نے کہا اے میرے بیٹے! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ تو تیری کیا رائے ہے؟ اسمٰعیل نے کہا اے میرے باپ! آپ کو جس بات کا حکم دیا گیا ہے وہ کر ڈالیے، اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ پس جب دونوں نے تسلیم و رضا اختیار کر لیا اور ابراہیم نے پیشانی کے بل اس بیٹے کو پچھاڑ دیا اور ہم نے اس کو پکارا اے ابراہیم! تم نے خواب سچ کر دکھایا بے شک ہم اسی طرح نیکوکاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں، بلاشبہ یہ کھلی ہوئی آزمائش تھی اور بدلہ دیا ہم نے اس کو ''ذبح عظیم'' کا۔ اور باقی رکھا ہم نے اس پر آنے والی نسلوں میں کہ ابراہیم پر سلام ہو۔ ہم نیکی کرنے والوں کو یونہی بدلہ دیتے ہیں۔ بے شک ابراہیم ہمارے مومن بندوں میں سے ہے۔''

یہی وہ قربانی ہے جو آج تک امت مسلمہ کا شعار ہے اور قیامت تک رہے گی۔ حضرت زید

بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَا ھِیَ الْاَضَاحِیْ (اے اللہ کے رسول! یہ قربانی کیا ہے؟) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سُنَّةُ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ۔ (تمہارے باپ حضرت ابراہیم کی سنت ہے) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم کو اس قربانی کے عوض اللہ کے یہاں کیا بدلہ ملے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قربانی کے جانورو کے ہر بال کے بدلے ایک نیکی ملے گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا عَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ مِنْ عَمَلٍ یَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ اِھْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّہٗ لَیَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِقُرُوْنِھَا وَاَشْعَارِھَا وَاَظْلَافِھَا وَاِنَّ الدَّمَ لَیَقَعُ مِنَ اللّٰہِ بِمَکَانٍ قَبْلَ اَنْ یَّقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِیْبُوْبِھَا نَفْسًا۔

"قربانی کے دن اللہ کے نزدیک، انسان کا کوئی عمل خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں۔ قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنی سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا۔ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ کے یہاں مقبول ہو جاتا ہے۔ لہٰذا قربانی خوش دلی سے کیا کرو۔"

خلیل مستِ مے جنون تھے مگر میں تم سے یہ پوچھتا ہوں
رضائے حق کی چھری کے نیچے حیات آئی کہ موت آئی

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

حقوق رسولؐ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْقَدِيْرِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى نَبِيِّهِ الْاَمِيْنِ وَعَلٰى اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ وَاَصْحَابِهِ الطَّاهِرِيْنَ وَمَنِ اهْتَدٰى بِهَدْيِهٖ وَاقْتَفٰى اَثَرَهٗ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔
اَمَّا بَعْدُ

صدر محترم، حاضرین جلسہ!

میری آج کی تقریر کا موضوع ہے ''حقوق رسولؐ'' یعنی آپ حضرات کے سامنے میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے ہم پر کیا کیا حقوق ہیں؟

بزرگو اور دوستو! رسول اللہ ﷺ کے حقوق دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق دنیا کے ہر انسان سے ہے۔ دوسرے وہ جن کے مخاطب ہم اور آپ یعنی محمد عربی ﷺ کا کلمہ پڑھنے والے ہیں۔ پہلا حق جو دنیا کے ہر فرد بشر پر عائد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم اور آپ ﷺ کو اللہ کا نبی و رسول مانیں اور دل و جان سے آپ کی نبوت و رسالت کا اقرار کریں۔ حضور ﷺ کا یہ حق کسی مخصوص ملک یا علاقے یا مخصوص قوم و برادری پر عائد نہیں بلکہ تمام بنی نوع بشر اس کے جواب دہ ہیں۔ کیونکہ مدنی آقا ﷺ کسی مخصوص ملک اور کسی مخصوص خطہ کے نبی بن کر نہیں آئے تھے، کسی مخصوص قبیلہ اور خاندان کے رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے بلکہ آپ کی رسالت عام تھی، آپ کو دنیا کے سارے انسانوں کے لئے نبی و رسول بنا کر مبعوث کیا گیا تھا، خواہ وہ دنیا کے کسی کے باشندے اور کسی خطے کے رہنے والے ہوں، خواہ کسی بھی زبان کے بولنے والے اور کسی بھی خاندان اور قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں، ارشاد باری ہے:

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾

(سورۂ اعراف)

''آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اُس اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی

زندگی دیتا ہے، وہی موت دیتا ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر۔"

دیکھئے! اس آیت کریمہ میں ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسول کا کتنا صریح حکم ہے اور یہ حکم مخصوص افراد کے لئے نہیں ہے بلکہ صاف طور پر یٰاَیُّھَا النَّاسُ (اے لوگو) کہہ کر خطاب ہو رہا ہے۔ اسی طرح بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ یُؤْمِنُوْا بِیْ وَبِمَا جِئْتُ بِهٖ۔

"مجھے اللہ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کی گواہی دیں اور مجھ پر اور میں جو باتیں لے کر آیا ہوں ان سب پر ایمان لائیں۔"

حضور ﷺ کا یہ حق ہے جو تمام انسانوں کے لئے عام ہے مگر دوسرے قسم کے حقوق وہ ہیں جو اس سے پہلے حق کی ادائیگی کے بعد عائد ہوتے ہیں۔ یعنی رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کے بعد آپ کی نبوت و رسالت کا اقرار کرنے کے بعد، اور وہ حق ہے محبت و اطاعت کا، حضور ﷺ کے ساتھ محبت اور حضور ﷺ کی اطاعت ہر امتی پر فرض ہے۔ اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔

سورۃ توبہ میں ارشاد ربانی ہے:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾

"آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو، تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم (عذاب) بھیج دے اور اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔"

اس آیت کریمہ میں ہر چیز سے زیادہ اللہ اور اُس کے رسولؐ سے محبت کا حکم دیا جا رہا ہے اور جو لوگ ہر چیز سے زیادہ اللہ اور اُس کے رسول سے محبت نہیں کرتے ان کے لئے عذاب کی دھمکی ہے۔

بخاری شریف کی حدیث ہے کہ اس شخص نے ایمان کی حلاوت پائی جس کے نزدیک اللہ اور

رسول، اُن کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَالِدِہٖ وَ وَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ (بخاری و مسلم)

''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اُس کے نزدیک اُس کے والد، اُس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''

اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کا کتنا بڑا ثواب ہے۔ اُس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا مَتَی السَّاعَۃُ (قیامت کب آئے گی؟) حضور ﷺ نے فرمایا مَا اَعْدَدْتَ لَھَا (قیامت کے لئے تیار کر رکھی ہے کہ یہ سوال کر رہے ہو؟) اس شخص نے جواب دیا، اے اللہ کے رسولؐ! قیامت کے دن کے لئے بہت سی نمازیں، بہت سے روزے اور بہت سے صدقات تو میرے پاس نہیں ہیں لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں وَلٰکِنِّیْ اُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ حضور ﷺ نے فرمایا اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ (تو قیامت کے دن اسی کے ساتھ ہوگا جس سے تو نے محبت کی)۔

اللہ اکبر! حضور ﷺ سے محبت کتنی عظیم دولت ہے کہ قیامت کے دن جبکہ نفسی نفسی کا عالم ہوگا، کوئی کسی کا پرسانِ حال نہ ہوگا۔ حضور ﷺ سے محبت کرنے والے کو حضور ﷺ کی معیت و رفاقت نصیب ہوگی اور ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر کامیابی اور کیا ہوسکتی ہے کہ قیامت کے خوفناک دن اور حشر کی ہنگامہ خیزیوں میں حضور ﷺ کی رفاقت نصیب ہو جائے۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

مَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّۃِ۔

''جس نے مجھ سے محبت رکھی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔''

لیکن میرے بزرگو اور دوستو! ہمیں یہاں ٹھہر کر یہ بھی سوچنا ہے کہ حضور ﷺ سے محبت کا کیا مطلب ہے؟ اور کونسی چیز حضور ﷺ کی محبت میں داخل ہے، کون داخل نہیں، حضور ﷺ سے محبت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم حضور ﷺ کے مقام و مرتبہ میں افراط و تفریط کریں اور غلو کے شکار ہو جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ محبت کے جوش میں ہم حضور ﷺ کی ذات کے متعلق ایسے عقیدے گڑھ لیں جن کا قرآن و حدیث سے کوئی ثبوت نہ ہو اور جو حضور ﷺ کے ساتھ ہماری محبت کے بجائے

عداوت بن جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم حضور ﷺ کی بشریت کا انکار کر بیٹھیں حالانکہ قرآن شاہد ہے کہ تمام انبیاء کرام بشر تھے، کہیں ایسا نہ ہو کہ محبت کے جوش میں ہم حضور ﷺ کو ہر قسم کے نفع وضرر کا مالک کہنے لگیں۔ حالانکہ یہ تو بس خدا ہی کی شان ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم حضور ﷺ ذرہ ذرہ کا علم رکھنے والا، ماضی و مستقبل سے خبردار اور ہر جگہ حاضر و موجود باور کرنے لگیں کہ یہ تو صرف رب کائنات ہی کی صفت ہے۔

دوستو! خود حضور ﷺ نے ہمیں ان باتوں سے منع فرمایا ہے۔ اور حکم دیا ہے کہ ہم ذات نبویؐ کے متعلق غلو سے بچیں اور افراط و تفریط کے شکار نہ ہوں۔ اور "باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار" کے اصول پر کاربند رہیں۔

سوچئے! کیا ہم حضورؐ کا مقام و مرتبہ اس سے زیادہ کر سکتے ہیں جو اللہ نے حضور ﷺ کے لئے متعین کر دیا ہے۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اپنی طرف سے ظاہری محبت کے جوش میں غلط عقیدوں کے ڈھیر لگا دیں گویا ہم اللہ سے بھی زیادہ (نعوذ باللہ) حضورؐ کی شان و مرتبہ کو پہچاننے والے بن گئے کہ جو باتیں اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی خصوصیات و صفات میں بیان نہیں فرمائیں ہم انہیں اپنی طرف سے بیان کرنے لگیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں،

لَا تَرْفَعُوْنِیْ فَوْقَ حَقِّیْ فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اِتَّخَذَنِیْ عَبْدًا قَبْلَ اَنْ یَّتَّخِذَنِیْ رَسُوْلًا۔ (کنز العمال)

"مجھ کو میرے مرتبہ سے نہ بڑھاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجنے سے پہلے، مجھے اپنا بندہ بنایا ہے۔"

ایک اور حدیث میں ہیں:

مَا اُحِبُّ اَنْ تَرْفَعُوْنِیْ فَوْقَ مَنْزِلَتِیَ الَّتِیْ اَنْزَلَنِیَ اللّٰہُ۔ (کنز العمال)

"میں نہیں پسند کرتا کہ تم مجھ کو میرے اُس مرتبہ سے اوپر اٹھاؤ جس پر اللہ نے مجھے رکھا ہے۔"

بخاری شریف کی حدیث ہے:

لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ۔

"میری شان میں اس طرح مبالغہ نہ کرو جیسا نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی شان میں کیا۔"

کیا آپ نے کبھی سوچا کہ آخر کیا راز ہے کہ حضور ﷺ امت کو شانِ اقدس میں مبالغہ سے روک رہے ہیں، حضورؐ یہ ضرور فرماتے ہیں کہ میری شان کو بڑھانا مت، مگر یہ نہیں فرماتے کہ دیکھو میری شان کو گھٹانا مت، ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ خطاب امت سے ہے، اور امت کے کسی ادنیٰ

ایمان والے کے بارے میں بھی تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ شانِ اقدس کو گھٹائے گا، اور مقام و مرتبہ کے بیان میں کمی کرے گا۔

ہاں اس کے برخلاف اس بات کا غالب گمان تھا کہ عقیدت و محبت کے جوش میں کہیں امت، شان اقدس میں مبالغہ نہ کرنے لگے جیسا کہ امم سابقہ میں (یہود و نصاریٰ) نے اپنے نبیوں کے ساتھ کیا اور گمراہ ہوئے اور جیسے امم سابقہ کی محبت، محبت کی بجائے عداوت بن گئی، کہیں امت کے کچھ افراد بھی اُسی راہ پر نہ چل پڑیں۔ چنانچہ اسی پر حضور ﷺ نے روک لگا دی اور فرما دیا کہ میرے مقام و مرتبہ اور اوصاف و فضائل کے بیان میں غلو نہ کرنا۔

بزرگو اور دوستو! حضور ﷺ کا حق محبت، نہ شان اقدس میں مبالغہ کرنے سے ادا ہوگا نہ صرف زبانی دعوائے محبت کرنے سے۔ بلکہ دعوائے محبت کی عملی دلیل بھی ہونی چاہیے اور وہ ہے اطاعت رسولؐ۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ﴾ (سورہ انفال)

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس کی اطاعت سے روگردانی نہ کرو۔''

سورہ نساء میں ہے:

﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾

''جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی۔ اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

سورہ حشر میں ہیں:

﴿وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾

''رسول تمہیں جس چیز کا حکم دیں اس پر عمل کرو اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔''

ایمان کامل کی علامت یہ ہے کہ ہماری ساری خواہشات و مرضیات، حضور اقدس ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات کے مطابق ہو جائیں۔

﴿لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى یَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ﴾

''تم میں کوئی اس وقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشات میری لائی تعلیمات کے تابع نہ ہو جائیں۔''

اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو اپنے حبیب ﷺ کا سچا حق ادا کرنے والا اور سچی اتباع کرنے والا بنائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فضائل سید المرسلین ﷺ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْعَمَ عَلَی الْخَلْقِ بِبِعْثَةِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

صدر محترم، معزز حاضرین کرام!

انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے دنیا میں کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے، سب اللہ کے برگزیدہ اور منتخب بندے تھے۔ سب اللہ کے نزدیک عام لوگوں سے بہت اعلیٰ وافضل تھے۔ نبی ورسول کے درجے کو کوئی صحابی بھی نہیں پا سکتا۔ بڑے سے بڑا ولی اور بزرگ بھی نہیں پا سکتا۔

لیکن انبیاء کرام علیہم السلام میں بھی فرق مراتب ہے، کوئی زیادہ افضل ہیں، کوئی کم، کسی کا مقام ومرتبہ زیادہ بلند ہے کسی کا اُن سے کم، سورۂ بقرہ میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾

''یہ سب رسول، فضیلت دی ہم نے ان میں کے بعض کو بعض پر، کوئی تو وہ ہے جس سے اللہ نے کلام کیا اور بعضوں کے درجے بلند کئے اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو صریح معجزے دیئے اور روح القدس یعنی جبرائیل علیہ السلام سے اُن کی مدد کی۔''

اس آیت کریمہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ نبیوں اور رسولوں کے درمیان درجات کا فرق ہے، کسی کو کسی پر زیادہ فضیلت حاصل ہے، کسی کو کم، لیکن ہمارے لئے سارے انبیاء کرام اور سارے رسول برابر کے لائق صد احترام اور لائق صد توقیر ہیں، کسی کی شان میں ادنیٰ گستاخی کا شائبہ بھی ایمان کے لئے زہر قاتل ہے، ہم پر لازم ہے کہ ہم سبھی پر ایمان لائیں۔ سبھی کی صداقت وحقانیت اور مبعوث من اللہ ہونے کا عقیدہ رکھیں، تمام رسولوں اور نبیوں پر ایمان لانے کے بارے میں ہمارا معاملہ اس آیت کے مصداق ہونا چاہیے کہ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (ہم کسی نبی اور رسول کے درمیان فرق نہیں کرتے) مسلمان یہود کی طرح نہیں ہیں کہ وہ صرف حضرت موسیٰ کو مانیں اور

باقی سب کا انکار کردیں، یہ عیسائیوں کی طرح نہیں کہ صرف حضرت عیسیٰ پر ایمان لائیں اور ان کے علاوہ ہر ایک کی تکذیب کریں۔ مسلمان ہونے کا مطلب ہی یہی ہے کہ سارے نبیوں اور رسولوں پر ایمان ہو۔

محترم حضرات! یہ ایمان لانے کی بات تھی لیکن جہاں تک انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان فرق مراتب کا تعلق ہے وہ ایک حقیقت ہے جو قرآن مجید کی اس آیت کریمہ سے بالکل واضح ہے جو میں نے ابھی تلاوت کی تھی۔

تمام نبیوں اور رسولوں میں سب سے افضل واعلیٰ سید الاولین والآخرین افضل وانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ آپ کا درجہ سب سے بلند ہے۔ آپ اولین اور آخرین کے سردار ہیں، آپ خیر البشر ہیں، آپ سید الانبیاء اور سید المرسلین ہیں۔ آپ ﷺ کی اختیار اور کئی حیثیت سے سارے انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہیں۔

جس صدی میں آپ کی ولادت ہوئی وہ صدی انسانی تاریخ میں سب سے افضل صدی تھی۔ جس خاندان میں آپ تولد ہوئے وہ خاندان تاریخ بنی آدم میں سب سے معزز ومکرم خاندان تھا۔ بخاری شریف کی حدیث ہے:

بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُوْنِ بَنِيْ اٰدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰى كُنْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِيْ كُنْتُ مِنْهُ۔

"میں بنی آدم کی سب بہتر صدی میں مبعوث کیا گیا ہوں۔ صدی در صدی گزرتی رہی یہاں تک کہ وہ صدی آگئی جس سے میں ہوں۔"

ایک اور حدیث میں حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم میں اسمٰعیل علیہ السلام کو چنا، اولاد اسمٰعیل میں کنانہ کو، کنانہ میں قریش کو، قریش میں بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں مجھے منتخب فرمایا۔ میں ابراہیم کی دعا ہوں، میں عیسیٰ کی بشارت ہوں، میں اپنی ماں کا وہ خواب ہوں جو میری ماں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا کہ اُن سے ایک نور نکلا ہے جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔

حضورؐ سے پہلے جتنے نبی آئے وہ مخصوص علاقوں اور مخصوص خطوں کے لئے تھے، مخصوص قبیلوں اور مخصوص خاندانوں کے لئے تھے۔ ارشاد باری ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ۔

"ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی کو قوم کی زبان میں۔"

لیکن حضورؐ کی نبوت عام تھی۔ حضور کسی مخصوص خطے اور مخصوص علاقے کے نبی نہیں تھے۔ کسی مخصوص قبیلے یا خاندان کے نبی نہیں تھے، حضور ﷺ کو ساری دنیا کے انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔ حضور ﷺ جن وانس سب کے نبی تھے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ۔

''ہم نے تم کو سبھی کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔''

مسلم شریف کی روایت ہے:

فُضِّلْتُ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ اُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَاُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَ جُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا وَ اُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَآفَّةً وَّخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ۔

''مجھے تمام انبیاء کرام پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی۔ مجھے جوامع الکلم عطا کئے گئے، رعب سے میری مدد کی گئی، میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا، میرے لئے تمام زمین کو سجدہ گاہ اور سبب طہارت بنایا گیا، مجھے تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر نبوت ورسالت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔''

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میری اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی مثال ایسی ہے جیسے ایک خوبصورت محل جس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہو، دیکھنے والے اُس کے چاروں طرف گھومتے ہیں، اس کے حسن، اس کی خوبصورتی اور اس کی مضبوطی وعمدگی کی تعریف کرتے ہوں مگر یہ بھی کہتے ہوں کہ کاش یہ ایک اینٹ کی جگہ بھی پر ہو گئی ہوتی تو اس کا حسن اور دوبالا ہو جاتا۔ پس سن لو کہ وہ اینٹ میں ہی ہوں۔

اَنَا سَدَدْتُ مَوْضِعَ اللَّبِنَةِ خُتِمَ بِيَ الْبُنْيَانُ وَخُتِمَ بِيَ الرُّسُلُ۔

''میں نے وہ جگہ پر کر دی، میں نے عمارت نبوت مکمل کر دی، مجھ پر رسولوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

حضور ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے:

اَنَا سَيِّدُ وَلَدِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ وَ اَوَّلُ شَافِعٍ وَّاَوَّلُ مُشَفَّعٍ۔

''میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں، سب سے پہلے میں ہی قبر سے اٹھوں گا میں ہی سب سے پہلا شفاعت کرنے والا ہوں، اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول کی

جائے گی۔"

مسلم شریف میں ہے:

اَنَا اَکْثَرُ الْاَنْبِیَاءِ تَبَعًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ یَقْرَعُ بَابَ الْجَنَّةِ۔

"قیامت کے دن میرے ہی تبعین سب سے زیادہ ہوں گے۔ میں ہی سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔"

ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر کر رہے تھے کسی نے کہا کہ اللہ نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا، دوسرے نے کہا موسیٰ کو اپنا کلیم بنایا۔ تیسرے نے کہا عیسیٰ کو اپنا کلمہ اور روح بنایا، چوتھے نے کہا آدم کو اپنا برگزیدہ اور منتخب بندہ بنایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپ نے ان کی باتیں سن لی تھیں، آپ نے فرمایا، تم نے ابراہیم کو خلیل اللہ کہا صحیح کہا۔ تم نے موسیٰ کو کلیم اللہ کہا درست کہا، تم نے عیسیٰ کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ کہا ٹھیک کہا، تم نے آدم کو اللہ کا منتخب اور برگزیدہ بندہ کہا، سچ کہا۔ مگر سن لو میں حبیب اللہ ہوں مگر اس پر فخر نہیں کرتا، قیامت کے دن لوائے حمد میرے ہاتھ میں ہوگی اور آدم اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام اس کے نیچے ہوں گے، مگر مجھے اس پر کوئی فخر نہیں، میں قیامت کے دن سب سے پہلا شفاعت کرنے والا اور سب سے پہلا مقبول شفاعت ہوں، لیکن مجھے غرور نہیں، میں ہی سب سے پہلے جنت کے دروازوں کو حرکت دوں گا اور اللہ تعالیٰ انہیں میرے لئے کھول دے گا اور مجھے اور میرے ہمراہ فقرائے مسلمین کو اس میں داخل فرمائے گا، لیکن مجھے کوئی گھمنڈ نہیں، میں ہی اللہ کے نزدیک اکرم الاولین والآخرین ہوں، لیکن مجھے اس پر کوئی ناز نہیں، حضور فرماتے ہیں کہ مجھے عرش کے دائیں جانب اس مقام محمود میں کھڑے ہونے کی جگہ ملے گی جو مخلوقات میں سے کسی کو بھی نہ ملے گی، میں قائد المسلمین ہوں، میں امام النبیین ہوں، میں خطیب الانبیاء ہوں لیکن مجھے ان مراتب پر کوئی گھمنڈ اور غرور نہیں ہے۔

بزرگو اور دوستو! کیا آپ نے مدنی آقا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کا اندازہ لگایا؟ سوچئے اور غور کیجئے! کتنے جلیل القدر، کتنے رفیع الذکر، کتنے عظیم الشان نبی کی امت میں ہونے کا ہم کو شرف حاصل ہے۔ ہم اپنی خوش قسمتی پر جتنا ناز کریں کم ہے۔ ہم اپنے آپ کو جتنا بڑا خوش قسمت تصور کریں تھوڑا ہے۔ ہم جتنا بھی خود کو حضور پر قربان کریں کچھ نہیں ہے۔ ہمارے پاس اپنی نیک بختی اور خوش قسمتی کو بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نامِ تو گفتن کمال بے ادبی ست

پیارے نبی کیسے تھے؟

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ اَمَّا بعد

صدر محترم حاضرین جلسہ!

میری تقریر کا عنوان ہے "پیارے نبی کیسے تھے؟" میں حیران ہوں بات کہاں سے شروع کروں، کیا بیان کروں، کیا نہ بیان کروں، کسے بیان کروں، کس طرح بیان کروں، وہ زبان وہ طاقت، وہ صلاحیت، وہ استعداد کہاں سے لاؤں، جس سے نبی کریم ﷺ کے اوصاف کاملہ، اخلاق فاضلہ اور خصائل حمیدہ کے بیان کرنے کا حق ادا ہو سکے۔

ہزار بار بشویم دہن زمشک وگلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبست

آپ کا حلیہ مبارک بیان کروں، آپؐ کے قامت زیبا کا تذکرہ کروں، آپ کی انگلیاں، آپؐ کے ہاتھ پاؤں، آپؐ کے بال اور آپؐ کی ریش مبارک کا تذکرہ کروں، آپؐ کی مہر نبوت بتاؤں، آپ کی چال، آپ کی رفتار اور انداز گفتگو بیان کروں، آپ کے سونے جاگنے، اٹھنے، بیٹھنے، کھانے، پینے اور رہن سہن کو بتاؤں، اپنوں اور غیروں کے ساتھ سلوک و برتاؤ کی بات کروں، انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے آپ کی بے چینی، اضطراب اور محنت و کوشش کا تذکرہ کروں، آپؐ کے ذوق عبادت اور شوق شہادت کو بتاؤں۔ آپؐ کے امام الرسل، سرتاج اولیا، سید الاولین والآخرین اور افضل کائنات ہونے کو بیان کروں؟

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

بیان کرنے کی تو ہر چیز ہے اور بیان کی بھی گئی ہے اور قیامت تک بیان کی جاتی رہے گی، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نہ بہت لمبے تھے، نہ پست قد، بلکہ درمیانہ قد کے تھے لیکن مجمع عام میں سب سے اونچے دکھائی دیتے تھے، رنگ نہ بالکل سفید چونے کی طرح نہ بالکل گندم گوں کہ سانولا پن آجائے، بلکہ چودھویں رات کے چاند سے زیادہ روشن، پرنور اور ملاحت

لئے ہوئے تھا۔ آپ کے بال نہ بالکل سیدھے، نہ بالکل پیچ دار بلکہ ہلکی سی پیچیدگی اور گھنگھریالا پن تھا۔ چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی، ۱۳ سال مکہ مکرمہ میں رہے، دس سال مدینہ منورہ میں اور ۶۳ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔

آپ کی چال میں پھرتیلا پن اور جماؤ تھا، جھک کر چلنے کی عادت تھی، سینہ تان کر متکبرانہ کبھی نہیں چلے، آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان، دوسروں کے مقابلے میں کچھ زیادہ فاصلہ تھا، گویا سینۂ مبارک چوڑا تھا، آپ نہ موٹے بدن کے تھے، نہ گول چہرہ کے، البتہ تھوڑی سی گولائی آپ کے چہرہ انور میں تھی۔ دونوں آنکھیں نہایت سیاہ اور پلکیں دراز تھیں۔ جوڑوں کے ملنے کی ہڈیاں موٹی اور پر گوشت تھیں۔ جب آپ کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو صرف گردن نہیں گھماتے بلکہ رخ بھی اسی کی طرف کر کے پورے بدن سے اس طرف ہو جاتے تھے، آپ کے دونوں مبارک شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی، صحابہ کرام جو اس کو بیان کرتے ہیں کہ حضور کے پسینہ سے زیادہ کوئی چیز خوشبودار نہیں تھی اور ہم نے آپ سے زیادہ حسین کبھی کوئی چیز نہیں دیکھی۔

آپ سب سے زیادہ سخی اور دریادل تھے، سب سے بہادر، سب سے زیادہ سچے، سب سے زیادہ نرم طبیعت والے، سب سے زیادہ شریف گھرانہ والے، جو آپ کو اچانک دیکھتا آپ کے جمال وجلال سے ہیبت زدہ اور مرعوب ہو جاتا۔ آپ جیسا صاحب کمال نہ دنیا نے کبھی دیکھا ہے نہ دیکھے گی۔ نبوت سے پہلے بھی آپ کی زندگی بے مثال پاکیزہ زندگی تھی اور نبوت کے بعد اس کی پاکیزگی میں جو حسن وکمال پیدا ہوا اسے بیان ہی نہیں کیا جا سکتا۔

لَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔

''میں تم میں اس سے پہلے ایک بڑی عمر گزار چکا ہوں کیا تم سمجھتے نہیں۔''

حضورؐ سب سے زیادہ غیرت دار تھے، سب سے بڑے عابد وزاہد تھے، راس الاتقیاء تھے، سراج السالکین تھے، سب سے زیادہ حیادار بااخلاق وباکردار تھے، سادگی اور قناعت کی زندگی گزارنے والے تھے، سب پر شفیق، رحم دل تھے مظلوموں بیکسوں، کمزوروں اور لاچاروں کے ملجا وماویٰ تھے، سب کے دادرس اور سب کی فریاد کو پہنچنے والے تھے، نہ کسی پر الزام لگایا، نہ طعنہ وتشنیع کی، نہ کسی کا برا چاہا، نہ کسی کے ساتھ برا برتاؤ کیا، نہ کبھی کسی کو ڈانٹا اور مارا، وعدہ کے پکے، عہد کے پابند امانت ودیانت میں یکتا، سب سے بڑے مربی، سب سے بڑے معلم، سب سے بڑے قائد، سب سے بڑے مجاہد، سب سے بڑے منتظم، سب سے بڑے مدبر، سب کے حقوق ادا کرنے والے، ساری دنیا کی بھلائی کے لئے بے چین وبے قرار۔

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا﴾ (کہف۔۶)

''پس شاید کہ آپ ان کے پیچھے، اگر وہ ایمان نہ لائے اپنے کو ہلاک کر ڈالیں گے۔''

آپؐ کے اخلاق کریمانہ، قرآنی تعلیمات کا مظہر اتم اور نمونہ کامل تھے، قرآن میں جو کچھ ہے وہ آپ کی زندگی میں موجود تھا، گویا، قرآن آپ کی حیات مبارکہ کی شکل میں مجسم ہو چکا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنَ۔ ''آپ کے اخلاق قرآن تھے۔''

خود حضورؐ فرماتے ہیں:

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ۔

''میں اس لئے مبعوث کیا گیا ہوں تا کہ حسن اخلاق کی تکمیل کروں۔''

بزرگان محترم!

کیا بیان کروں، کیسے بیان کروں، کہاں تک بیان کروں، وقت کی تنگ دامانی تو ہے ہی، اپنی بے مائگی، کم علمی، بے بضاعتی اس سے بڑھ کر ہے۔

دامان گلہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچین توا ز تنگی داماں گلہ دارد

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

اتباع رسولؐ

نَحْمَدُاللّٰہَ شَاکِرًا لِسَابِغِ فَضْلِہٖ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَمَنْ سَارَ عَلٰی ھَدْیِہٖ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ اَمَّا بَعْدُ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ط وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

نفس کو آنچ پر اور وہ بھی عمر بھر رکھنا بڑا محال ہے، ہستی کو معتبر رکھنا

صدر محترم حاضرین جلسہ!

محبت انسان کی فطرت ہے، وہ اپنی ذات سے محبت رکھتا ہے، اپنی چیزوں سے محبت کرتا ہے۔ اپنے لوگوں سے محبت کرتا ہے، محبت کبھی دینی رشتوں کی بنیاد پر ہوتی ہے، کبھی خونی وخاندانی رشتوں کی بنیاد پر، کبھی احسانات کی وجہ سے، کبھی مفادات کے تحت، کبھی عقیدت کے سبب۔

ظاہر ہے کہ جو ہمارا روحانی باپ ہو، جس سے ہمیں زندگی کا سلیقہ ملے جس سے روح کو بالیدگی ملے، دل ودماغ کی نشو ونما ہو، ذہن کے دریچے کھلیں عقل وفکر میں گہرائی اور گیرائی پیدا ہو، سوچ کو ایک رخ اور سمت ملے، نگاہوں کو اعتبار حاصل ہو، اس سے عقیدت ومحبت ہونی ہی چاہیے، اس کے دامانِ شفقت ورحمت کے لئے گلہائے الفت ومحبت پیش کرنا ہی چاہیں۔

فرزندان ملت اسلامیہ! ہمیں اپنے والدین، اساتذہ اور بزرگوں سے محبت کیوں ہوتی ہے؟ اسی لئے نا کہ ان سے محبت رکھنے میں ہمارا فائدہ ہے وہ ہمارے محسن ہیں، ہم ان کے احسانات سے دبے ہوئے ہیں، محسن کی احسان شناسی اور اس سے عقیدت ومحبت انسانی فطرت کا تقاضا ہے، محسن کے سامنے خود کو کمتر سمجھنا، اس کی خوشامد کرنا، اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا، اس کے آگے بازوئے محبت جھکا دینا، اس سے عقیدت کا مظاہرہ کرنا، خود سپردگی اور تسلیم ورضا انسان کی طبیعت اور مزاج میں داخل ہے۔

پھر وہ ذات جو منعم حقیقی ہو، جس کے احسانات وانعامات کا کوئی ٹھکانا نہ ہو۔ حساب وکتاب نہ ہو، قطار وشمار نہ ہو، جسے نہ کوئی گن سکے، نہ بتا سکے، جس کے احسانات سب پر ہوں، امیر وغریب

کی تقسیم نہ ہو، حاکم ومحکوم کی تفریق نہ ہو، شہری دیہاتی کا امتیاز نہ ہو، عورت مرد، جوان، بوڑھے، بچے جس کے بیکراں انعامات واحسانات سے فیض یاب ہوں، جس کا ابر کرم جھونپڑوں پر بھی برسے اور بلڈنگوں پر بھی، جنگلوں پر بھی، آبادیوں پر بھی، صحرا، ویرانے اور شہر وآبادی جس کی نگاہ میں برابر ہوں، جو بے پایاں عنایات، بے انتا لطف وکرم سے صبح وشام، دن ورات، ہر لمحہ، ہر لحظہ سب کو نواز رہا ہو، جو بھوکوں کو کھانا کھلاتا ہو، ننگوں کو کپڑا پہناتا ہو، بیماروں کو شفا دیتا ہو، بے قراروں کو قرار عنایت کرتا ہو، پریشان حالوں کو پریشانیوں سے نجات دیتا ہو، مجبوروں، لاچاروں اور بیکسوں کی پناہ گاہ ہو، بے آسراؤں کا ملجا وماویٰ ہو، غرضیکہ کسی فرد، کسی شخص، کسی انسان، کسی مخلوق کی کوئی ساعت یا ساعت کا کوئی حصہ جس کی عنایات سے خالی نہ ہو، اس سے ہمیں کتنی محبت ہونی چاہیے اس کے ساتھ عقیدت کا کس قدر مظاہرہ کرنا چاہیے، کیا کوئی بتا سکتا ہے، کیا اس کی مقدار کا کوئی حساب لگا سکتا ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں، وہ ذات ہے خالق ارض وسما کی، وہ ذات ہے احکم الحاکمین کی، وہ ذات ہے رب کائنات کی، وہ ذات ہے مالک الملک کی، وہ اللہ ہے رحمٰن ہے رحیم ہے سبوح ہے قدوس ہے وھاب ہے رزاق ہے غفار ہے ستار ہے سمیع وبصیر ہے عزیز وعلیم ہے کبیر وعظیم ہے کریم وحلیم ہے رقیب ومجیب ہے جلیل ووکیل ہے قادر ومقتدر ہے مغنی ومنعم ہے حی وقیوم ہے۔

ایسی ذات سے محبت کون کرے گا، ایسی ذات وحدہٗ لاشریک کو کون نہ چاہے گا، معدودے چند دہریوں اور ملحدوں کو چھوڑیئے، انہیں کون پوچھتا ہے، ان کی کون سنتا ہے، ان کی کیا اہمیت وہ کس گنتی میں ہیں، انسانوں کی بھاری اکثریت بلکہ کہنا چاہیے کہ سارے انسان اپنے اپنے عقیدہ کے اعتبار سے اللہ کو مانتے ہیں اللہ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

کوئی دیوی دیوتاؤں کو پوج کر اظہار محبت کرتا ہے کوئی سورج اور چاند کے آگے ماتھا ٹیک کر، کوئی درختوں اور پتھروں کے آگے سر جھکا کر، کوئی آگ کی پرستش کر کے، کوئی مٹی کی مورتیاں بنا کر، دعویٰ سب کا یہی ہے کہ یہ محبت الٰہی کے مظاہر ہیں۔ ہم انہیں پوجتے ہیں تو حقیقت میں اللہ کو ہی پوجتے ہیں۔ انہیں پوج کر اللہ کے احکام کی بجا آوری کرتے ہیں، ہمارے یہ چڑھاوے، ہمارا ہاتھ جوڑنا، ڈنڈوت کرنا، سجدہ ریز ہو جانا اسی لئے ہے کہ اللہ خوش ہوگا، یہ سب قرب خداوندی کے راستے ہیں، اس کی نزدیکی تلاش کرنے کے ذریعے ہیں، مشرکین کہتے تھے:

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾

''ہم ان معبودانِ باطل کی عبادت اس لئے کرتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں،

بے شک اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے گا اُن لوگوں کے درمیان اُن چیزوں میں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔"

بزرگو اور دوستو! انسان نے اللہ سے اظہار محبت کے بہت سے طریقے ایجاد کیے ہیں اور اپنی دانست میں محبت الٰہی کا حق ادا کر رہا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ محبت کا وہ طریقہ جو انسان نے بنایا، برتا، سمجھا اور باور کیا ہے اور وہ طریقہ جسے خود انسانوں کے خالق و مالک نے بتایا اور سمجھایا ہے، کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا دونوں کو ایک حیثیت دی جا سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔

انسان کا بنایا غلط، اللہ کا بنایا صحیح، انسان کا بتایا جھوٹ، اللہ کا بتایا سچ، انسان کا طریقہ باطل. اللہ کا طریقہ حق۔ آیئے دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی محبت کے دعویداروں کو کون سا طریقہ بتا رہا ہے اور کس چیز کی دعوت دے رہا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (آل عمران :۳۱)

"آپ فرما دیجیے! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا، اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔"

اعلان کر دیا گیا، محبتِ الٰہی کے دعویدارو! اپنے طریقے چھوڑ دو، محمد عربی ﷺ کے طریقے پر آجاؤ، اپنے پروگرام بند کرو، رسول کے پروگراموں کو اپنا لو، اپنی سوچ چھوڑ دو، سرکار مدینہ کی سوچ لے لو، اپنے خیالات نکال دو سردار دو جہاں کے خیالات سمو لو، اتباع کا یہی مطلب ہے، تابعداری اور کہنا ماننا اسی کو کہتے ہیں، اللہ کی محبت کا حق تبھی ادا ہوگا جب حضور ﷺ کی اطاعت ہوگی۔

دنیا میں زندگی گزارنے والے انسانو! تم کوئی بھی ہو، محمد عربی کی اتباع کرو مصلح ہو تو محمد عربی کی اتباع کرو، قائد ہو تو محمد عربی کی اتباع کرو، سپہ سالار ہو تو محمد عربی کی اتباع کرو، قاضی و جج ہو تو محمد عربی کی اتباع کرو، عابد ہو تو محمد عربی کی اتباع کرو، مجاہد ہو تو محمد عربی کی اتباع کرو، باپ، نانا، شوہر، بھائی، بیٹا، بھتیجا خاندانی رشتوں میں تم کسی بھی حیثیت کے حامل ہو محمد عربی کی اتباع کرو، جنگ کرو تو محمد عربی کی اتباع کرو، صلح کرو تو محمد عربی کی اتباع کرو، فتحیاب ہوئے ہو تو محمد عربی کی اتباع کرو، شکست کھائی ہو تو محمد عربی کی اتباع کرو، تاجر ہو تو محمد عربی کی اتباع کرو، چرواہے ہو تو محمد عربی کی اتباع کرو۔

سونا، جاگنا، اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا، بھوک و پیاس، شکم سیری، و شکم پری، رنج و مصیبت، خوشی و شادمانی ہر حالت میں سرکار مدینہ کی پیروی کرو، زندگی کے ہر مرحلہ اور ہر گوشہ میں انہیں کی اتباع

کرو، تمہاری حیات مستعار کے لئے فخر کائنات کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے، تمہیں نہیں جانے کی ضرورت نہیں، کسی کی طرف دیکھنے کی حاجت نہیں، سید الاولین والآخرین خاتم الانبیاء، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا دامن مضبوطی سے تھام لو انہیں کی ڈگر پر چل پڑو، انہیں کی راہ اختیار کرلو۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ (احزاب۔۲۱)

"تمہارے لئے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے اس شخص کے واسطے جو اللہ اور یوم آخرت سے ڈرتا ہو، اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو۔"

ایک مرتبہ ایک مشرک نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے بطور استہزا کہا:

﴿اِنِّیْ لَاَرٰی صَاحِبَكُمْ يُعَلِّمُكُمْ حَتّٰى الْخَرَاءَةَ﴾

"میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے نبی تم کو پیشاب پاخانہ کا طریقہ بھی سکھاتے ہیں۔"

حضرت سلمان فارسیؓ نے جواب دیا اَجَلْ ہاں! حضورؐ نے ہمیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑا، کسی اور کی طرف دیکھنے کا محتاج نہیں رکھا، ہر قدم پر ہماری رہنمائی کردی، معمولی معمولی چیزوں کے آداب بھی سکھادیئے، یہاں تک کہ یہ بھی سکھادیا کہ ہم پیشاب پاخانہ کیسے کریں۔

اَمَرَنَا اَنْ لَّانَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ وَلَا نَسْتَنْجِيَ بِاَيْمَانِنَا وَلَا نَكْتَفِيَ بِدُوْنِ ثَلٰثَةِ اَحْجَارٍ لَيْسَ فِيْهَا رَجِيْعٌ وَلَا عَظْمٌ۔ (مسند احمد)

"ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم قبلہ کی طرف منہ کریں اور نہ اپنے دائیں ہاتھوں سے استنجا کریں، اور نہ تین پتھروں سے کم ہوں، ان میں نہ لید ہو نہ ہڈی۔"

حضور ﷺ یہ سب کچھ نہ سکھاتے، جبکہ حضورؐ ساری اُمت کے باپ ہیں، حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ مِثْلَ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ۔

"میں تمہارے لئے ایسا ہوں جیسے باپ اپنی اولاد کے لئے۔"

باپ اپنی اولاد پر سب سے زیادہ شفیق ہوتا ہے، وہ اپنی اولاد کو چھوٹی چھوٹی باتیں تک سکھا دیتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کی اولاد ہر طرح سلیقہ مند اور زندگی کی دوڑ میں ہر طرح کامیاب ہو۔

نبی کی شفقت باپ کی شفقت سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ وہ دنیا و آخرت ہر جگہ اپنی امت کو کامیاب بنانا چاہتا ہے۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بتادیا کہ یہ مذاق اڑانے کی چیز نہیں، عبرت کی چیز ہے، عقل ہو تو

عبرت پکڑو، لاچار و مجبور کون ہوا؟ تم کہ ہم، تمہاری زندگی بے سلیقہ بے طریقہ، تمہیں نہ کھانے کا طریقہ معلوم، نہ پینے کا، نہ پیشاب پاخانہ کا، نہ سونے جاگنے کا، نہ اٹھنے بیٹھنے کا، نہ تمہیں حلال وحرام کی تمیز، نہ جائز و ناجائز سے واسطہ، جانوروں کی سی زندگی تمہاری ہے جسے صرف پیٹ بھرنے سے مطلب ہے، خواہ کسی طرح بھرے، پیشاب، پاخانہ کرلو، جس طرح بھی کرلو، جیسے چاہو رہو سہو، نہ زندگی کا کوئی مقصد نہ زندگی کی کوئی راہ، جانوروں کی طرح بے سمت سفر جاری ہے زندگی تو گزر ہی جائے گی جس طرح گزر رہے۔ بتاؤ! رسم منزل سے نا آشنا اور بے خبر کون ہوا؟ تم کہ ہم، بے نام ونشان کون ہوا؟ تم کہ ہم، ہر شعور سے عاری، ہر ایک سے نابلد کون ہوا؟ تم کہ ہم۔

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ (آل عمران۔۱۶۴)

''حقیقت میں اللہ نے مسلمانوں پر احسان کیا جبکہ انہیں میں سے ایک ایسا رسول ان میں مبعوث کیا جو انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ نفس کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے بلاشبہ وہ لوگ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔''

یہ طریقے بتائے ہیں منعم حقیقی نے، جس کی محبت واطاعت کا دعویدار کائنات کا ذرہ ذرہ ہے، اس ذات وحدہٗ لاشریک نے انہیں طریقہ ہائے زندگی کی تعلیم کے ساتھ اپنے سب سے برگزیدہ پیغمبر کو مبعوث فرمایا جو امام الانبیاء ہے، سرتاج اولیاء ہے، فخر اصفیاء ہے، جو محمد واحمد ہے، حامد ومحمود ہے، شفیع وخلیل ہے رحمۃ للعالمین ہے، صلی اللہ علیہ وسلم۔

ان کی اتباع، اللہ کی اتباع ہے، ان کی محبت، اللہ کی محبت ہے۔

اللہ کی محبت کے دعویدارو! اگر دعوے میں سچے ہو تو انہیں کی اتباع کرو، یہ تمہاری سچائی کی دلیل ہوگی، یہ تمہارے دعوے کی صداقت کو پرکھنے کا معیار ہے، یہ کسوٹی ہے جس سے تمہارا کھرا کھوٹا ہونا ظاہر ہو جائے گا۔

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا﴾

''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جو روگردانی کریں تو ہم نے آپ کو ان پر نگراں بنا کر نہیں بھیجا۔'' (نساء۔۸۰)

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَيْكُمْ مَّا

حُمِّلْتُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ﴾ (نور:۵۴)

''آپ کہئے اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر تم لوگ اطاعت سے روگردانی کرو گے تو سمجھ لو کہ رسول کے ذمے وہی تبلیغ ہے جن کا ان پر بار ڈالا گیا ہے، اور تمہارے ذمے وہ ہے جس کا تم پر بار ڈالا گیا ہے۔ اگر تم نے ان کی اطاعت کر لی تو ہدایت پا جاؤ گے اور رسول کے ذمے صرف اتنا ہے کہ وہ صاف طور پر پہنچا دیں۔''

فرزندان ملت اسلامیہ! محبت، طاعت کا مطالبہ کرتی ہے اور طاعت اتباع کا، یہ سب ایک سلسلہ کی سنہری کڑیاں ہیں، جنہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ایک ساتھ رہنے میں حسن ہے۔ الگ کر دینے سے حسن ختم ہو جائے گا۔ جس طرح دنیا میں یہ تینوں چیزیں ساتھ اور مرافقت کا مطالبہ کرتی ہیں، ان کا یہی نتیجہ قیامت میں بھی برآمد ہوگا، محبت، طاعت اور اتباع کو ساتھ لے کر چلنے والے ان کے ساتھ رہیں گے جن سے محبت ہوگی، جن کی طاعت و فرمانبرداری کا دم بھرا، جن کی اتباع اور پیروی کی۔

اللہ و رسول کی محبت و طاعت کے دعویدار اور رسول عربی کے نقش قدم پر چلنے والے جنت میں بھی رسول عربی کے ساتھ رہیں گے، دنیا میں ساتھ والے طریقے، آخرت میں ساتھ والی زندگی، یہاں کی رفاقت بھی مبارک، وہاں کی رفاقت مبارک، سبحان اللہ۔ رب کائنات فرماتا ہے:

﴿وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ (نساء۔۶۹)

''جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے لوگ ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین، اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں۔''

برادران اسلام!

اس رفاقت پر قربان، اس رفاقت پر فدا، دل چاہتا ہے جس سے محبت ہو، اس کا ساتھ ہو، رسولؐ سے محبت ہوگی، رسول کا ساتھ ملے گا، رسول کی پیروی ہوگی، رسول کی رفاقت ملے گی۔ رسولؐ کا ساتھ ملا، دنیا جہان کی نعمتیں مل گئیں، رسول کی رفاقت ملی، کائنات مل گئی، دامن طلب میں طلب کیلئے کچھ باقی نہ بچا، اب اور کیا چاہیے، وہ ہی کیا گیا ہے جسے مانگا جائے، بچا کیا ہے جسے چاہا جائے۔

وہ آشنا اگر ہے تو عالم ہے آشنا وہ آشنا نہیں تو کوئی آشنا نہیں

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین

مکی زندگی

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ وَاَزْکَی التَّسْلِیْمِ ..... اَمَّا بَعْدُ

محترم بزرگو اور دوستو!

وہ شام کیا شام دل نواز تھی جو اُس صبح کی آمد کی خبر دی رہی تھی، جس میں نبیوں کا امام اور رسولوں کا سرتاج پیدا ہونے والا تھا، وہ صبح جانفزا تھی جو نوید بہار لے کر آئی کہ غریبوں کا والی، یتیموں کا مولا، ضعیفوں کا ملجاء، ہادیوں کا ہادی، روشنی کا پیامبر، ظلمتوں کا پردہ دریعنی وہ خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ تولد ہو چکے ہیں، وہ رسول جس کی دعا ابراہیم نے مانگی تھی جس کی بشارت عیسیٰ نے دی اور جس کی آمد کی خبر ہر زمانہ کے انبیاء اپنی اپنی امتوں کو دیتے آئے تھے۔

دوشنبہ کا دن، ربیع الاول کا مہینہ اور اس مہینے کی۔ (باختلاف روایت) نو یا بارہ تاریخ وہ انقلاب آفریں تاریخ تھی جو دنیا میں ایک نئے انقلاب کا پیش خیمہ تھی، جو ایک نئے دور کے آغاز کا مژدہ تھی۔ جو اس بات کا اعلان کر رہی تھی کہ کفر وشرک کی سیاہی کافور ہونے والی ہے، ظلمتوں کا دور اپنی موت مرنے والا ہے۔ ہدایت وحقانیت کا آفتاب روشن ہو چکا ہے، دنیا نور الٰہی سے جگمگانے والی ہے موسم خزاں رخصت ہوا، موسم بہار آچکا ہے۔ سسکتی اور دم توڑتی انسانیت کو حیات نو ملنے والی ہے۔

وہ رسول جس کی صداقت وامانت بچپن ہی سے ضرب المثل بن چکی تھی جس کے پابندی عہد اور صفائی معاملہ کے اہل دنیا شروع سے ہی گرویدہ تھے جس کے خصائل حمیدہ اور اوصاف فاضلہ کا سکہ نبوت ملنے سے پہلے ہی سارے عرب میں چلنے لگا تھا، جسے اپنے پرائے بھی ''صادق وامین'' کے لقب سے پکارتے تھے۔ جو راست بازی، ایفائے وعدہ اور عدل پروری کی وہ مثالیں چھوڑ گیا جن کا جواب نہ پہلے تھا نہ آئندہ مل سکے گا، وہ اپنے کمالات وصفات میں خود اپنا جواب تھے۔

کیا آپ کو عبداللہ بن ابی الحمس کا واقعہ یاد نہیں، جنہوں نے آقائے مدنی ﷺ سے خرید وفروخت کا معاملہ کیا تھا کچھ بات ہو چکی تھی، کچھ باقی تھی وہ پھر آنے کا وعدہ کر کے چلے گئے

اور بھول گئے کہ حضورؐ کو روک آیا ہوں، تین دن کے بعد یاد آیا، دوڑے ہوئے اس مقام پر پہنچے، دیکھا کہ حضورؐ وہیں کھڑے ہیں، دوسرا ہوتا کیا کچھ نہ کہتا، مگر حضورؐ نے صرف اتنا فرمایا تم نے مجھے زحمت دی، میں تین دن سے یہیں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔

کیا خانہ کعبہ میں حجر اسود نصب کرنے کا واقعہ آپ کی فہم و فراست اور عدل پروری کی روشن مثال نہیں۔ جب خانہ کعبہ کی از سرِ نو تعمیر کے وقت حجر اسود نصب کرتے وقت سخت نزاع ہوا، ہر قبیلہ اس سعادت سے خود بہرہ ور ہونا چاہتا تھا۔ بات اتنی بڑھی کہ تلواریں کھنچ گئیں، قریب تھا کہ حدود حرم خون سے لالہ زار ہو جائے، چار دن گزر گئے جھگڑا طے نہ ہوا۔ آخر پانچویں دن قریش کے ایک سب سے معمر شخص کی رائے پر یہ طے پایا کہ کل صبح جو سب سے پہلے حرم میں آئے اسی کو حکم مقرر کر دیا جائے۔ قدرت خداوندی کا کرشمہ دیکھئے کہ دوسرے دن سب سے پہلے حرم میں پہنچنے والا کوئی اور نہیں، محمد عربی ﷺ تھے، آپ کو دیکھنا تھا کہ لوگ خوش ہو کر پکار اٹھے:

هٰذَا الْاَمِیْنُ رَضِیْنَاهُ۔

''امین آ گئے، ہم ان کے فیصلے پر راضی ہیں۔''

حضورؐ چاہتے تو یہ شرف خود حاصل کر لیتے اور کسی کو موقع نہ دیتے مگر حضورؐ نے ایسا نہیں کیا، ایک چادر منگائی، اس میں اپنے دستِ مبارک سے حجر اسود رکھا پھر سرداران قبائل سے کہا کہ سب لوگ چادر پکڑ کر اٹھائیں اور خانہ کعبہ کے پاس لے چلیں، جب چادر موقع کے برابر آ گئی تو آپؐ نے حجر اسود اٹھا کر نصب کر دیا، اور آپؐ کی حسن تدبیر سے ایک خوفناک جنگ ٹل گئی۔

عمر مبارک کے اکتالیسویں (۴۱) سال غار حرا میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو منصب نبوت سے سرفراز فرمایا، مالک ارض و سما کے فرستادہ فرشتے نے اسرار نبوت کے لئے آپ کا سینہ کھول دیا اور کہا اِقْرَءْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ (پڑھئے اس خدا کے نام سے جس نے کائنات کو پیدا کیا)۔

حضورؐ نے پیغامِ نبوت لوگوں تک پہنچانا شروع کر دیا، سب سے پہلے ایمان و اسلام کی دولت سے مشرف ہونے والوں میں حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن حارثہؓ، اور حضرت ام ایمنؓ ہیں۔ پھر ان حضرات کی کوششوں سے اسلام کا دائرہ پھیلنا شروع ہوا، مگر ابھی تک کھلم کھلا تبلیغ کا حکم نہیں تھا۔

لیکن وہ مرحلہ بھی آ گیا اور ارشاد ہوا فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (جو حکم تم کو ملا ہے اسے علی الاعلان کہہ دو) دوسری جگہ ارشاد ہوا وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ (اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈر سنا دو)

آپ کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور پکار کر کہا اے بنی فہر، اے بنی عدی، اے بنی عبد مناف، اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے دامن میں ایک لشکر کھڑا ہے جو تم پر حملہ آور ہونے والا ہے اَکُنْتُمْ مُصَدِّقِیَّ (تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟) سب نے جواب دیا ہاں، ضرور تصدیق کریں گے کیونکہ مَاجَرَّبْنَا عَلَیْكَ اِلَّا صِدْقًا (ہم نے آپ کو ہمیشہ سچ بولتے پایا ہے)

حضورؐ نے فرمایا:

فَاِنِّیْ نَذِیْرٌ لَّكُمْ بَیْنَ یَدَیَّ عَذَابٌ شَدِیْدٌ۔

''پس یہ سمجھ لو کہ میں تم کو اس سخت عذاب سے آگاہ کرنے آیا ہوں جو بالکل تمہارے سامنے ہے۔''

سوچئے! وہ قوم جو ابھی ابھی حضور کے ہمیشہ سچ بولنے کا اقرار و اعتراف کر چکی ہے، اُسی کے لبوں پر اس اعلان حق کے بعد سکوت طاری ہو گیا، کوئی بھی اس اعلانِ حق پر لبیک کہنے والا نہ ملا، بلکہ انہیں میں سے سگا چچا ابولہب آگے بڑھ کر گستاخانہ لہجے میں کہتا ہے، تَبًّا لَّكَ سَائِرَ الْیَوْمِ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا (سارے دن تمہارے لئے خرابی ہو، کیا اسی کے لئے تم نے ہم نے بلایا تھا)۔

کیا حضورؐ کو ان باتوں سے تکلیف نہیں ہوتی تھی، کیا حضورؐ کو ان حرکتوں سے صدمہ نہیں پہنچتا تھا، یقیناً پہنچتا تھا، مگر حضور اقدس ﷺ کے نزدیک دعوت و تبلیغ کا مشن ان صدمات و تکالیف سے کہیں زیادہ فوقیت رکھتا تھا۔ اس لئے مشرکین مکہ کی پیہم ایذا رسانیوں کے باوجود دعوت حق کی راہ میں آپ کے قدم متزلزل نہیں ہوئے۔

مخالفت کا یہ عالم تھا کہ جب آپ تبلیغ کے لئے نکلتے تو مخالفین کی ٹولیاں ساتھ ہو جائیں، جب آپ تقریر کے لئے کھڑے ہوتے تو آپؐ پر فقرے کستے، آپ کا مذاق اُڑاتے ہنستے، قہقہے لگاتے اور اتنا شور و غل کرتے کہ بات کرنا مشکل ہو جاتا، ابولہب لوگوں سے کہتا کہ اس کی بات مت سنو، اسے جنون ہو گیا ہے، کوئی کہتا محمد شاعر ہو گئے ہیں یہ سب ان کی شاعری ہے۔

آپ کے راستے میں کانٹے بچھاتے، جسم مبارک پر نجاست ڈالتے، آپ کو گالیاں دیتے، برا بھلا کہتے، ایک مرتبہ آپ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ نے پیچھے سے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے، ابوجہل نے آپؐ کے سر پر پتھر کھینچ مارا، ایک مرتبہ سجدہ میں گئے تو آپؐ کی پیٹھ پر اونٹ کی اوجھڑی رکھدی، کئی مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیچ میں آ گئے اور رو رو کر کہنے لگے:

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ۔

''کیا تم ایک شخص کو صرف اتنی بات پر قتل کر دینا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور تمہارے پاس کھلے دلائل لے کر آیا ہے۔''

لیکن کفار مکہ حضور ﷺ کو چھوڑ کر ابو بکر رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑے۔

جو لوگ آپ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے مسلمان ہو جاتے ان کو بھی طرح طرح سے ستایا جاتا، مشرکین تنہائی میں پا کر انہیں مارتے پیٹتے، ذلیل و رسوا کرتے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے گلے میں رسی باندھ کر مکہ کی گلیوں میں گھسیٹا گیا، مکہ کی گرم ریت پر لٹا کر تپتے ہوئے پتھر سینے پر رکھے گئے، حضرت خباب کو انگاروں پر لٹایا گیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے چچا نے کھجور کے تنے میں باندھ کر مارا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں دیا گیا، سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو رسیوں میں جکڑا گیا، مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان کی والدہ نے گھر سے نکال دیا۔ حضرت ابوفکیہ رضی اللہ عنہ کے سینے پر اتنا بھاری پتھر رکھا گیا کہ اُن کی زبان نکل پڑی، حضرت عمار رضی اللہ عنہ، ان کی والد، ان کی والدہ سبھی نے سنگدل کفار مکہ کے ہاتھوں ایسی ایسی اذیتیں اٹھائیں کہ جنہیں سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مگر ان سب کے باوجود جو جام توحید ایک مرتبہ پی لیتا تھا، وہ ہمیشہ کے لئے محمد عربی ﷺ کا غلام بن جاتا تھا، یہ نشہ ایک ایسا نشہ تھا جس کے اترنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ یہ خمار وہ خمار تھا جو کفار مکہ کے ظلم و ستم اور جور و جفا سے گھٹنے کے بجائے اور بڑھ جاتا تھا۔

کفار مکہ نے ابو طالب سے کہا آپ اپنے بھتیجے کو منع کر دیں کہ وہ ہمارے دین کی مخالفت نہ کرے اور اپنا نیا دین پھیلانے سے باز آجائے۔ ابو طالب نے حضور ﷺ کو بلایا اور کہا میرے بھتیجے! تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے ہیں اور ایسا ایسا کہہ رہے ہیں، ذرا میری جان کا لحاظ کرو، اور اپنی جان کا بھی، اور مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ جس کو میں اٹھا نہ سکوں۔

حضور ﷺ نے فرمایا چچا! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں اور یہ چاہیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں تب بھی میں اس سے باز نہ آؤں گا۔

اہل مکہ سے مایوس ہو کر آپ طائف تشریف لے گئے کہ شاید یہی لوگ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو جائیں اور اسلام کو طاقت ملے، مگر افسوس کہ اہل طائف کا سلوک بھی اہل مکہ سے مختلف نہ تھا۔ کسی نے آپ کی بات توجہ سے نہ سنی، بلکہ برا بھلا کہا اور مذاق اڑایا۔ جب واپس جانے لگے تو اوباش لڑکوں کو پیچھے لگا دیا۔ جو آپ کو گالیاں دیتے اور پتھر مارتے تھے۔ جسم اطہر زخموں سے لہولہان ہو گیا۔ لیکن پھر بھی آپ ؐ نے کسی کے لئے بددعا نہ کی، اور کی بھی تو ہدایت کی ہی دعا کی۔

مکہ کی زندگی میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دین کی راہ میں جتنا ستایا گیا اس کی

مثال نہیں ملتی۔ لیکن اس طرح حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ثباتِ قدمی اور استقامت کی بھی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ کفار کی لاکھ مخالفت کے باوجود اسلام کا قافلہ سرگرم سفر رہا۔ مسلمانوں کی تعداد بڑھتی رہی۔ اسلام کے نام لیواؤں میں اضافہ ہوتا رہا۔ اور آج چار دانگِ عالم میں اسلام کا کلمہ پڑھنے والے موجود ہیں۔

﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○ هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾

"وہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں۔ لیکن اللہ اس کو مکمل ہی کرنا چاہتا ہے اگرچہ کافروں کو ناپسند ہو، وہی وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس کو سارے دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکوں کو ناگوار ہو۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

(اقبال)

ہجرت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ

..... اما بعد

صدر محترم، حاضرین جلسہ!

دنیا میں حق کی آواز بلند کرنا کتنا مشکل کام ہے۔ یہ ان سے پوچھئے جو اس راہ کے راہی ہیں۔ جنہوں نے کلمۂ حق کی خاطر اپنا تن من دھن سب قربان کر دیا۔ جان کو جان اور مال کو مال نہ سمجھا، بچوں کو یتیم اور بیویوں کو بیوہ کرانا گوارہ کیا مگر کلمۂ حق پر آنچ نہ آنے دی، گھر سے بے گھر ہو گئے، وطن کو چھوڑ دیا، عزیزوں سے ناطہ توڑ لیا مگر کیا مجال کہ اعلان حق اور سربلندی حق کے مقصد میں ذرا بھی رکاوٹ آئے۔ یہ دنیا بڑی ظالم ہے، یہ دنیا حق وصداقت کی آواز کو آسانی سے برداشت نہیں کرتی۔ یہ ظالم وجابر دنیا اور اس دنیا میں بسنے والے ظالم وجابر افراد اہل حق کو آگے بڑھتا اور صدائے حق کو پھیلتا نہیں دیکھ سکتے۔

مکہ میں جب دین کا غلغلہ بلند ہوا اور محمد عربی ﷺ نے کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی صدائے دل نشیں بلند کی، تو وہ لوگ جو دل حق پرست اور گوش حق نیوش رکھتے تھے انہوں نے اس آواز پر لبیک کہا اور دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے مگر وہ لوگ جن کے دل کفر وضلالت کی تاریکیوں سے مانوس تھے۔ جنہیں اجالا نہیں اندھیرا پسند تھا۔ جو حق وراستی کے الفاظ تک سننا پسند نہیں کرتے تھے، وہ بوکھلا اٹھے، اور اس صدائے ایمانی کو دبانے کی کوششیں شروع کر دیں۔

انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو ذہنی اور جسمانی اذیتیں دیں ان کا حساب وکتاب ہی کیا، وہ یہ بھی نہ برداشت کر سکے کہ اہل حق کا وجود مکہ میں باقی رہے۔ ان ایذا رسانیوں کا اصل مقصد بھی یہی تھا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا تو انہی کی طرح گمراہی کے راستے کو اختیار کر لیں یا مجبور ہو کر مکہ چھوڑ دیں۔

حضورؐ نے اور صحابۂ کرام نے مکہ مکرمہ کو چھوڑ دیا۔ اپنے اس وطن عزیز کو خیر باد کہہ دیا جس میں پلے اور بڑھے تھے، وہ ارض مکہ جس کے ذرہ ذرہ پر حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے شمار

یادیں ثبت تھیں، اس سرزمین کو چھوڑ کر جانا تھا۔ بظاہر یہ ہجرت بڑی کس مپرسی کے عالم میں تھی۔ بڑی بیچارگی اور پریشانی کے عالم میں تھی، نہ کوئی ہمدردی، نہ کوئی غمگسار، نہ کوئی دکھوں میں شریک، نہ غم کا مداوا کرنے والا، سب نے آنکھیں پھیر لیں۔ سبھی دشمن بن گئے۔

مکہ کو چھوڑ کر مدینہ جانا، ظاہر بیں نگاہوں کے لئے اسلام اور مسلمانوں کی شکست تھی، گویا مسلمان بالکل بے وقار اور بے حیثیت ہو چکے ہیں۔ اور انہیں ان کے گھر میں بھی پناہ نہ ملی۔ مگر حقیقت میں یہ ہجرت اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا پیش خیمہ تھی۔ اس شجرہ طوبیٰ کے اور زیادہ برگ و بار لانے کے موسم کا اعلان تھی۔ یہ ہجرت اس بات کی اطلاع تھی کہ اب اہل حق نئے عزم و ارادہ کے ساتھ میدان عمل میں اتریں گے، کامیابی ان کے قدم چومے گی اور دنیا دیکھ لے گی کہ جنہیں لاچار و مجبور سمجھا گیا تھا، جن پر زندگی کی راہیں مسدود کی گئیں، وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔

یہ اُس مقام یثرب کی طرف ہجرت تھی جسے مدینۃ النبی کا شرف حاصل ہونے والا تھا۔ یہ وہی ''دارالہجرۃ'' تھا، جو ہجرت سے قبل حضورؐ کو خواب میں دکھایا گیا تھا۔

رَاَیْتُ فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اُھَاجِرُ مِنْ مَکَّۃَ اِلٰی اَرْضٍ بِھَا نَخْلٌ۔

''میں نے خواب دیکھا ہے کہ مکہ سے اس زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جو کھجوروں کے باغات والی ہے۔''

یہ ہجرت اس شہر کی جانب تھی جسے لوگ یثرب کہتے تھے، مگر نبی صادق و مصدوق ﷺ کی زبان حق ترجمان نے اسے مدینہ کے مقدس لقب سے سرفراز فرمایا تھا۔

اُمِرْتُ بِقَرْیَۃٍ تَاْکُلُ الْقُرٰی یَقُوْلُوْنَ یَثْرِبُ وَھِیَ الْمَدِیْنَۃُ تَنْفِی النَّاسَ کَمَا یَنْفِی الْکِیْرُ خُبْثَ الْحَدِیْدِ۔

''مجھے اس بستی کی طرف ہجرت کا حکم دیا گیا ہے جو تمام بستیوں پر غالب آجائے گی، لوگ اسے یثرب کہتے ہیں، حالانکہ وہ مدینہ ہے۔ وہ برے لوگوں کو ایسے ہی نکال پھینکتی ہے جیسے لوہار کی بھٹی، لوہے کے میل کو۔''

یہ اوس و خزرج کے اُن قبائل کی طرف ہجرت تھی جنہیں انصار کا قابل صد رشک لقب ملنے والا تھا اور جن کے بارے میں سرکار مدینہ ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا تھا:

لَوْلَا الْھِجْرَۃُ لَکُنْتُ اِمْرَءً مِّنَ الْاَنْصَارِ۔

''اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار کا ایک فرد ہوتا۔''

یہ ہجرت کس شہر سے ہو رہی تھی، مکۃ المکرمہ سے، یعنی اس شہر سے جو روئے زمین کا سب

سے مقدس شہر تھا، جہاں خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کے لئے سب سے پہلے خدا کا گھر بنا تھا وہ حرم کعبہ اور وہ بلد حرام جس سے جدا ہوتے وقت حضورؐ نے بڑی حسرت کے ساتھ فرمایا تھا۔

مَا اَطْيَبَكِ مِنْ بَلَدٍ وَاَحَبَّكِ اِلَيَّ وَلَوْ لَا اَنَّ قَوْمِيْ اَخْرَجُوْنِيْ مِنْكِ مَاسَكَنْتُ غَيْرَكِ۔

''تو کتنا اچھا شہر ہے اور مجھے کتنا عزیز ہے اگر میری قوم مجھے یہاں سے نہ نکالتی تو میں تجھے چھوڑ کر کسی اور جگہ سکونت نہ اختیار کرتا۔''

لیکن راہ حق میں ان مراحل سے آخر کار گزرنا ہی تھا، حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ مدینہ کی طرف ہجرت کریں، دھیرے دھیرے جس کو جب موقع مل جاتا مدینہ کی طرف چل پڑتا۔ اپنا گھر بار چھوڑ کر، اپنے رشتہ داروں سے ناطہ توڑ کر، اعزہ واقرباء سے منہ موڑ کر، مال واسباب اور زمین وجائیداد سے بے فکر ہو کر، آخر سب کو کیوں چھوڑا جا رہا تھا، کیا انہیں اپنے رشتہ دار عزیز نہ تھے، کیا انہیں اپنے وطن، اپنے گھر بار سے محبت نہ تھی، کیا ان کے دل میں اپنے مال وجائیداد کی چاہت نہ تھی؟

تھی اور ضرور تھی، مگر ان سب چاہتوں سے بڑھ کر اللہ کے دین کی چاہت تھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا وخوشنودی مطلوب تھی، جو سب چاہتوں پر غالب آگئی۔ یہ چاہت یہ طلب جب بھی جس کے دل میں پیدا ہوگئی ہے دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ پھر اس کے قدم دین کی راہ میں آگے بڑھنے سے کوئی طاقت نہیں روک سکی ہے۔ نہ آل واولاد، نہ مال واسباب، نہ زمین ووجائیداد، نہ رشتے اور ناطے، یہ تو ایک نشہ ہے جو چڑھ جانے کے بعد اترنے کا نام نہیں لیتا، یہ وہ دیوانگی ہے جس پر ہزاروں فرزانگیاں قربان، یہ وہ جنون ہے جس پر ہزاروں دانائیاں فدا۔

رسول اللہ ﷺ بھی ہجرت کے لئے کمربستہ ہوگئے۔ رفاقت کے لئے بچپن کے ساتھی اور اب تک کے ہر موڑ پر حق دوستی وحق رفاقت ادا کرنے والے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے زیادہ اور کون موزوں ہوسکتا تھا، ہجرت کے لئے رات کا وقت طے ہوا، کفار کو بھنک لگ گئی تھی، انہوں نے اپنے دارالمشورہ میں حضورؐ کے قتل کی سازش کی اور مکان گھیر کر کھڑے ہوگئے، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اس سازش سے آگاہ کردیا۔ آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ آپؐ کے بستر پر سو جائیں، آپؐ نے یہ بھی فرمادیا تھا کہ تمہیں کوئی گزند نہ پہنچے گی، تم کفار کی یہ امانتیں جو انہوں نے میرے پاس رکھوائی ہیں، امانت داروں کو لوٹا کر مدینہ آجانا۔

حضورؐ مکان سے نکلے، تھوڑی سی مٹی ہاتھ میں لی اور کفار کے سروں پر پھینکتے ہوئے فَاَغْشَيْنَا

هُمْ لَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ پڑھتے ہوئے صاف نکل گئے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کی قوت بصارت چھین لی، حضور ﷺ ان کے سامنے سے گزر گئے اور وہ دیکھ نہ سکے۔ صبح تک منتظر کھڑے رہ گئے۔ صبح حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بستر سے اٹھتے ہوئے دیکھ کر بہت نادم و شرمسار ہوئے۔

حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا، دونوں دو اونٹوں پر سوار ہوئے اور مدینہ کی جانب چل پڑے، سفر کی پہلی منزل غار ثور تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غار کو صاف کیا، پھر دونوں اندر داخل ہو گئے، خدا کی قدرت دیکھئے کہ غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا اور دو کبوتر آ کر بیٹھ گئے اور انڈا دے دیا۔ مکڑی کے جالے اور کبوتروں کی وجہ سے کسی کا تصور بھی نہ جا سکتا تھا کہ اس غار میں کوئی انسان روپوش ہوگا۔

کفار مکہ حضور ﷺ کے تعاقب میں غار تک آئے مگر مکڑی کے جالے کی وجہ سے دھوکہ کھا گئے۔ حالانکہ وہ اتنے قریب آ چکے تھے کہ صرف قدموں کے نیچے دیکھنے کی دیر تھی، مگر اللہ کی قدرت ان کے ارادوں پر غالب آ گئی۔

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا۔

''خدا نے ان پر سکینہ نازل فرمائی اور ان کی ایسے لشکروں سے مدد کی جو تم کو نظر نہ آتے تھے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کفار کو اتنے قریب دیکھ کر گھبرا اٹھے، حضور ﷺ نے تسلی دی اور فرمایا: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ (غم نہ کرو، خدا ہمارے ساتھ ہے)

غار میں تین دن قیام کرنے کے بعد آگے کا سفر شروع ہوا، قریش نے اعلان کیا کہ جو محمد کو گرفتار کر کے لائے گا، اس کو سو اونٹنیاں انعام دی جائیں گی۔ سراقہ بن مالک بن جعشم انعام کی لالچ میں تعاقب میں نکلا، مگر اس کا گھوڑا ٹھوکر کھا کھا کر گرنے لگا۔ تعاقب کرتے کرتے وہ اتنا قریب آ گیا کہ حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نظر آنے لگے، لیکن عین اس وقت گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور اس کے اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے، سراقہ گر پڑا۔ آخر کار وہ سمجھ گیا کہ حضور ﷺ کے ساتھ اللہ کی مدد ہے اور وہ حضور ﷺ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا وہ اپنے ارادے سے باز آ گیا اور لوٹ گیا۔

انصار کو اطلاع ہو چکی تھی کہ حضور ﷺ مدینہ کی جانب چل پڑے ہیں۔ وہ روزانہ نماز فجر کے بعد شہر کے آخری کنارے پر رسول اللہ ﷺ کا انتظار کرتے اور اس وقت تک انتظار کرتے رہتے جب تک کہ دھوپ میں شدت نہ آ جاتی۔

رسول اللہ ﷺ جس دن مدینہ پہنچے، انصار انتظار کرنے کے بعد اپنے گھروں کو جا چکے تھے، ایک یہودی کی نظر آپ ﷺ پر پڑ گئی، وہ روزانہ انصار کو آپ کا انتظار کرتے ہوئے دیکھتا تھا۔ اس نے پکار کر انصار کو آواز دی کہ تمہیں جن کا انتظار تھا وہ تشریف لے آئے۔ یہ سنتے ہی انصار اپنے گھروں سے نکل پڑے اور آگے بڑھ کر حضور ﷺ کا استقبال کیا، اور ادب کے ساتھ عرض کیا حضور ﷺ! تشریف لے چلیں۔ آپ ہر طرح مامون و محفوظ ہیں۔ ہر بات میں آپ کی اطاعت کی جائے گی۔

لوگ راستوں، گزرگاہوں، مکانوں کی چھتوں اور دروازوں پر جمع ہو گئے خوشی و مسرت کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ مدینہ کے بام و در فخر و مسرت سے جھوم رہے تھے، انصار کی بچیاں سرور و مستی کے عالم میں یہ اشعار پڑھتی تھیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا
مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا
مَا دَعَى لِلّٰهِ دَاعِ
أَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا
جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ

"پہاڑی کے اس موڑ سے جہاں سے قافلے رخصت کئے جاتے ہیں، آج چودہویں کا چاند نکل آیا۔ جب تک دنیا میں اللہ کا ایک نام لینے والا بھی رہے گا ہم پر شکر ادا کرنا واجب رہے گا۔ اے وہ پاک ذات جس کو ہمارے درمیان مبعوث کیا گیا آپ واجب الاطاعت حکم لے کر آئے ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے مقام قبا میں چار روز قیام فرمایا، وہاں ایک مسجد کی بنیاد رکھی جو مسجد قبا کہلاتی ہے۔ وہاں سے آگے روانہ ہوئے اور بنی نجار کے محلہ میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو آپ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا اور تاریخ اسلامی کے ایک نئے دور کا آغاز ہو گیا۔ وہ دور جس کی تابناکی کو ظاہر بیں نگاہیں نہ دیکھ سکتی تھیں، وہ عہد جو ہر عہد سے نرالا تھا، جس کے پہلو بہ پہلو وہ عظیم کامرانیاں تھیں جو انسانی تصور سے بھی ماورا تھیں، وہ عہد زریں جس سے دنیا کی تقدیر بدلنے والی تھی، اور کائنات عالم زندگی کے ایک نئے سانچے میں ڈھلنے والی تھی۔ وہی مبارک عہد، وہ مبارک دور شروع ہو چکا تھا۔

فتح مکہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَصَدَقَ وَعْدَہٗ وَ نَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ الَّذِیْ شَرَّفَ اللّٰہُ الدُّنْیَا بِبِعْثَتِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی الْمَبْعُوْثُ اِلَی الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ اَمَّا بَعْدُ۔

عجب کیا ہے یہ بیڑا غرق ہو کر پھر ابھر آئے
کہ ہم نے انقلاب چرخ گردوں یوں بھی دیکھے ہیں

صدر محترم، حاضرین جلسہ!

ایک دن وہ تھا جب شہر مکہ کفر وشرک کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ ہر طرف ظلم وجور، شقاوت وبربریت کا دور دورہ تھا، انسان خدا کو بھول چکا تھا، عدل وانصاف نام کی کوئی چیز نہ تھی، کسی کی جان ومال اور عزت وآبرو محفوظ نہ تھی۔ معبودانِ باطل کی پرستش کی جاتی تھی، وہ کعبہ مکرمہ جو صرف خدائے واحد کی عبادت کے لئے تعمیر ہوا تھا اس میں ایک دو نہیں، پورے تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔

اسی مکہ میں ایک نبی امیؐ نے صدائے انقلاب بلند کی، لوگوں کو خدائے واحد کی طرف بلایا۔ دین حق کی دعوت دی، مگر کیا ہوا؟ لوگ دشمن بن گئے، اپنے پرائے ہوئے۔ صدائے حق کو دبانے کی کوشش کی گئی، نبی برحق ﷺ اور ان کے ساتھیوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے، انہیں اتنا مجبور کردیا گیا کہ وہ اپنا پیارا وطن مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر جائیں۔

مگر وہی مجبور وبیکس مسلمان آج مکہ کی طرف لوٹ رہے تھے، وہی آٹھ سال قبل مکہ سے نکالے گئے تھے۔ آج پوری شان وشوکت اور پورے کروفر کے ساتھ مکہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ کسی نے سوچا بھی نہ ہوگا کہ یہ جو اتنی لاچاری اور بے بسی کے عالم میں گھر بار چھوڑنے پر مجبور کئے جارہے ہیں وہی زیادہ دن نہیں، صرف آٹھ سال بعد پوری آن بان کے ساتھ مکہ واپس آجائیں گے اور وہ لوگ جنہوں نے ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے، جنہوں نے ان کو مکہ کی گلیوں میں گھسیٹا تھا۔ گلے میں پھانسی کا پھندہ لگایا تھا اور عدل وانصاف کے سارے اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر شقاوت

وبربریت کے سارے حربے استعمال کر ڈالے۔ اور اتنا ستایا کہ مکہ میں رہنا تک دوبھر کر دیا اور مکہ سے جانے کے بعد بھی چین سے رہنے نہ دیا، وہی ہاں وہی مشرکین مکہ اور کفار قریش، گردن جھکائے ہوئے اپنی سزا سننے کے لئے مجرموں کی کٹہرے میں کھڑے نظر آئیں گے، ان کی طاقت ختم ہو چکی ہوگی، ان کی شان وشوکت ان کا اقتدار ماضی کی ایک داستان پارینہ بن چکا تھا، وہ نبی امیؐ جسے کہ سے نکال دیا گیا تھا۔ جس کے قتل کی سازشیں کی گئیں۔ وہ مکہ کفر وشرک کی آلودگیوں سے صاف کرنے کے لئے مکہ واپس آجائے گا۔ کس نے سوچا تھا یہ سب، اور کون ان سب باتوں کا تصور کر سکتا تھا۔

مگر سن ہجری کے آٹھویں سال اور ماہ رمضان المبارک نے ان تصورات کو حقیقت کے روپ میں لا کر کھڑا کر دیا۔ دنیا ان مجبوروں، دیس سے نکالے ہوؤں اور دین کی خاطر مصائب وآلام کی بھٹی میں تپ کر کندن ہونے والوں کو دیکھ لے کہ جیت کس کی ہوئی اور ہار کس کی، کون فتح یاب ہوا، کون شکست سے ہمکنار۔

حدیبیہ کی صلح جو بظاہر ایک مغلوبانہ صلح تھی، وہی فتح مکہ کی بنیاد بن گئی، اور اس صلح کے متعلق مالک ارض وسما کا یہ ارشاد اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔ (ہم نے آپ کو کھلی ہوئی فتح عطا فرمائی) آج ایک حقیقت ثابت تھی۔ جس کے انکار کی کسی میں مجال نہ تھی۔

آیئے دیکھیں کہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے پروانوں کا قافلہ مکہ مکرمہ کی طرف کس طرح کوچ کرتا ہے۔

رمضان المبارک سن آٹھ ہجری کی دس تاریخ ہے۔ شمع نبوت کے جلو میں دس ہزار پروانے مکہ مکرمہ کی طرف سرگرم سفر ہیں، ابوسفیانؓ جو غزوۂ احد سے لے کر اب تک اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں سب سے پیش پیش رہے، لیکن آج اسلامی لشکر کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی اسلام قبول کر چکے ہیں۔ حضرت عباسؓ کے ساتھ ایک پہاڑی پر چڑھ کر اسلامی فوج کے مکہ میں داخل ہونے کا منظر دیکھ رہے ہیں، مختلف قبائل کے دستے اپنے جھنڈوں کے ساتھ اپنے سپہ سالار کی قیادت میں آگے بڑھ رہے تھے، نعرہ تکبیر کی صداؤں سے فضا گونج رہی ہے۔ سب سے پہلے قبیلہ غفار کا پرچم نظر آیا، پھر جہینہ اور سلیم کے قبیلے ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے نکل گئے، سب کے بعد انصار کا قبیلہ اس شان وشوکت اور ساز وسامان کے ساتھ آیا کہ پہاڑی گونج اٹھی، ابوسفیانؓ اسلامی لشکر کے رعب وداب اور آن بان سے دہل گئے، انصار کے دستے کے امیر سعد بن عبادہؓ تھے۔ جب انہوں نے ابوسفیانؓ کو دیکھا تو فرمایا:

اَلْیَوْمُ یَوْمُ الْمَلْحَمَةِ اَلْیَوْمَ تُسْتَحِلُّ الْکَعْبَةُ۔

''آج مار کاٹ کا دن ہے، آج کعبہ حلال کر دیا جائے گا۔''

حضور ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت سعد کا جملہ ناپسند کیا اور فرمایا: اَلْیَوْمُ یَوْمُ الْمَرْحَمَةِ (آج رحم و کرم کا دن ہے) اور جھنڈا سعد رضی اللہ عنہ سے لے کر ان کے صاحبزادے حضرت قیس رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔

اسلامی لشکر کے سب سے آخر میں فخر موجودات نبی آخر الزماں ﷺ بنفس نفیس جاں نثاروں کے جلو میں تشریف لائے۔ حضرت زبیرؓ کے ہاتھوں میں اس کا جھنڈا تھا۔ یہ انصار و مہاجرین کا ایسا آہن پوش دستہ تھا جس کی صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں، ابو سفیانؓ یہ منظر دیکھ کر مبہوت رہ گئے اور حضرت عباسؓ سے فرمایا خدا کی قسم! اے ابو الفضل! تمہارے بھتیجے کا اقتدار آج کی صبح کتنا عظیم ہے۔

مکہ میں داخل ہونے کا عالم بھی عجیب و غریب تھا، نہ غرور و تمکنت، نہ بڑائی کا اظہار، بلکہ نہایت تواضع اور انکساری کے ساتھ رسول اللہ ﷺ مکہ میں داخل ہو رہے تھے۔ سر مبارک عبدیت کے غلبہ سے بالکل جھک گیا تھا۔ آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے وقت سورہ فتح کی تلاوت فرما رہے تھے۔

حرم کعبہ میں داخل ہونے کے وقت آپ کا دست مبارک میں ایک کمان تھی، کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ آپ اس کمان سے بتوں کی طرف اشارہ کرتے اور فرماتے:

﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾

''حق آ گیا، باطل مٹ گیا، باطل مٹنے ہی کی چیز ہے۔''

اسی کے ساتھ ہی سارے بت ایک ایک کر کے منہ کے بل گرتے چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کعبہ کفر و شرک کی آلائش سے پاک و صاف ہو گیا۔

آج صحن حرم میں وہ سب سرداران مکہ موجود ہیں جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کی انتھک کوششیں کی تھیں، جو رسول اللہ ﷺ کے دشمن مسلمانوں کے قاتل اور اسلام کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے والے تھے، جنہوں نے مسلمانوں کا جینا دو بھر کر رکھا تھا۔ حضورؐ نے ایک نظر ان کی طرف دیکھا اور فرمایا اے مکہ کے سردارو! آج میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کروں گا۔ سب نے کہا ''آپ جوانوں کے شریف بھائی اور بوڑھوں کے شریف بھتیجے ہیں۔'' آپؐ نے فرمایا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔

''آج تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔''

یہ اعلان معافی اس قدر عام ہوا کہ آپؐ نے فرمایا جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے وہ مامون ہے، جو مسجد حرام میں چلا جائے وہ مامون ہے، جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ مامون ہے۔

سوچئے! یہ کتنا خلاف توقع اعلان تھا، کفار تو اس لائق تھے کہ انہیں جو سزا بھی دی جاتی کم تھی، وہ خود بھی اپنے جرم کو اچھی طرح جانتے تھے، اس نے اگر انہیں سزا دی جاتی تو وہ ان کی امید کے خلاف نہ ہوتی۔ لیکن یہ جو اعلان معافی الفاظ کا مجموعہ نہیں، حقیقت کا پیکر تھا۔ یہ آواز دل کی گہرائی سے اٹھی اور دل کی گہرائیوں میں اتر گئی، اور وہی جو آج تک اسلام کے دشمن تھے، اسلام کے دامن میں پناہ لینے کے لئے بے تاب ہو گئے، ہندہؓ نے اسلام قبول کر لیا۔ وحشیؓ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے، اور کفار مکہ کی ایک کثیر تعداد امن اسلام سے وابستہ ہو گئی۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حدود حرم میں موجود مجمع کے سامنے تاثیر میں ڈوبی ہوئی تقریر فرمائی، آپؐ نے فرمایا:

''ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اُسی نے اپنا وعدہ سچا کیا، اس نے اپنے بندے کی مدد کی اور کفر کے سارے جتھوں کو تنہا شکست دی۔ یاد رکھو! کفر کے سارے مفاخر، خون کے سب پرانے کینے اور جاہلیت کے سارے بدلے میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔ صرف کعبہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت اس سے مستثنیٰ ہے..... اے قریش کے لوگو! جہالت کا غرور اور نسب کا افتخار خدا نے مٹا دیا تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔''

بزرگو اور دوستو! توحید حق تعالیٰ اور وحدت انسانیت کی یہ وہ صدائے دل نشیں تھی جو صحن حرم میں گونجی تھی اور دنیا کے چپے چپے میں پھیل گئی تھی اور ساری دنیا کل کی طرح آج بھی اس کی محتاج ہے۔

سبق پھر پڑھ شجاعت کا، صداقت کا عدالت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

.....

غافل خدا کے قہر سے دیتی نہیں پناہ
سدِ سکندری ہو کہ دیوار چین کی

(مولانا محمد علی جوہر)

درسگاہِ رسولؐ اور درس انسانیت

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

صدر محترم! حاضرین جلسہ!

ہم میں سے کون نہیں جانتا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو آدمی یا انسان کہا جاتا ہے۔ لیکن انسان ہونا ایک الگ چیز ہے اور انسانیت ایک الگ چیز، یہ ضروری نہیں کہ کوئی انسان ہو تو اس میں انسانیت بھی ہو۔ اگر کوئی آدمی ہو تو اس میں آدمیت بھی ہو۔ جاندار ہونے میں سب برابر ہیں۔ انسان بھی، جانور بھی، لہٰذا جان رکھنے میں انسان کو جانوروں پر کوئی فوقیت اور کوئی فضیلت نہیں ہے۔ انسان کو جانور پر اس وقت فضیلت حاصل ہوگی۔ جب اُس میں انسانیت اور آدمیت ہو۔ یہی انسانیت اور آدمیت ہی انسان کو یا تو جانوروں سے بڑھا دیتی ہے یا جانوروں کے برابر کر دیتی ہے۔ یہی وہ حوصلہ خیر و شر ہے جو انسان کو اٹھاتا بھی ہے گراتا بھی ہے۔ بقول شاعر:

اٹھے تو شہپر یزداں، گرے تو شیطاں ہے
بشر کے حوصلہ خیر و شر کو کیا کہئے

یہی انسانیت اور آدمیت نہ ہو تو ہم ایک شخص کو دیکھیں گے کہ وہ آدمی ہے، آدمؑ کی اولاد ہے، وہ انسان ہے، انسانوں کی بستی میں رہتا سہتا ہے۔ مگر پھر بھی ہم اُسے انسان نہیں کہہ سکتے، آدمی نہیں کہہ سکتے، اور کہیں گے بھی تو یوں کہیں گے۔

آدمی، آدمی کے پیکر میں
اور کچھ ہو گا، آدمی نہ رہا

سوال یہ ہے کہ آدمیت کہاں سے پیدا ہوتی ہے۔ انسانیت کا تصور کہاں سے آتا ہے؟ آج ہر شخص اس سوال کا جواب اپنے اپنے طور پر دیتا ہے۔ ہر شخص کے کچھ تصوراتی محل اور خیال خاکے ہیں جن میں وہ مگن ہے اور انہیں کو انسانیت کی معراج سمجھتا ہے۔ لیکن یاد رکھئے! انسانیت کا مکمل تصور ہمیں اُن برگزیدہ شخصیات سے مل سکتا ہے جو انسانوں میں اکمل ترین افراد تھے، جنہیں ہم انبیاء کرام علیہم السلام کے مقدس لقب سے یاد کرتے ہیں۔

آج کے اس دور میں جبکہ نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ بند ہو چکا ہے اور اس مقدس گروہ کے آخری فرد نبی اکرم، شفیع اعظم محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات وہدایات کے سوا کسی نبی اور رسول کی تعلیم صحیح حالت اور اصلی شکل میں موجود نہیں، سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ ہم انسانیت کا تصور اور انسانیت کے درد کا مداوا فخر کائنات ﷺ کی تعلیمات میں تلاش کریں، ہمارے غموں کا علاج، ہمارے دکھ کی دوا، ہماری بیماریوں کی شفا اگر کہیں ممکن ہے تو صرف تعلیمات نبویؐ میں، اس کے سوا کہیں ممکن نہیں۔

ہمیں انسانیت کے اصول اس درسگاہ میں ملیں گے جس کے معلم نے بتا دیا تھا کہ میری بعثت کا مقصد ہی گم گشتہ راہ انسانوں کی انسانیت کی راہ دکھانا اور انسانیت پر گامزن کرنا ہے اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا (میں معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں)۔

ہمیں انسانیت کے طریقے اس درسگاہ سے ملیں گے جس نے اپنے جلیل القدر صحابہ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو گورنر بناتے وقت حکم دیا تھا کہ:

يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا بَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا۔

''دیکھو آسانی پیدا کرنا، سختی نہ کرنا، لوگوں کے قریب، اپنے سے دور نہ کرنا۔''

انسانیت سیکھنا ہو تو آؤ اس درسگاہ میں جہاں یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ انسان سب آپس میں برابر ہیں۔ ان میں کوئی اونچ نیچ اور بھید بھاؤ نہیں، ان میں کوئی چھوت چھات نہیں، ان میں ذات برادری اور حسب نسب کی کوئی تفریق نہیں، ان میں چھوٹے اور بڑے کا کوئی امتیاز نہیں، ان میں بزرگی اور بڑائی کا معیار صرف اور صرف ایک ہے اور وہ ہے تقویٰ، وہ ہے خدا ترسی، دینداری، پرہیزگاری اور خدائے وحدہٗ لاشریک سے زیادہ سے زیادہ قربت نزدیکی۔

لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى اَعْجَمِيٍّ وَلَا لِاَعْجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَلَا لِاَبْيَضَ عَلٰى اَسْوَدَ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰى اَبْيَضَ اِلَّا بِالتَّقْوٰى۔

''کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو عربی پر، کسی گورے کو کالے پر، کسی کالے کو گورے پر فضیلت حاصل نہیں، سوائے تقویٰ کے۔''

ارشاد ربانی ہے:

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾ (حجرات)

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت (آدم وحوا) سے پیدا کیا ہے۔ اور تمہارے

مختلف خاندان وقبائل بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے۔"

انسانیت کی راہیں ہمیں اُس نبی امی کی درسگاہ میں ملیں گی۔ جس نے یہ اعلان کیا تھا کہ،

اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَّنْ فِی السَّمَاءِ۔

"تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔"

جس نے یہ کہہ دیا تھا کہ لَا یَرْحَمُ اللّٰہَ مَنْ لَّا یَرْحَمُ النَّاسَ (اللہ اس پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہ کرے)۔

انسانیت کی متلاشی آؤ ہم تمہیں اس درسگاہ لے چلتے ہیں جس نے بتایا ہے کہ یتیموں کی خبر گیری کرنے والا جنت میں میرے اتنے قریب ہوگا جیسے دو انگلیاں جس نے بتایا ہے کہ وہ شخص مومن کامل نہیں ہوسکتا کہ جو خود پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا سوئے۔ جس نے تعلیم دی کہ جو چیز تمہیں پسند ہو وہی اپنے بھائی کے لئے پسند کرو، جو چیز تم ناپسند کرتے ہو، اسے اپنے بھائی کے لئے بھی ناپسند کرو، وہ درسگاہ جس میں والدین اور اولاد، شوہر و بیوی، اعزاء واقربا، دوست واحباب، اور ایک دوسرے کے حقوق بتائے گئے۔ یہاں تک کہ یہ بھی بتایا گیا کہ ہمیں اپنے پالتو جانوروں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے۔

سوچئے اور غور کیجئے! کیا انسانیت کے یہ بلند پایہ اصول، یہ مقدس تعلیم کسی اور درسگاہ میں ممکن ہے؟! یوں دعویداروں کی بھیڑ تو بہت ملے گی۔ لیکن ساری دنیا جانتی ہے کہ

پرواز دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

بلاشبہ انسانیت کا تصور درسگاہ رسول کی تعلیم کے بغیر ناقص ہے اور ناقص ہی نہیں بلکہ میں تو بڑھ کر یہ کہتا ہوں کہ درسگاہ رسول کی تعلیم کے بغیر انسانیت کا تصور ممکن ہی نہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

عظمت صحابہؓ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ الْكَامِلِيْنَ اَمَّا بَعْدُ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلٰنَا الْعَظِيْم۔

صدر محترم، حاضرین جلسہ!

میں نے ابھی ابھی آپ حضرات کے سامنے سورۂ فتح کی جو آیات کریمہ تلاوت کی ہیں، ان کا ترجمہ یہ ہے:

''محمد اللہ کے رسول ہیں، اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں، آپس میں نرم ہیں، دیکھتے ہو تم ان کو رکوع کرتے ہوئے اور سجدہ کرتے ہوئے، وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں، ان کے مقبول ہونے کی علامت ان کے چہروں میں موجود ہے سجدہ کے اثر سے۔ ان کی مثال توریت میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں ہے، جیسے کھیتی نے اپنا پٹھا نکالا، پھر اس کو مضبوط کیا پھر وہ موٹا ہوا، پھر اپنے تنے کے بل کھڑا ہو گیا، اچھا لگتا ہے وہ کھیتی کرنے والوں کو (یہ مثال بیان کی) تاکہ غصہ دلائے ان سے کافروں کو، وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے مغفرت کا اور مغفرت کا اور بڑے اجر کا۔''

محترم حضرات! آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت اور عنداللہ ان کی مقبولیت کو بیان فرمایا ہے۔ یہ آیات سورہ فتح پارہ چھبیس کی ہیں۔ سورہ فتح کا نزول صلح حدیبیہ کے

بعد ہوا ہے۔ ان آیات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دلجوئی کی گئی ہے کیونکہ حدیبیہ کی بظاہر غلو بانہ صلح سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم افسردہ خاطر اور مغموم تھے۔

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بڑے والہانہ انداز میں حضور ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رفاقت، کفار کے مقابلے میں ان کی سختی، آپس میں نرم دلی اور ان کی عبادت و ریاضت کا تذکرہ فرمایا ہے، اور ان کے چہروں پر سجدوں کے نشان کو بھی ان کے مقبول بارگاہ ہونے کی دلیل قرار دیا ہے۔ کھیتی کی مثال اس لئے دی گئی کہ جس طرح کھیتی بتدریج ترقی کرتی ہے۔ ایسے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بتدریج ترقی کے منازل کو طے کریں گے، اور جس طرح کھیتی کے پھلنے پھولنے سے کسان خوش ہوتا ہے اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ترقی کے منازل سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ خوش ہوں گے۔ آخر میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس طرح دنیاوی ترقی سے نوازے جائیں گے، اخروی ترقی بھی انہیں حاصل ہوگی اور وہ بخشش اور اجر عظیم سے سرفراز کئے جائیں گے۔

سورہ توبہ میں ہیں:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔

"سبقت کرنے والے اگلے مہاجرین اور انصار اور جن لوگوں نے نیکی میں ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔"

بیعت رضوان سے مشرف ہونے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ○ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ (سورہ فتح)

"بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اُس درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔ پس اللہ نے جانا جو اُن کے دلوں میں ہے تو ان پر سکینہ و اطمینان اتارا اور بدلے میں ان کو فتح قریب اور بہت سی غنیمتیں دیں جنہیں وہ لیں گے اور اللہ غالب، حکمت والا ہے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور کے اسرار و دم ساز تھے، دن و رات حضورؐ کی مصاحبت میں رہتے تھے، اسی شرف مصاحبت کی وجہ سے اُن کو صحابی کا لقب ملا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس طرح رسول اللہ ﷺ

کی مجالست اختیار کی، جس طرح گوش حق نیوش سے فرمان نبوی کو سنا اور عمل کیا، جس طرح اپنے تن من دھن کو حضور ﷺ کے لئے نثار کیا، دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ بلاشبہ جیسے ساتھی حضورؐ کو ملے، نہ موسیٰ کو ملے نہ عیسیٰ کو ملے اور نہ ان سے پہلے کسی نبی اور رسول کو ملے، جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام میں سب سے بلند رتبہ آنحضرت ﷺ کا ہے، اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کے حواریوں اور ساتھیوں میں سب سے اونچا مقام حضور اقدس ﷺ کے فدا کاروں جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے۔ جس طرح حضور کے ہم رتبہ اور ہم فضیلت کوئی نبی اور رسول نہیں، اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کے صحابہ میں حضور ﷺ کے صحابہ کی ہمسری کا کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ نَظَرَ فِیْ قُلُوْبِ الْعِبَادِ فَنَظَرَ قَلْبَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَهٗ بِرِسَالَتِهٖ ثُمَّ فِیْ قُلُوْبِ الْعِبَادِ بَعْدَ قَلْبِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ قُلُوْبَ اَصْحَابِهٖ خَیْرَ قُلُوْبِ الْعِبَادِ فَاخْتَارَهُمْ لِصُحْبَةِ نَبِیِّهٖ وَ نُصْرَةِ دِیْنِهٖ۔

"اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو محمد ﷺ کے قلب کو ان سب قلوب میں بہتر پایا لہٰذا ان کو اپنی رسالت کے لئے مقرر کر دیا۔ پھر قلب محمد ﷺ کے بعد دوسرے قلوب پر نظر ڈالی تو اصحاب محمدؐ کے قلوب کو دوسرے بندوں کے قلوب سے بہتر پایا۔ پس ان کو اپنے نبی کی صحبت اور دین کی نصرت کے لئے پسند کر لیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ رتبہ بلند ان کے ایمان و اخلاص کی وجہ سے ملا۔ ان کے اعلیٰ اخلاق و کردار کی وجہ سے نصیب ہوا۔ دین کی خاطر مر مٹنے اور جان و تن لگا دینے کے جذبے سے حاصل ہوا، دین کی خاطر دنیا چھوڑنے اور اللہ اور اس کے رسول کا دامن مضبوطی سے تھامنے کی وجہ سے ملا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ان باتوں کا کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کا اقرار تو غیر مسلمین بھی کرتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی انتھک جدوجہد اور پیہم کوششوں کا ہی نتیجہ ہے کہ آج ہم مسلمان ہیں اور اسلام ہمارے پاس بالکل محفوظ شکل میں موجود ہے۔ خدا کی آخری کتاب قرآن مجید کی دولت لازوال، نبی کریم ﷺ کے ارشادات کے ذخائر، ہم تک ہرگز نہ پہنچ سکتے تھے، اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بعد کی نسل کو یہ سرمایہ پوری حفاظت اور ذمہ داری کے ساتھ منتقل نہ کیا ہوتا۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا امت پر احسان عظیم ہے، اور قیامت تک پوری امت مسلم کا سر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس بار احسان سے جھکا رہے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احسان کا بدلہ کوئی دے ہی نہیں سکتا۔ وہ تو بس اللہ ہی دے سکتا ہے اور یقیناً دے گا۔ لیکن احسان شناسی اور ممنونیت کا تقاضا ہے کہ ہم ان کا ذکر

خیر کرتے رہیں، اُن کے کارناموں کو یاد کرتے رہیں، ان کے حق میں دعاؤں کا نذرانہ پیش کرتے رہیں۔

دن و رات کی گردش جوں جوں دنیا کی عمر کو گھٹا کر قیامت کے قریب لا رہی ہے عہد نبوی سے دوری بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ دوری، یہ بعد، دنیا کے لئے خوش قسمتی نہیں، بدقسمتی کی بات ہے، خوش قسمت تو اُس زمانہ اور اس عہد کے لوگ ہیں جو عہد نبویؐ سے زیادہ قریب ہیں۔ اور اس قربت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے۔ اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ خیر القرون کہلاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

خَيْرُ اُمَّتِيْ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ۔ (بخاری)

''میری امت میں سب سے اچھے میرے زمانہ کے لوگ ہیں یعنی صحابہ، پھر وہ جو ان سے ملے ہیں یعنی تابعین، پھر وہ جو اُن سے ملے ہوئے ہیں یعنی تبع تابعین۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بغیر نہ اس امت کا تصور کیا جا سکتا، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بغیر امت میں صلاح و فلاح کی امید کی جا سکتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَثَلُ اَصْحَابِيْ فِيْ اُمَّتِيْ كَالْمِلْحِ فِي الطَّعَامِ لَا يَصْلَحُ الطَّعَامُ اِلَّا بِالْمِلْحِ۔

(شرح السنۃ)

''میرے صحابہ کی مثال میری امت میں ایسی ہی ہے جیسے کھانے میں نمک، نمک کے بغیر کھانا درست نہیں ہو سکتا (اسی طرح صحابہ کرام کے ساتھ خوش عقیدگی اور محبت کے بغیر امت کی درستگی نہیں ہو سکتی۔''

دوسری حدیث میں ہے:

مَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ اَصْحَابِيْ يَمُوْتُ بِاَرْضٍ اِلَّا بُعِثَ قَائِدًا وَّنُوْرًا لَّهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

''میرے اصحاب میں سے کوئی کسی زمین میں وفات نہیں پاتا مگر یہ کہ اسے قیامت کے دن اس زمین والوں کے لئے نور اور قائد بنا کر اٹھایا جائے گا۔'' (ترمذی)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت رکھنے اور ان کی تعظیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں:

اَكْرِمُوْا اَصْحَابِيْ فَاِنَّهُمْ خِيَارُكُمْ۔

''میرے اصحاب کی تعظیم کرو، وہ تم میں سب سے اچھے ہیں۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا کہنا، ان کی تحقیر کرنا، ان پر زبان طعن دراز کرنا، اللہ اور اس کے رسولؐ سے

دشمنی مول لینا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ سرکار مدینہ فرماتے ہیں:

اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ مِنْ بَعْدِیْ غَرَضًا فَمَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ وَمَنْ اٰذَاھُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰہَ وَمَنْ اٰذَی اللّٰہَ فَیُوْشِکُ اَنْ یَّاْخُذَہٗ۔

''میرے صحابہ کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے بعد ان کو طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بنانا، کیونکہ جس نے ان سے محبت کی، میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض رکھا، میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھا، جس نے اُن کو ایذا پہنچائی اس نے اللہ کو ایذا پہنچائی اور جس نے اللہ کو ایذا پہنچائی، عنقریب اللہ اس کو عذاب میں پکڑے گا۔''

دوسری حدیث میں ہے کہ میرے صحابہ کو سب وشتم نہ کرو کیونکہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی راہ خدا میں سونا خرچ کر ڈالے تو بھی ان کے مرتبہ کو پہنچنا درکنار، ان کے نصف کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِذَا رَاَیْتُمُ الَّذِیْنَ یَسُبُّوْنَ اَصْحَابِیْ فَقُوْلُوْا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلٰی شَرِّکُمْ۔ (ترمذی)

''جب تم اُن لوگوں کو دیکھو جو صحابۂ کرام کو سب وشتم کرتے ہوں، تو کہو کہ اللہ کی لعنت ہو تمہارے برے فعل پر۔''

نہ کر توہین پیغمبر، نہ بن شاتم صحابہؓ کا
اسی سے کفر پھیلے گا، یہی ہیں کفر کے آلے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو ستاروں کے مانند قرار دیا ہے اور اُن میں سے کسی کی بھی اتباع و پیروی کو نجات کا ذریعہ فرمایا ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے:

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اھْتَدَیْتُمْ۔ (رزین)

''میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں تم ان میں سے جس کی بھی اقتداء کرو گے۔ ہدایت پا جاؤ گے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقۂ زندگی ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ ہم کو اپنی زندگی اسی سانچے کے مطابق ڈھال لینی چاہیے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صورت میں ہمیں ملا ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو زندگی میں ہی عنداللہ مقبولیت کی سند مل چکی تھی۔ ظاہر ہے کہ ان سے بڑھ کر معیار حق اور نمونۂ عمل

اور کس کی زندگی ہو سکتی ہے؟ اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ "پیروی کے لائق اصحاب محمد ﷺ ہیں جو اس امت میں سب سے افضل ہیں، سب سے زیادہ نیک دل، سب سے زیادہ گہرا علم رکھنے والے، سب سے کم تکلف کرنے والے، اللہ نے ان کو اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لئے پسند فرمایا، لہٰذا تم بھی ان کی فضیلت کو پہچانو اور ان کے نقش قدم کی پیروی کرو اور اپنی استطاعت کے مطابق ان کے اخلاق، ان کے طور وطریق کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ کیونکہ وہ لوگ راہ مستقیم پر تھے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حق کے معاملے میں کسی کے کہنے سننے کی پرواہ نہیں کی، وہ دین کی راہ پر چلتے رہے، خواہ انہیں دنیا کچھ بھی کہتی رہی، انہوں نے دنیا والوں کو خوش کرنے کی فکر نہیں کی، ان کا مدعا اور مقصود صرف یہ تھا کہ خالق ارض وسماء اور مالک عرش وکرسی راضی ہو جائے، اس کے رسول ﷺ خوش ہو جائیں، خواہ ساری دنیا ناراض ہو جائے، وہ دنیا کو خوش کر کے خدا اور رسول کی ناراضگی مول لینے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اس کے برعکس خدا اور رسول کی رضا جوئی کی خاطر ساری دنیا کی ناراضگی اور ساری دنیا کا نقصان برداشت کرنے کے لئے ہمہ وقت آمادہ رہتے تھے۔ قرآن مجید میں ہے:

لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ۔

"صحابہ کرام حق کے معاملے میں، کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایمان وعمل کی جو مشعل روشن کی اور دین کی راہ میں جو قربانیاں دی ہیں وہ اتنی ظاہر وباہر ہیں کہ اپنے تو اپنے، غیروں تک نے خراج تحسین پیش کیا ہے۔ ایثار وقربانی اور سعی پیہم کے جو لازوال نقوش صحابہ کرام نے چھوڑے ہیں وہ جریدہ عالم ہمیشہ کے لئے ثبت ہو چکے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کی ذات والاصفات پر جان قربان کرنے کی ادا اور آپ ﷺ کے ہر حکم پر اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا کہنے کا انداز ایسا مثالی ہے کہ غیر تک، عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے، شام کی جنگ میں جب پادریوں نے اصحاب رسول کو دیکھا تو پکار اٹھے، "خدا کی قسم! یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں سے بہتر ہیں۔"

صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار کی طرف سے شرائط صلح طے کرنے کے لئے عروہ بن مسعود ثقفی آئے تھے۔ یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ شرائط صلح طے کرتے وقت انہوں نے بنظر غائر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کا جائزہ لیا۔

واپس جانے کے بعد انہوں نے کفار مکہ کے سامنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کا اعتراف

کرتے ہوئے کہا: ''اے قریش کے لوگو! میں بڑے بڑے بادشاہوں کے پاس گیا ہوں، قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے درباریوں کو بھی دیکھا ہے، مگر خدا کی قسم! میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کی جماعت اور اس کے ماننے والے اس کی ایسی تعظیم کرتے ہوں جیسی تعظیم، محمد ﷺ کی محمدؐ کے ماننے والے کرتے ہیں۔ اگر وہ تھوکتے ہیں تو جس کے ہاتھ پڑ جائے وہ اسے اپنے بدن اور منہ پر مل لیتا ہے۔ جو بات محمدؐ کے منہ سے نکلتی ہے اس کو پورا کرنے کے لئے سب کے سب ٹوٹ پڑتے ہیں، ان کے وضو کا پانی زمین پر گرنے نہیں دیتے، اگر کسی کو قطرہ نہ ملے تو وہ دوسرے کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ سے ملا کر اپنے منہ پر مل لیتا ہے۔ ان کے سامنے زور سے نہیں بولتے، اگر بولتے ہیں تو بہت آہستہ اور نیچی آواز سے، ادب کی وجہ سے ان کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتے، ہمیشہ ان کے سامنے نظریں جھکائے رہتے ہیں۔ اگر ان کے سر یا داڑھی کا کوئی بال گرتا ہے تو تبرکاً اٹھا کر نہایت اہتمام کے ساتھ اپنے پاس رکھتے ہیں۔ میں نے کسی جماعت کو اپنے آقا اور رہبر سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا۔ جتنی محبت یہ لوگ محمد ﷺ کے ساتھ کرتے ہیں۔

میرے لب پہ ذکر صحابہؓ ہے اسی ذکر سے ہے یہ برتری
نظر آئی دیدہ قلب سے مجھے آج محفل سروری
وہ نبی کے عاشق زار تھے، وہی صاحبان وقار تھے
کوئی فاتح عرب وعجم، کوئی قاطع سر عنتری
وہ رسول پاک کے ہم نشیں وہلک اساس و ملک جبیں
وہی جن کے نعروں سے ہل گئی تھی بنائے قلعہ قیصری
وہ شہید راہ وفا ہیں یہ، وہ قتیل تیغ جفا ہیں یہ
کہ لہو سے ان کے ہزارہا شجر ریاض پیمبری
روشن صحابہؓ ملے ہمیں، کہ جہاں میں آج بھی زندہ ہیں
وہی بولہب کی شرارتیں، وہی مرحبی وہی عنتری

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

آج بھی سر سے گزر جاتی ہیں امواج بلا
آج بھی اپنے ابھرنے کے نشاں ملتے ہیں

(معین احسن جذبی)

حضرت صدیق اکبر ﷺ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ شَرَعَ الْقُدْوَةَ بِالْمُهْتَدِیْنَ اَحْمَدُهٗ سُبْحَانَهٗ وَهُوَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ وَاَصْحَابِهِ الْکَامِلِیْنَ اَمَّا بَعْدُ

بزرگو اور دوستو!

امیر المومنین خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے اعلیٰ و افضل تھے۔ سفر ہو یا حضر، ہر جگہ حضور ﷺ کے ساتھ رہنے والے دنیا میں بھی حق رفاقت ادا کرنے والے، اور آخرت میں بھی رفاقت کی سعادت سے بہرہ ور ہونے والے، جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اَنْتَ صَاحِبِیْ فِی الْغَارِ وَصَاحِبِی عَلَی الْحَوْضِ۔ (ترمذی)

''تم میرے غار ثور کے بھی ساتھی ہو اور حوض کوثر کے بھی۔''

ایک دوسرے موقع پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں کے ہم پر احسانات تھے، ہم نے ہر ایک کا بدلہ چکا دیا۔ لیکن ابوبکرؓ کے احسانات کا بدلہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی پورا پورا عطا فرمائے گا۔ ابوبکرؓ کے مال نے مجھے جتنا نفع پہنچایا کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں پہنچایا۔ اگر میں دنیا میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا، اب یہ خُلّت تو نہیں ہے کیونکہ میں اللہ کا خلیل ہوں مگر میرے اور ابوبکرؓ کے درمیان اسلامی اخوت و محبت بہر حال موجود ہے۔

مکی زندگی میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کس کس طرح ستایا گیا، وہ کس مسلمان کو معلوم نہیں؟ آپؐ اور آپؐ کے صحابہ پر ہر طرح کے ظلم و ستم ڈھائے گئے، مکہ میں رہنا دوبھر کر دیا گیا، ہر ہر طرح سے اسلام سے پھیرنے کی کوششیں کی گئیں، کفار مکہ کو سب سے زیادہ دشمنی اور عداوت حضور ﷺ کی ذات سے تھی۔ جب موقع پاتے کوئی نہ کوئی گستاخی کر بیٹھتے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کئی مرتبہ آپؐ کو نرغہ اعداء سے بچایا اور اس کوشش میں خود بھی بار بار کفار کے ہاتھوں مصائب برداشت کرتے رہے۔ ایک مرتبہ کفار مکہ صحن کعبہ میں بیٹھے ہوئے رسول اللہ ﷺ کا ذکر

کررہے تھے کہ وہ ہمارے معبودوں کی مذمت کرتے ہیں، اتنے میں حضور ﷺ وہاں تشریف لے آئے، سب نے آپ کو گھیر لیا اور آپ کے گلے میں چادر لپیٹ کر کھینچنا شروع کر دیا۔ کسی نے جاکر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ اَدْرِكْ صَاحِبَكَ (اپنے ساتھی کو بچایئے) وہ بیتابانہ پہنچے اور کہنے لگے اے کفار مکہ تمہاری خرابی اور بربادی ہو۔

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ۔

"کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنے کے درپے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور وہ تمہارے پاس واضح دلائل لے کر آیا ہے۔"

یہ سن کر قریش مکہ نے حضور ﷺ کو چھوڑ دیا مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑے اور اس قدر مارا کہ بے ہوش ہو گئے، کئی دن تک بے ہوش رہے۔ درمیان میں اگر کبھی ہوش آتا تو پوچھتے کہ حضور کا کیا حال ہے۔ آخر جب مکمل ہوش آ گیا تو لوگوں سے کہا کہ مجھے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے چلو۔ لوگوں کے سہارے سے کسی طرح حضورؐ کی خدمت میں پہنچے۔ ملاقات کے وقت دونوں کی کیا کیفیت تھی۔ اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

بلند تر ہے شہیدوں سے مرتبہ ان کا
کہ تیغ عشق کے قتیل ہیں صدیقؓ

رسول اللہ ﷺ کی وفات کا سانحہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے قیامت کبریٰ سے کم نہ تھا۔ اس سانحہ کا اثر کسی پر، کس طرح تھا اور کسی پر کس طرح، ہر ایک کے حواس مختل تھے، کوئی بے چین و بے تاب تھا، کسی کے لبوں پر مہر سکوت لگ گئی تھی۔ کوئی وفات رسول کا ہی منکر تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی تک کا یہ عالم تھا کہ وہ وفات رسولؐ کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھے۔ انہوں نے ننگی تلوار نکال لی اور جوش و غضب کے عالم میں فرمایا جو شخص یہ کہے گا کہ "حضورؐ کی وفات ہو گئی، اس کی گردن اڑا دوں گا۔"

صرف ایک صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے اس اندوہناک گھڑی میں اپنے آپ پر قابو رکھا۔ ہوش و حواس کو جانے نہ دیا۔ کیا حضور ﷺ کی وفات کا انہیں غم نہیں تھا؟ کیا حضور کی رحلت فرما جانے کا انہیں صدمہ نہیں تھا؟ بلاشک و شبہ تھا اور سب سے زیادہ تھا۔ لیکن وہ اپنا غم کیسے ظاہر کر سکتے تھے؟ اگر وہ ہوش کھو بیٹھتے تو دوسروں کو ہوش میں کون لاتا، اگر وہ نڈھال ہو جاتے تو دوسروں کو قابو کون رکھتا۔

اسی ماحول غم میں اور بھی اک غم کا پیکر تھا — کہ جس کا نام نامی حضرت صدیق اکبرؓ تھا

نہ تھا عشق رسول اللہ میں اس کا کوئی ہمسر
جو غم صدیقؓ کو تھا اس کو کوئی پا نہیں سکتا
اگر وہ ہوش کھو دیتا تو دنیا ہوش کھو دیتی
اگر وہ گریہ کرتا ڈوب جاتی قوم کی کشتی

فراقِ یار کا غم تھا اسے ہر ایک سے بڑھ کر
رفاقت میں کوئی اس کے برابر آ نہیں سکتا
اگر وہ بیٹھتا رونے تو دنیا روتی ہی رہتی
ذرا سی دیر میں تاراج تھی اسلام کی کھیتی

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے حجرہ مدسہ میں تشریف لے گئے، رُخِ انور سے چادر ہٹائی، جبین مبارک کو بوسہ دیا۔ وَانَبِیَّاہُ وَاخَلِیْلاہُ وَاصَفِیَّاہُ (اے میرے نبی، اے میرے دلی دوست، اے میرے برگزیدہ رفیق) کہہ کر باہر آ گئے اور مسلمانوں کو خطاب کر کے تقریر شروع کی، وہ تقریر جس کا ایک ایک لفظ آبِ حیات تھا۔ جس کا ایک ایک جملہ انمول خزانہ تھا۔

آپ نے فرمایا جو لوگ محمد ﷺ کی عبادت کرتے تھے انہیں معلوم ہو جانا چاہیے کہ محمد ﷺ کا انتقال ہو چکا ہے اور جو لوگ اللہ کی عبادت کرتے تھے وہ جان لیں کہ اللہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔

اس کے بعد سورہ آل عمران کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا وَ سَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ﴾

''محمدؐ ایک رسول ہی تو ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں، تو کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور یاد رکھو جو کوئی ایسا کرے گا وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا، اور اللہ عنقریب شکر گزاروں کو اچھا بدلہ دے گا۔''

اس خطبے نے سب کو سوتے سے جگا دیا، آنکھوں سے پردہ ہٹ گیا اور سب کو یقین کر لینا پڑا کہ اب رسول خدا ﷺ ہمارے درمیان نہیں رہے۔ اور تجہیز و تکفین اور انتخاب خلیفہ کا کام شروع ہو گیا۔

خلافت کا بار سنبھالتے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ان میں سرفہرست قتال مرتدین، لشکر اسامہؓ کی روانگی اور جھوٹے مدعیان نبوت کی سرکوبی شامل ہے۔ حضور ﷺ کی وفات کے بعد بہت سے قبائل جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، مرتد ہو گئے، بہتوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح جھوٹے مدعیان نبوت کا ایک گروہ پیدا ہو گیا جن میں مسیلمہ بن کذاب اسود عنسی اور سجاح نام کی ایک عورت تھی۔ ان فتنوں کے علاوہ ایک اہم مسئلہ

لشکر اسامہؓ کی ملک شام کی طرف روانگی کا تھا، اس لشکر کی روانگی کا حکم رسول اللہ ﷺ اپنی زندگی میں ہی دے چکے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی حکم دیا کہ لشکر اسامہؓ اپنی مہم پر روانہ ہو جائے۔

مگر بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن میں حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بھی تھے، اس لشکر کی روانگی کے مخالف تھے، پرآشوب حالات، ارتداد قبائل بغاوت کے ماحول اور مدعیان نبوت کے فتنوں کی وجہ سے یہ لوگ اس لشکر کو اتنے دور دراز کے مقام پر بھیجنا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ اسی طرح یہ حضرات قتال مرتدین کے حق میں بھی نہیں تھے۔ مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی فہم وفراست اور ذکاوت ودانائی سے حالات پر ان سے زیادہ گہری نظر رکھتے تھے اور مصالح شریعت سے بھی ان سے زیادہ واقف تھے، انہوں نے کسی کی مخالفت وملامت کی پروانہ کی اور حکم دیا کہ میری اونٹنی لاؤ میں خود قتال مرتدین کے لئے جاتا ہوں اور فرمایا کہ لشکر اسامہ ابھی روانہ ہو۔ خدا کی قسم! اگر چیل کوے میرا گوشت نوچ ڈالیں تب بھی میں اس لشکر کو نہ روکوں گا جس کی روانگی کا حکم رسول اللہ ﷺ دے کر گئے ہیں۔ چنانچہ لشکر اسامہ فوراً روانہ ہو گیا اور آپ اپنی اونٹنی پر بیٹھ گئے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آگے بڑھ کر اونٹ کی مہار پکڑ لی اور فرمایا اے خلیفہ رسول اللہ! ہمارا مقصود آپ کی حکم عدولی نہ تھا، ہم نے کچھ عرض کیا تھا وہ صرف مشورہ تھا۔ ورنہ آپ جو حکم دیجئے ہم اطاعت کے لئے حاضر ہیں۔

چنانچہ قتال مرتدین کے لئے بھی فوجیں روانہ ہو گئیں اور مدعیان نبوت کی سرکوبی کے لئے بھی، اور ایک سال کے اندر اندر سارے فتنے فرو ہو گئے، لشکر اسامہؓ کامیاب وبامراد واپس آ گیا، اور مخالفین اسلام پر اسلام اور مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ کسی نے ان کے سامنے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ میری زندگی کا سارا عمل، اجر وثواب میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایک دن اور ایک رات کے عمل کے برابر ہو جائے۔ رات وہ تھی جب وہ حضور ﷺ کے ساتھ غار ثور پہنچے تھے۔ ابوبکرؓ نے فرمایا:

وَاللّٰہِ لَا تَدْخُلْہُ حَتّٰی اَدْخُلَ قَبْلَکَ فَاِنْ کَانَ فِیْہِ شَیْءٌ اَصَابَنِیْ دُوْنَکَ۔

''خدا کی قسم! آپ ﷺ پہلے نہ داخل ہوئیے، پہلے میں داخل ہوں گا تاکہ اگر کوئی چیز ہو تو مجھے نقصان پہنچائے نہ کہ آپ ﷺ کو۔''

چنانچہ حضرت ابوبکر اندر گئے، اسے صاف کیا، غار کے ایک طرف بہت سے سوراخ نظر آئے، اپنی لنگی کو پھاڑا، اور اس کے ٹکڑوں سے سوراخ کا منہ بند کر دیا، مگر دو سوراخ باقی رہ گئے تھے تو ان پر دونوں پیر رکھ دیئے۔ پھر حضور ﷺ کو پکارا کہ تشریف لائیے، حضور ﷺ تشریف لائے

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ ایک سوراخ سے ایک سانپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیر میں ڈس لیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تکلیف سے بے چین ہو گئے مگر اس خوف سے کہ کہیں حضور ﷺ بیدار نہ ہو جائیں اور آپ کے آرام میں خلل واقع ہو اپنے بدن کو حرکت نہ دی۔ مگر درد شدت کی وجہ سے آنکھ سے آنسو بہنے لگے آنسوؤں کے قطرے حضور ﷺ کے چہرہ مبارک پر گرے۔ حضور ﷺ کی نیند کھل گئی، حضور ﷺ نے فرمایا مَا لَكَ يَا اَبَابَكْرٍ (اے ابوبکر کیا ہو گیا؟) حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا لُدِغْتُ فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ (میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں، مجھے سانپ نے ڈس لیا ہے) رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب مبارک زخم کی جگہ پر لگا دیا، لعاب مبارک لگاتے ہی سانپ کے کاٹنے کی تکلیف فوراً ختم ہو گئی بعد میں زہر کا وہی اثر لوٹ آیا تھا اور وہی ان کی وفات کا سبب بنا۔

اور دن وہ تھا جب حضور ﷺ کی وفات ہوئی، اور عرب کے بعض قبائل مرتد ہو گئے، ان لوگوں نے کہا کہ ہم زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا لَوْ مَنَعُوْنِیْ عِقَالًا لَجَاهَدْتُهُمْ (اگر وہ زکوٰۃ کی ایک رسی بھی نہیں دیں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا) میں نے کہا اے خلیفہ رسول! لوگوں کے ساتھ نرمی کیجئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے غضبناک ہو کر فرمایا:

اَجَبَّارٌ فِی الْجَاهِلِيَّةِ وَخَوَّارٌ فِی الْاِسْلَامِ اِنَّهُ قَدِ انْقَطَعَ الْوَحْیُ وَتَمَّ الدِّيْنُ اَيَنْقُصُ وَاَنَا حَیٌّ۔

"اے عمر! تم جاہلیت میں بڑے خونخوار تھے، اسلام میں ایسے نرم ہو گئے، سن لو وحی بند ہو چکی، دین کامل ہو گیا۔ کیا میرے جیتے جی دین میں کمی ہو گی؟ میں یہ گوارہ نہیں کر سکتا۔"

ایک مرتبہ رسول خدا ﷺ نے صحابہ کرام کو صدقہ لانے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام لا لا کر رکھنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس وقت میرے پاس بہت مال تھا۔ میں نے دل میں سوچا کہ اب تک تو میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے نہیں بڑھ سکا مگر آج صدقہ دینے میں ابوبکرؓ سے بازی لے جاؤں گا، لَجِئْتُ بِنِصْفِ مَالِیْ (لہٰذا میں اپنا آدھا مال لے کر آیا) حضور ﷺ نے پوچھا مَا اَبْقَيْتَ لِاَهْلِكَ (اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا؟) میں نے جواب دیا آدھا لے کر آیا ہوں، آدھا چھوڑ کر آیا ہوں۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی باری آئی تو وہ اپنا سب کچھ لے کر آ گئے، گھر میں کچھ نہ چھوڑا، حضور ﷺ نے ان سے بھی دریافت کیا کہ اپنے اہل و عیال کے لئے کیا چھوڑا؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا:

اَبْقَيْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔

''ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قُلْتُ مَا اَسْبِقُهٗ اِلٰی شَیْءٍ اَبَدًا (میں نے دل میں سوچا کہ میں ابوبکرؓ سے کسی چیز میں کبھی نہیں بڑھ سکتا) سچ ہے۔

پروانے کو چراغ ہے، بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسول بس

آہ کس کی جستجو رکھتی ہے آوارہ تجھے
راہ تو، راہی بھی تو، رہبر بھی تو، منزل بھی تو

(اقبال)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَ صَلَّی اللّٰہُ وَسَلَّمَ عَلٰی مَنْ لَّانَبِیَّ بَعْدَہٗ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ۔ اَمَّا بَعْدُ

حضرات سامعین کرام! بزرگو اور دوستو!

فاروق اعظم سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ عظمت اسلام کے ستون تھے۔ آپ کی خلافت اسلامی فتوحات و ترقیات کا نشان تھی۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا، مکہ سے ہجرت کرنا اور عہدہ خلافت پر متمکن ہونا، مسلمانوں کے لئے خیر و فلاح کا ضامن تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کَانَ اِسْلَامُہٗ فَتْحًا وَ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ نُصْرَۃً وَ کَانَتْ اِمَامَتُہٗ رَحْمَۃً۔

''عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا فتح تھا ان کی ہجرت نصرت تھی، اور ان کی خلافت رحمت تھی۔''

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں مانگی تھیں۔ انہیں دعاؤں کا کرشمہ تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ کشاں کشاں در اقدس پر چلے آئے، اور دولت ایمان سے مالا مال ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا فرمایا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اَعِزِّ الْاِسْلَامَ بِاَبِیْ جَھْلِ بْنِ ھِشَامٍ اَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔

(مسند احمد)

''اے اللہ! ابو جہل بن ہشام یا عمر بن خطاب کے ذریعہ اسلام کو عزت دے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حق میں قبول ہوئی۔

فَاَسْلَمَ ثُمَّ صَلّٰی فِی الْمَسْجِدِ ظَاھِرًا۔

''پس اسلام لے آئے اور خانہ کعبہ میں علی الاعلان نماز ادا کی۔''

جب مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے کا وقت آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے خانہ کعبہ میں آئے، خانہ کعبہ کا طواف کیا پھر مجمع کفار کو مخاطب کر کے فرمایا دیکھو! میں اس وقت ہجرت کر رہا ہوں۔ یہ نہ کہنا کہ عمر چھپ کر ہجرت کر گیا اور ہم کو اطلاع نہ دی۔ سنو! جو اپنی بیوی کو بیوہ اور بچوں کو

یتیم کرنا چاہتا ہو وہ آئے اور مجھے روکے، لیکن کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف قدم بڑھانے کی بھی جرأت کرتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت اسلامی آن بان اور شان و شوکت کا دور تھا، فتوحات کا ایک سیل رواں تھا جو برابر بڑھتا جا رہا تھا، اور مخالفین اسلام خس و خاشاک کی طرح بہے جا رہے تھے، کسی کی مجال نہیں تھی کہ اسلامی حکومت سے ٹکر لے سکے، جس نے ٹکرانے کی کوشش کی اس کے پرخچے اڑ گئے، اس کا وجود پارہ پارہ ہو کر فضا میں تحلیل ہو گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلافت سپرد کرنے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھے گا کہ تم کس کو خلیفہ بنا کر آئے ہو" تو میں جواب دوں گا کہ اے اللہ! اس وقت تیری مخلوق میں جو سب سے بہتر تھا اسی کو خلیفہ بنا کر آیا ہوں۔"

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

لَوْ كَانَ بَعْدِيْ نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ۔ (ترمذی)

"اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب ہوتے۔"

دوسری حدیث میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِهٖ۔ (ترمذی)

"اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان اور قلب پر حق کو جاری فرما دیا ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رعب و دبدبے کا یہ عالم تھا کہ شیطان بھی حضرت عمرؓ کے نام سے بھاگتا تھا۔ ایک مرتبہ قریش کی چند عورتیں حضور ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں اور حضور ﷺ سے بلند آواز سے باتیں کر رہی تھیں، اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر آنے کی اجازت مانگی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سن کر وہ ساری عورتیں جلدی سے پردے میں چلی گئیں۔ اور سناٹا چھا گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اندر آئے تو حضور ﷺ مسکرا رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اَضْحَكَ اللّٰهُ سِنَّكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (اللہ آپ کو ہمیشہ مسکراتا رکھے، آپ اس وقت کیوں مسکرا رہے ہیں؟) حضور ﷺ نے فرمایا مجھے ان عورتوں کی حرکت پر ہنسی آئی کہ میرے پاس بیٹھی ہوئی تھیں اور تیز تیز بول رہی تھیں، جب تم آئے تو جلدی سے پردے میں چلی گئیں اور خاموش ہو گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے اپنی نفس کی دشمنو! تم مجھ سے ڈرتی ہو، رسول اللہ ﷺ سے نہیں ڈرتیں؟ عورتوں نے جواب دیا ہاں! تم بہت سخت ہو۔ حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا:

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا لَقِيَكَ الشَّيْطَانُ سَالِكًا فَجًّا قَطُّ اِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَيْرَ

فَجَّكَ۔ (بخاری و مسلم)

''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے شیطان جب تم کو کسی راستے پر چلتے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ دوسرے راستے پر چلنے لگتا ہے۔''

اسی طرح ایک دوسرا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ کچھ حبشی بچے اپنا کھیل تماشا دکھا رہے تھے، تماشا دیکھنے کے لئے لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی اور شور و شغب ہو رہا تھا، اتنے میں حضرت عمرؓ آ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھتے ہی سارا مجمع تتر بتر ہو گیا حضور ﷺ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا:

اِنِّیْ لَاَنْظُرُ اِلٰی شَیَاطِیْنِ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ قَدْ فَرُّوْا مِنْ عُمَرَ۔

''میں شیاطین جن وانس کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ دین کے معاملے میں بہت ہی کھرے اور بے میل تھے، اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم کے خلاف ورزی بالکل برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک یہودی اور منافق اپنا جھگڑا لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، یہودی نے بتایا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ حضور ﷺ میرے حق میں کر چکے ہیں مگر یہ شخص راضی نہیں ہے اور آپ سے فیصلہ چاہتا ہے، اس لئے ہم لوگ آپ کے پاس آئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ٹھہرو میں ابھی فیصلہ کئے دیتا ہوں۔ گھر میں گئے اور تلوار لا کر منافق کی گردن اُڑا دی اور فرمایا جو شخص اللہ کے رسول کے فیصلے سے راضی نہ ہو، اس کے لئے میرا یہ فیصلہ ہے۔

قرآن کی بہت سی آیتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی تائید میں نازل ہوئیں مثلاً اسیران بدر اور منافقوں کی نماز جنازہ پڑھانے کا معاملہ، اسی طرح ازواج مطہرات کا پردہ، شراب کی حرمت اور مقام ابراہیم کو مصلی بنانے کے متعلق جو آیات نازل ہوئیں وہ سب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید میں تھیں۔

سادگی کا یہ عالم تھا کہ سال بھر میں دو جوڑے ہی بیت المال سے لیتے تھے اور وہ بھی کسی موٹے کپڑے کے، جب وہ پھٹ جاتے تو اس میں پیوند لگاتے پیوند کبھی ٹاٹ کا ہوتا، کبھی چمڑے کا، اور پیوند بھی ایک دو نہ ہوتے تھے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ ان کے لباس میں سترہ (۱۷) پیوند لگے ہوئے دیکھے۔

کپڑے کے ساتھ کھانے کا عالم بھی یہی تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کھانا کوئی ادنیٰ شخص بھی رغبت سے نہ کھا سکتا تھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین روٹیاں آپ کے لئے آتی تھیں جن میں کبھی روغن زیتون ملا ہوا ہوتا تھا، کبھی نہیں ہوتا تھا۔ کبھی گھی اور کبھی خشک روٹیوں کے

ساتھ دودھ ہوتا تھا۔ کبھی سوکھا گوشت اور کبھی تازہ گوشت ہوتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ راتوں کو گشت کیا کرتے تھے تا کہ اپنی رعایا کی خبر گیری کریں اور انہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہاں تک پہنچائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عدل وانصاف ضرب المثل تھا۔ انصاف کے معاملے میں اپنے، پرائے، دوست ودشمن کے درمیان فرق کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

آپ نے اپنے دس سالہ دور خلافت میں بے شمار کارہائے نمایاں انجام دیئے آخر کار وقت موعود یوں آیا کہ آپ کی شہادت کی دیرینہ آرزو پوری ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ایک بد بخت مجوسی ابو لؤلؤ کے ذریعہ دولت شہادت سے سرفراز فرمایا۔ اس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ دعا باب استجابت کو پہنچی۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ بِبَلَدِ رَسُوْلِكَ۔

"اے اللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت عطا فرما اور مجھے اپنے رسول ﷺ کے شہر میں موت دے۔"

وما علینا الا البلاغ

ہر نفس عمر گذشتہ کی ہے میت، فانی
زندگی نام ہے مر مر کے جئے جانے کا

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بَعَثَ اِلَیْنَا خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ دَاعِیًا اِلٰی اَکْمَلِ الْاَدْیَانِ وَهَادِیًا اِلَی الشَّرْعِ الْمَتِیْنِ فَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی وَبَارَکَ وَسَلَّمَ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَخُلَفَائِهِ الرَّشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ وَوَفَّقَنَا لِاِتِّبَاعِهِمْ وَحَشَرَنَا فِیْ زُمْرَتِهِمْ یَوْمَ الدِّیْنِ اَمَّا بَعْدُ۔

صدر محترم، حاضرین جلسہ!

دنیا میں ایسی بہت سی شخصیتیں گزری ہیں، جنہوں نے اپنے زریں کارناموں سے خالق کائنات کی بھی رضا حاصل کی اور مخلوق خدا کو بھی راضی رکھا جن کا مقام و مرتبہ قابل رشک اور لائق تحسین تھا۔ مگر کیا ایسی شخصیات بھی ہیں جن کا مقام اس قدر بلند ہوا اور جن کی عظمت کا یہ حال ہو کہ اللہ کسی نبی اور رسول نے ان کے نکاح میں یکے بعد دیگرے اپنی دو بیٹیاں دی ہوں اور دوسری کے انتقال کے بعد فرمایا ہو کہ اگر میری تیسری بیٹی بھی ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی فلاں کے ساتھ کر دیتا۔

تاریخ عالم ایسی ایک شخصیت کے سوا، کسی اور کا نام پیش کرنے سے قاصر ہے اور وہ نام نامی ،اسم گرامی ہے شہید مظلوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تیسرے خلیفہ راشد ہیں۔ آپ کا لقب ذوالنورین ہے۔ ذوالنورین کا معنی ہے دو نور والا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا یہ لقب اس لئے پڑا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آئیں۔

حضرت عثمانؓ جب اسلام لائے تو ان کے چچا حکم بن عاص نے انہیں پکڑ کر رسی سے مضبوط باندھ دیا اور کہا کہ تم نے باپ دادا کا دین چھوڑ کر نیا دین اختیار کر لیا ہے میں تمہیں اس وقت تک نہیں کھولوں گا جب تک تم نئے دین کو ترک نہیں کرو گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا خدا کی قسم! دین اسلام کو کبھی ترک نہ کروں گا۔ آخر ظالم ظلم سے خود ہی عاجز آ گیا اور انہیں رہائی ملی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حیا مشہور تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول

اللہ ﷺ اپنے گھر میں لیٹے ہوئے تھے، دونوں پنڈلیاں کھلی ہوئی تھیں۔ اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت مانگی، حضور ﷺ نے اجازت دے دی، تھوڑی دیر کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے، ان کو بھی حضور ﷺ نے اسی حالت میں اندر آنے کی اجازت دے دی اور گفتگو کرتے رہے اسکے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اندر آنے کی اجازت مانگی، حضور ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے، اپنے کپڑے برابر کئے۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اندر بلایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سب لوگ واپس چلے گئے تو میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے تو آپ ویسے ہی لیٹے رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو بھی آپ کے لیٹنے کے انداز میں کوئی فرق نہیں ہوا۔ مگر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے برابر کئے کیا وجہ ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا:

اَلَا اَسْتَحْیِ مِنْ رَجُلٍ تَسْتَحْیِ مِنْهُ الْمَلَائِکَةُ۔ (مسلم)

''کیا میں ایسے آدمی سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے تک حیا کرتے ہیں۔''

دوسری روایت میں ہے کہ اے عائشہ! حضرت عثمان بہت شرمیلے ہیں مجھے خوف ہوا کہ اگر میں انہیں اسی حالت میں اجازت دے دیتا تو وہ اپنی بات مجھ سے کہے بغیر واپس چلے جاتے۔

غزوہ تبوک کی تیاری میں حضرت عثمانؓ نے دل کھول کر چندہ دیا تھا، اور اتنا زیادہ دیا تھا کہ کسی نے اتنا نہیں دیا۔ مسلمان اس وقت بہت مفلس اور پریشاں حالی میں تھے، اسی لئے اس غزوہ کو جیش العسرہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس لشکر کا انتظام کردے، اسے جنت ملے گی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا اے اللہ کے رسولؐ! میں سو اونٹ مع ساز و سامان دوں گا۔ حضور ﷺ نے پھر ابھارا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں دو سو اونٹ دوں گا۔ تیسری مرتبہ ترغیب دینے پر تین سو اونٹ مع ساز و سامان دینے کا وعدہ کیا، پھر جب حضورؐ نے چوتھی بار رغبت دلائی تو اپنے گھر گئے اور ایک ہزار اشرفیاں لاکر حضورؐ کے دامن مبارک میں ڈال دیں۔ حضور ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس قدر خوش ہوئے کہ اشرفیوں کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ پر ڈالتے تھے اور فرماتے تھے:

مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْیَوْمِ۔

''آج کے بعد عثمانؓ جو چاہیں کریں کوئی کام ان کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔''

اللہ اکبر! یہ ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ۔

لیکن بیعت رضوان کا واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے سب سے زیادہ اعزاز و اکرام کی چیز

ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضورؐ نے انہیں اپنا نمائندہ بنا کر کفار سے گفتگو کرنے کے لئے مکہ بھیجا تھا، کفار مکہ نے انہیں قید کرلیا اور مشہور کردیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ قتل کردیئے گئے۔ حضور ﷺ کو اس خبر سے بے حد صدمہ ہوا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقام لینے کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے موت کی بیعت لی۔ اور حضرت عثمانؓ کی طرف سے خود ہی اس طرح بیعت لی کہ اپنے دائیں ہاتھ کو عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا اور بائیں کو اپنا۔ دوران بیعت ہی اطلاع ملی کی شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کی خبر غلط ہے وہ صحیح سلامت موجود ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسلام اور مسلمانوں کے لئے کتنی عظیم الشان خدمات انجام دیں ہیں اور آپ کا کیا مقام و مرتبہ ہے، اس کا اندازہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس تقریر سے ہوتا ہے جو انہوں نے باغیوں کے محاصرہ کے دوران مکان کی چھت سے فرمائی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا اے لوگو! میں تم کو اللہ اور دین اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تم لوگ جانتے ہو کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ میں سوائے بیر رومہ کے کوئی میٹھے پانی کا کنواں نہ تھا۔ اور بئر رومہ بھی ایک یہودی کی ملکیت میں تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کون ہے جو بیر رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کرے کہ اس کو جنت میں اس سے زیادہ بہتر بدلہ ملے۔ چنانچہ میں نے اسے اپنے ذاتی پیسوں سے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کیا اور آج تم مجھے اسی کنویں سے پانی پینے سے روک رہے ہو، حالانکہ اس میں پانی کی کوئی کمی نہیں ہے۔ لوگوں نے جواب دیا آپ صحیح کہتے ہیں، ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا اے لوگو! تم کو اللہ اور دین اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا یہ صحیح نہیں ہے مسجد نبوی تنگ تھی، حضور ﷺ نے فرمایا کون ہے جو آل فلاں کی زمین خرید کر مسجد میں شامل کردے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں اس سے کہیں اچھا بدلہ دے گا۔ چنانچہ میں نے وہ زمین خرید کر مسجد نبوی میں شامل کردی، آج تم اسی مسجد میں مجھے دو رکعت نماز پڑھنے سے بھی روکتے ہو۔ لوگوں نے جواب دیا، آپ سچ فرماتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا اے لوگو! اللہ اور دین اسلام کا واسطہ دے کر تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ جیش العسرہ کا میں نے اپنے مال سے انتظام کیا تھا۔ لوگوں نے جواب دیا ہاں آپ صحیح فرماتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے پھر کہا اے لوگو! میں تم کو اللہ اور دین اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مکہ کے شبیر پہاڑ پر تھے، آپ کے ساتھ ابوبکرؓ، عمرؓ اور میں بھی تھا۔ پہاڑ حرکت کرنے لگا، یہاں تک کہ پتھر نیچے گرنے لگے۔ حضورؐ نے پہاڑ کو اپنے پاؤں کی ٹھوکر ماری اور فرمایا ٹھہر رک جا! تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ لوگوں نے جواب دیا ہاں ہم جانتے ہیں۔ حضرت

!

عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ اکبر، رب کعبہ کی قسم میں شہید ہوں یہی جملہ حضرت عثمان نے تین مرتبہ دہرایا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ فضیلت کیا کم ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی جان دے دی مگر مسلمانوں میں تلوار نہیں چلنے دی۔ مظلومانہ شہید ہو گئے مگر باغیوں سے قتال نہ کیا۔ یہ معمولی بات نہیں۔ بہت دل گردے کا کام ہے۔

یہ رتبہ بلند ملا، جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں
یہاں تو عمر گزری ہے اسی موج و تلاطم میں
وہ کوئی اور ہوں گے سیر ساحل دیکھنے والے
(اصغر گونڈوی)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّمَنْ وَّالَاہُ اَمَّا بَعْدُ۔

رسول اللہ ﷺ کی دعوت حق پر لبیک کہنے والے سابقین اولین میں مردوں میں حضرت ابوبکرؓ تھے، عورتوں میں حضرت خدیجہؓ غلاموں میں حضرت زیدؓ، باندیوں میں حضرت ام ایمنؓ اور بچوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے، امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ رسول اللہ ﷺ کے سگے چچا حضرت ابوطالب کے بیٹے تھے۔ ابوطالب کی وفات کے بعد حضور ﷺ کی تربیت میں رہے حضور ﷺ نے انہیں مثل اولاد اپنے پاس رکھا، مستقل طور پر ان کی پرورش و پرداخت کی اور بڑے ہونے پر اپنی سب سے چھوٹی اور چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے شادی کر دی۔ حضرت فاطمہؓ سے نکاح کے لئے بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پیغام آئے۔ مگر حضورؐ نے کسی سے ان کی شادی نہ کی اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ہی اس شرف سے سرفراز فرمایا۔

ہجرت کی رات حضور ﷺ نے اپنے بستر پر اپنی چادر اوڑھا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہی لٹایا تھا۔ کفار مکہ جو امانتیں حضورؐ کے پاس تھیں۔ وہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے دیں کہ امانت والوں کی امانتیں دے کر مدینہ منورہ آ جائیں۔ چنانچہ لوگوں کی امانتیں واپس کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ بہت جلد مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جو لوگ اعلیٰ درجہ کے فصیح و بلیغ اور اعلیٰ درجہ کے خطیب تھے، ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بہت نمایاں مقام حاصل تھا۔ شجاعت و بہادری اور جفاکش و پامردی میں آپ کا جواب نہ تھا۔ قوت فیصلہ اور صلاحیت قضا میں بھی آپ کی نظیر نہ تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلافت راشدہ کی ذمہ داری آپ کے سپرد ہوئی اور آپ نے اسے بحسن وخوبی نباہا۔

غزوۂ خیبر کے موقع پر جب مسلسل محاصرہ کے باوجود فتح نہیں ہو رہی تھی۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کل میں یہ جھنڈا اس شخص کے ہاتھ میں دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح دے گا اور وہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسولؐ اس سے محبت کرتے

ہیں۔ جب صبح ہوئی تو ہر ایک یہی امید کرتا تھا کہ جھنڈا اسے دیا جائے لیکن حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ علی کہاں ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ ان کی آنکھیں دکھ رہی ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا انہیں بلاؤ۔ حضرت علیؓ بلائے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب مبارک لگا دیا فوراً تکلیف دور ہوگئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اچھے ہو گئے۔ پھر حضور ﷺ نے وہ جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں اللہ تعالیٰ نے خیبر کو فتح کرا دیا۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا جانشیں بنایا، خود غزوہ میں تشریف لے گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں ہی چھوڑ گئے، اور حضرت علیؓ کی تمنا تھی کہ وہ بھی حضور ﷺ کے ساتھ غزوہ میں شریک ہوں۔ حضور ﷺ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔

(بخاری و مسلم)

''تم میری طرف سے اس مرتبہ پر ہو جس مرتبہ پر ہارونؑ موسیٰؑ کی طرف سے تھے، مگر بات یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔''

مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لینے کے لئے جانے لگے تو اپنی غیبوبت کی مدت میں حضرت ہارون کو اپنا جانشیں بنا کر گئے، اسی طرح میں اپنی غیر موجودگی کی مدت میں مدینہ منورہ میں تم کو اپنا جانشیں بنا کر جا رہا ہوں لیکن فرق یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کے جانشیں حضرت ہارون نبی تھے اور تم نبی نہیں ہو کیونکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

ہجرت کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے مہاجر و انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان رشتہ مواخات کو قائم کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضور ﷺ کے پاس تشریف لائے آنکھوں سے آنسو جاری تھے، انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ!

اٰخَیْتَ بَیْنَ اَصْحَابِكَ وَلَمْ تُؤَاخِ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اَحَدٍ۔

''آپ نے اپنے اصحاب کے درمیان مواخات قائم کر دی لیکن میرے اور کسی کے درمیان مواخات نہیں قائم کی۔''

حضور ﷺ نے فرمایا:

اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔

''تم میرے بھائی ہو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔''

یعنی میرے اور تمہارے درمیان رشتہ مواخات ہے۔

ترمذی کی روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا،

اِنَّ عَلِیًّا مِنِّیْ وَاَنَا مِنْهُ وَهُوَ وَلِیُّ کُلِّ مُؤْمِنٍ۔

"بے شک علیؓ مجھ سے ہیں اور میں علیؓ سے ہوں اور وہ ہر مؤمن کے دوست ہیں۔"

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ علیؓ سے محبت وہی رکھے گا جو مؤمن ہوگا اور علیؓ سے بغض وہی رکھے گا جو منافق ہوگا۔

بزرگو اور دوستو! یہ بات ہم میں سے ہر ایک جانتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات کو لے کر کلمہ گویان اسلام میں دو گروہ ہو گئے ہیں۔ ایک روافض، دوسرے خوارج، دونوں گمراہ فرقے ہیں۔ ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں گمراہ ہو گیا یعنی روافض اور دوسرا حضرت علیؓ سے بغض رکھنے میں یعنی خوارج۔ اعتدال کی راہ دونوں کے بین بین ہے جسے اہل سنت و جماعت نے اختیار کیا ہے اور وہ یہ کہ نہ حضرت علیؓ کی محبت میں اس حد تک پہنچیں کہ انہیں ان کے مرتبہ سے بڑھا دیں، نہ عداوت میں ان کے درجے کو گھٹا دیں۔ بلکہ احادیث نبویہ اور اقوال سلف سے حضرت علیؓ کا جو رتبہ ظاہر ہوتا ہے اسی کے مطابق حضرت علیؓ سے احترام و محبت رکھیں۔ یہی درمیانی راہ ہے۔ یہی اعتدال کی روش ہے، اسی میں فلاح و کامرانی اور راستی و حق پرستی ہے۔

حضرت علیؓ کے معاملہ میں ان دونوں فرقوں کے گمراہ ہونے کی خبر حضور ﷺ نے آج سے بہت پہلے دے دی تھی۔ جسے امام احمد حنبلؒ نے اپنی مسند روایت کیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لِیْكَ مَثَلٌ مِنْ عِیْسٰی اَبْغَضَتْهُ الْیَهُوْدُ حَتّٰی بَهَتُوْا اُمَّهٗ وَاَحَبَّتْهُ النَّصَارٰی حَتّٰی اَنْزَلُوْهُ بِالْمَنْزِلَةِ الَّتِیْ لَیْسَتْ لَهٗ ثُمَّ قَالَ یَهْلِكُ فِیَّ رَجُلَانِ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ یُقَرِّظُنِیْ بِمَا لَیْسَ فِیَّ وَ مُبْغِضٌ یَحْمِلُهٗ شَنَاٰنِیْ اَنْ یَّبْهَتَنِیْ۔

(مسند احمد)

اے علیؓ! تمہاری مثال حضرت عیسیٰ کی ہے یہود نے ان سے بغض رکھا یہاں تک کہ ان کی ماں پر بہتان لگایا۔ اور نصاریٰ نے ان سے محبت کی یہاں تک کہ ان کو اس درجے پر پہنچا دیا جس پر وہ نہ تھے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے متعلق دو قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے ایک محبت میں غلو کرنے والا جو میری ایسی تعریف کرے گا جو مجھ میں نہیں ہے اور دوسرا بغض رکھنے والا کہ میری عداوت سے مجھ پر بہتان لگانے پر آمادہ کرے گی۔"

روافض حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں غلو کا شکار ہیں، یہاں تک کہ روافض کے ایک فرقے نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا مان لیا، جو فرقہ کم سے کم غلو کرنے والا ہے وہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صفات میں رسول اللہ ﷺ کے مثل قرار دیتا ہے یعنی اثنا عشری فرقہ۔

اور خوارج عداوت علی رضی اللہ عنہ میں یوں گمراہ ہوئے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایمان کا ہی انکار کر دیا۔

بہر حال سب سے صحیح شاہراہ وہی ہے جو اہل سنت کی ہے، وہی امت کا سواد اعظم ہیں۔ انہیں کا طریقہ معتدل بین الافراط والتفریط ہے، وہی ہدایت یافتہ ہیں، وہی راہ حق پر ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو اپنے حبیب ﷺ کے طریقے پر چلائے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سمیت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت ہمارے دلوں میں جاگزیں کر دے۔ (آمین یارب العالمین)

مصیبت کا بھی ایک مقصد ہے دنیائے حوادث میں
کہ اک ٹھوکر لگے، اور آدمی ہشیار ہو جائے

(ماہر القادری)

○○○

واقعہ معراج

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ اَمَّا بَعْدُ:
لَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلٰنَا الْعَظِیْمِ۔

محترم بزرگو اور دوستو!

سورہ بنی اسرائیل کی جو آیت کریمہ میں نے ابھی ابھی آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ:

"پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے محمد ﷺ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی، جس کو ہماری برکت نے گھیر رکھا ہے۔ تاکہ اس کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھلائیں، بے شک وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔"

بزرگو اور دوستو! اس آیت کریمہ میں حضور ﷺ کی معراج کا ذکر ہے واقعہ معراج اس وقت پیش آیا جب حضور ﷺ طائف کے سفر سے ناکام و مایوس واپس آ گئے تھے۔

طائف والوں نے آپؐ کے ساتھ جو سلوک کیا تھا، آپؐ کو اس کا بہت صدمہ تھا، واقعہ معراج انہیں صدموں اور زخموں کو مندمل کرنے کی ایک تدبیر تھی۔ گویا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو معراج کی رات اپنے پاس بلا کر یہ بتایا ہے کہ کفر و شرک میں بھٹکنے والے یہ بد بخت انسان خواہ آپ کے مرتبہ کو پہچانیں یا نہ پہچانیں، آپ کی اطاعت کریں یا نہ کریں، ہمارے نزدیک آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک عجیب و غریب اور حیرتناک طریقے سے راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے جایا گیا، پھر وہاں سے ساتوں آسمانوں کی سیر کرائی گئی۔ جنت اور دوزخ کو دکھایا گیا اور بہت سے عجائبات قدرت کا مشاہدہ کرایا گیا۔

واقعہ معراج خواہ عقلی اعتبار سے کتنا ہی عجیب کیوں نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ کی بے مثال قدرت وطاقت کے آگے کوئی عجیب نہیں ہے۔ جب دنیا بھر کے تیز رفتار ہوائی جہاز اور راکٹ انسان نے ایجاد کر رکھے ہیں تو انسانوں کے خالق کے لئے کون سی تعجب کی بات ہے کہ وہ اپنے بندے محمد ﷺ کو ایک شب میں اتنی لمبی مسافت طے کرادے۔ زمین یا سورج چوبیس گھنٹے میں کتنی مسافت طے کر لیتے ہیں روشنی کی شعاع ایک منٹ میں کہاں سے کہاں پہنچتی ہے، بادل کی بجلی مشرق میں چمکتی اور مغرب میں گرتی ہے۔ جس خدا نے یہ چیزیں پیدا کی ہیں وہ قادر مطلق اپنے حبیب ﷺ کے براق کو برق رفتار کیوں نہیں بنا سکتا، اور راتوں رات ملکوت السمٰوت والارض کی سیر کرا کے واپس کیوں نہیں لا سکتا۔

تقریباً تیس صحابہ کرام نے واقعہ معراج کی روایت بیان کی ہے۔ روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ معراج کی رات حضور ﷺ ہانیؓ کے گھر تھے، وہیں حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور حضور ﷺ کو لے کر مقام حطیم گئے۔ وہاں انہوں نے حضورؐ کے سینہ مبارک کو چاک کیا، پھر قلب مبارک کو زمزم سے دھویا اور ایک سونے کا طشت لائے جو ایمان وحکمت سے بھرا ہوا تھا وہ سب سینہ مبارک میں ڈال دیا، پھر براق حاضر کیا جو ایک سفید رنگ کا جانور تھا۔ طول وعرض میں گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا۔ اس کی رفتار کا یہ عالم تھا کہ منتہائے نگاہ پر اس کا ایک قدم پڑتا تھا۔ حضور ﷺ اس پر سوار ہو کر مسجد اقصیٰ تشریف لائے، یہاں تمام انبیاء کرام منتظر موجود تھے۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ کی اقتدا میں سارے انبیاء کرام علیہم السلام نے دو رکعت نماز ادا کی۔ نماز کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام دو پیالے لے کر آئے جن میں سے ایک میں دودھ تھا، دوسرے میں شراب، حضور ﷺ نے دودھ والا پیالہ لے لیا۔ یہ دیکھ کر حضرت جبرئیل نے فرمایا: اِخْتَرْتَ الْفِطْرَةَ (اے محمد ﷺ آپ نے فطرت سلیمہ کو اختیار کیا) پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کو لے کر آسمان کی طرف چلے، سب سے پہلے آسمان دنیا یعنی پہلا آسمان آیا، حضرت جبرئیلؑ نے آسمان کا دروازہ کھلوایا۔ آسمان کے خازن نے دریافت کیا، کون ہے؟ حضرت جبرئیلؑ نے اپنا نام بتایا، پھر سوال کیا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا: مَعِیَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (میرے ساتھ محمد ﷺ ہیں) خازن نے پوچھا کیا حضور کو یہاں بلوایا گیا ہے، حضرت جبرئیل نے جواب دیا ہاں انہیں بلوایا گیا ہے۔ خازن نے یہ کہتے ہوئے آسمان کا دروازہ کھول دیا مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِیْءُ جَاءَ۔ (مرحبا خوش آمدید آپ کا آنا مبارک ہو) حضور ﷺ آسمان کے اوپر پہنچے، یہاں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ وہاں سے آگے بڑھے۔ دوسرے آسمان پر پہنچے، پھر تیسرے، پھر چوتھے،

پھر پانچویں، پھر چھٹے اور آخر میں ساتویں آسمان پر پہنچے، ہر آسمان پر اسی طرح کے سوالات وجوابات ہوتے رہے جو پہلے آسمان پر ہوئے تھے اور ہر آسمان پر کسی نہ کسی نبی سے ملاقات ہوتی رہی، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت ابراہیم، حضرت یحییٰ، حضرت ادریس، حضرت ہارون، غرضیکہ بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں۔ سب نے حضور ﷺ کو خوش آمدید کہا اور آنے پر مبارکباد پیش کی۔ ساتویں آسمان کے بعد مقام سدرۃ المنتہیٰ آیا، یہ ایک بیر کا درخت ہے اس کے پھل مٹکے کے برابر تھے اور پتے ہاتھی کے کان کے برابر۔ یہیں سے حضور ﷺ نے بیت معمور بھی دیکھا۔ بیت معمور وہ مقدس مقام ہے کہ جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے عبادت کے لئے داخل ہوتے ہیں اور جو فرشتہ ایک مرتبہ بیت معمور میں داخل ہوگیا اسے دوبارہ داخل ہونے کا قیامت تک موقع نہیں ملتا۔

اس کے بعد حضور ﷺ اور بھی اوپر گئے اور اتنے مقام قربت میں پہنچے کہ حضور فرماتے ہیں اَسْمَعُ فِیْہِ صَرِیْفَ الْاَقْلَامِ (میں وہاں قلموں کے چلنے کی آواز سنتا تھا)۔

حضور ﷺ نے معراج میں جنت ودوزخ کو بھی دیکھا اور بے شمار عجائبات خداوندی کا مشاہدہ کیا۔ مسلم شریف کی روایت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور ﷺ کو معراج میں لاکر تین تحفے عطا فرمائے۔ (۱) پانچ وقت کی نمازیں (۲) سورہ بقرہ کا آخری رکوع (۳) شرک کے علاوہ ہر گناہ کی بخشش کا وعدہ۔

یہ نماز جو ہم اور آپ دن ورات میں صرف پانچ مرتبہ پڑھتے ہیں! کیا آپ کو معلوم ہے کہ معراج کی رات سب سے پہلے کتنے وقت کی نمازیں فرض ہوئی تھیں؟

میرے دوستو! پچاس وقت کی نمازیں فرض ہوئی تھیں اور حضور ﷺ یہ تحفہ لے کر واپس آرہے تھے، جب آپ کا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہوا تو حضرت موسیٰ نے دریافت فرمایا بِمَا اُمِرْتَ (آپ کو کس چیز کا حکم دیا گیا ہے؟) حضور ﷺ نے فرمایا،

بِخَمْسِیْنَ صَلٰوۃً کُلَّ یَوْمٍ۔

''ہر دن میں پچاس وقت کی نمازیں۔''

حضرت موسیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اُمَّتَکَ لَا تَسْتَطِیْعُ خَمْسِیْنَ صَلٰوۃً کُلَّ یَوْمٍ وَاِنِّیْ وَاللّٰہِ جَرَّبْتُ النَّاسَ قَبْلَکَ وَعَالَجْتُ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اَشَدَّ الْمُعَالَجَۃِ فَارْجِعْ اِلٰی رَبِّکَ فَسْئَلْہُ التَّخْفِیْفَ لِاُمَّتِکَ۔

''آپ کی امت ہر دن پچاس وقت کی نمازیں نہیں پڑھ سکے گی خدا کی قسم! میں آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں اور بنی اسرائیل کو اچھی طرح آزما چکا ہوں۔ آپ باری تعالیٰ کے پاس دوبارہ تشریف لے جائیے اور اپنی امت کے لئے تخفیف کی درخواست کیجئے۔''

چنانچہ حضرت موسیٰ کے کہنے پر حضور واپس گئے اور باری تعالیٰ سے تخفیف کی درخواست کی۔ چنانچہ دس نمازیں کم ہوئیں اور چالیس باقی رہ گئیں، لیکن حضرت موسیٰ نے حضور ﷺ کو پھر واپس بھیجا۔ یہی کئی بار ہوا، نمازوں میں تخفیف ہوتی رہی یہاں تک کہ پانچ وقت نمازیں رہ گئیں۔ حضرت موسیٰ نے پھر واپس بھیجنا چاہا مگر حضور ﷺ نے فرمایا:

سَاَلْتُ رَبِّیْ حَتّٰی اِسْتَحْیَیْتُ وَلٰکِنِّیْ اَرْضٰی وَاُسَلِّمُ۔ (متفق علیہ)

''میں نے اللہ سے (بار بار) تخفیف کا سوال کیا اب مجھے سوال کرتے ہوئے شرم آتی ہے، میں اسی پر راضی ہوں اور اسی حکم کے آگے سر جھکاتا ہوں۔''

بہر حال اس طرح پچاس وقت کی نمازیں کم ہوتے ہوتے پانچ وقت کی ہو گئیں مگر امت محمدیہ پر اللہ تعالیٰ کا بے پایاں لطف و کرم دیکھئے کہ نمازیں پانچ وقت کی ہو گئیں مگر ان پانچ وقت کی نمازوں پر ثواب پچاس وقت کی نمازوں کا ملے گا۔

بخاری و مسلم کی روایت ہے:

هِیَ خَمْسٌ وَّهِیَ خَمْسُوْنَ۔

''یہ ادائیگی میں پانچ وقت کی نمازیں ہیں مگر ثواب میں پچاس وقت کی ہیں۔''

بزرگو اور دوستو! جب آقا مولیٰ ﷺ معراج سے تشریف لائے اور آپ نے آکر لوگوں کو بتایا کہ میں آج راتوں رات فلاں فلاں مقام پر ہو آیا ہوں اور یہ واقعات پیش آئے ہیں تو اہل ایمان نے فوراً اس کی تصدیق کی، ان میں بھی سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے تصدیق کی اور فرمایا کہ اے اللہ کے رسولؐ! آپ جو کچھ فرما رہے ہیں وہ بالکل سچ ہے۔ میں اس کی صداقت پر ایمان رکھتا ہوں، مگر کفار مکہ نے حضور ﷺ کو جھٹلایا اور آپ کا مذاق اُڑانا شروع کر دیا۔ امتحان کی غرض سے کہنے لگے کہ اگر آپ بیت المقدس ہو آئے ہیں تو ذرا بیت المقدس کی فلاں فلاں چیزوں کے بارے میں بتا دیجئے کہ وہ کہاں اور کتنی ہیں، ستون کتنے ہیں کڑیاں اور دروازے کتنے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ کیا حضور ﷺ بیت المقدس اس لئے تشریف لے گئے تھے کہ وہاں کے ستون اور کڑیاں شمار کریں؟ کیا آپ جس مکان میں رہتے ہیں اس کی کڑیوں کی تعداد بتا سکتے ہیں؟ کیا آپ جس مسجد میں نماز پنجگانہ ادا کرتے ہیں اس کی تراش خراش، اس کے کونے اور اس

میں بنی ہوئی پھول پتیوں کی تعداد بتا سکتے ہیں؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ حالانکہ آپ انہیں زندگی میں نہ جانے کتنی بار دیکھ چکے ہیں اور دیکھتے رہتے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ آپ نہیں بتا سکتے، وجہ ظاہر ہے کہ ان چیزوں کو شمار کرنے کی طرف کبھی کسی کی توجہ نہیں ہوتی اور یہ کوئی شمار کرنے اور تعداد یاد رکھنے کی چیز بھی نہیں ہے۔

پھر بھلا بتلایئے کہ حضور اقدس ﷺ جنہوں نے بس ذرا ہی دیر بیت المقدس کو دیکھا تھا وہ ان چیزوں کو کیسے شمار کر سکتے تھے اور کیسے بتا دیتے چنانچہ کفار و مشرکین سوالات سے حضور ﷺ کو بے حد پریشانی ہوئی۔ حدیث میں آتا ہے کہ فَكُرِبْتُ كُرْبًا مَا كُرِبْتُ مِثْلَهُ، لیکن حضور کی یہ مشکل اللہ نے آسان کر دی۔ درمیان سے حجابات اٹھا دیئے، بیت المقدس سامنے نظر آنے لگا۔ اب وہ جو سوال بھی کرتے حضور ﷺ اس کا فوراً جواب دیتے۔ مسلم شریف کی روایت میں ہے:

فَرَفَعَهُ اللّٰهُ لِيْ أَنْظُرُ إِلَيْهِ مَا يَسْأَلُوْنِيْ عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَنْبَأْتُهُمْ۔

آخر کفار کو منہ کی کھانی پڑی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے معراج میں بلا کر حضور ﷺ کا اعزاز و اکرام فرمایا اسی طرح معراج سے واپس آنے پر بھی کفار مکہ کے سوالات کا جواب دلا کر بتا دیا کہ محمد عربی ﷺ ایک سچے رسول ہیں اور رسول برحق کو دنیا کی کوئی طاقت نیچا نہیں دکھا سکتی۔

سرکش و مغرور کے سر کو جھکا سکتا ہوں میں — ظلم و استبداد کی بنیاد ڈھا سکتا ہوں میں
نور ایماں سے مٹا سکتا ہوں تاریکی دھر — دوزخ نمرود کو جنت بنا سکتا ہوں میں
آسمان تک اڑنے والے مجھ کو ذلت سے نہ دیکھ — یہ فلک کیا ماورائے عرش جا سکتا ہوں میں
کیا جلائیں گی بھلا میرا نشیمن بجلیاں — خرمن بجلی پہ بھی بجلی گرا سکتا ہوں میں

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا
غواص کا مطلب ہے گہر سے، نہ صدف سے

شب قدر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَبْدَعَ الْاَفْلَاكَ وَالْاَرْضِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ كَانَ نَبِیًّا وَ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ۔
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔
اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ○ وَمَا اَدْرٰكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ○ لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ○ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ○ سَلٰمٌ هِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلٰنَا الْعَظِیْمِ۔

حاضرین جلسہ، بزرگو اور دوستو!

''میں نے آج ''شب قدر'' کی مناسبت سے آپ حضرات کے سامنے سورہ لیلۃ القدر تلاوت کی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔'' ہم نے قرآن کو بزرگی والی رات (شب قدر) میں اتارا ہے۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ بزرگی والی رات کیا ہے، یہ بزرگی والی رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس رات میں فرشتے اور روح القدوس اپنے رب کے حکم سے ہر امر کو لے کر اترتے ہیں۔ یہ رات سراپا سلامتی ہے اور طلوع صبح صادق تک رہتی ہے۔''

سورہ دخان میں بھی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (ہم نے قرآن کو ایک مبارک رات میں اتارا ہے) حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شب قدر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف لاتے ہیں اور جس بندے کو بھی کھڑے، بیٹھے ذکر اللہ میں مشغول دیکھتے ہیں اس کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ہے:

مَنْ قَامَ لَیْلَةَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔

''جو شخص ایمان واحتساب کے ساتھ شب قدر میں (نفلی) نمازیں پڑھے گا۔ اس کے سابقہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔''

ایک اور حدیث میں ہے:

مَنْ حُرِمَ خَيْرَهَا فَقَدْ حُرِمَ۔

''جو شب قدر کی بھلائی سے محروم رہا وہ بہت بڑی بھلائی سے محروم رہا۔''

شب قدر کب ہوتی ہے، اس کے متعلق کوئی متعینہ تاریخ یقین کے ساتھ نہیں بتائی جا سکتی۔ حضرت عبادہ بن صامت ؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کو شب قدر کے بارے میں بتانے کے لئے نکلے، پس دو مسلمان اسی کے متعلق آپس میں جھگڑا کرنے لگے، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں تم لوگوں کو شب قدر کے متعلق بتانے کے لئے نکلا تھا مگر چونکہ فلاں فلاں جھگڑا کرنے لگے، اس لئے اس کا تعین اٹھا لیا گیا۔ اب متعینہ طور پر نہیں بتائی جا سکتی کہ کس ماہ کی کس تاریخ کو شب قدر ہوتی ہے۔ البتہ شب قدر کو تلاش کرنے کا حکم ہے تا کہ اسی بہانے سے زیادہ سے زیادہ راتوں میں عبادت ہو سکے، اور بندہ زیادہ سے زیادہ اجر و ثواب کا مستحق بن سکے۔ زیادہ تر روایات سے یہی پتہ چلتا ہے کہ شب قدر رمضان المبارک کی کسی رات میں ہوتی ہے۔ اور رمضان المبارک میں بھی آخری عشرہ میں، اور آخری عشرہ کی طاق راتوں یعنی ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ ویں شب میں شب قدر کا زیادہ امکان ہوتا ہے، بلکہ ان طاق راتوں میں بھی ستائیسویں رات کو سب سے زیادہ شب قدر کا احتمال و امکان ہے۔

چونکہ شب قدر کا زیادہ احتمال رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی کسی رات میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ آخری عشرہ میں عبادت کا بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے، حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِيْ غَيْرِهٖ۔ (مسلم)

''حضور ﷺ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں عبادات میں اس قدر جدوجہد کرتے کہ اتنی دوسرے عشروں میں نہ کرتے تھے۔''

دوسری روایت میں ہے نبی کریم ﷺ آخری عشرہ میں عبادات کے لئے کمربستہ ہو جاتے تھے، رات رات بھر جاگتے، نماز و ذکر میں مشغول رہتے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے کہ وہ بھی زیادہ سے زیادہ عبادات میں مشغول ہوں۔

محترم بزرگو اور دوستو!

شب قدر کی بہت اہمیت ہے۔ کسی رات کی اتنی زیادہ فضیلت قرآن و حدیث میں

بالصراحت نہیں بیان کی گئی جتنی اس رات کی بیان کی گئی ہے۔ مگر افسوس کہ ہم مسلمان شب قدر کی تلاش و جستجو میں کوشش نہیں کرتے، جن راتوں میں شب قدر کے ہونے کا امکان بتایا گیا ان راتوں میں بھی عبادات کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کرتے حالانکہ ہم کو کم از کم تمام ممکنہ راتوں میں عبادات کا خوب اہتمام کرنا چاہیے تاکہ ہم زیادہ سے زیادہ اجر و ثواب حاصل کر سکیں اور زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی بے پناہ عطایا بخششوں سے مالا مال ہو سکیں۔ خدا ہم سب مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

جرأت ہو نمو کی تو فضا تنگ نہیں ہے
اے مرد خدا ملک خدا تنگ نہیں ہے
(علامہ اقبال)

شب برأت

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ بِیَدِهٖ تَصْرِیْفُ الْاَحْوَالِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْهَادِیْنَ اِلٰی مَحَاسِنِ الْاَفْعَالِ۔ اَمَّا بَعْدُ

محترم بزرگو اور دوستو!.....ہم میں سے ہر شخص جانتا ہے شب برأت، شعبان المعظم کی پندرہویں شب کا نام ہے۔ یہ رات بہت بزرگی اور برکت والی رات ہے مگر اس سے پہلے کہ میں آپ حضرات کے سامنے اس رات کے فضائل و برکات کا ذکر کروں، یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ رات جس ماہ میں آتی ہے یعنی شعبان المعظم، خود اس ماہ کی بھی بہت فضیلت ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں:

شَعْبَانُ شَهْرِیْ وَرَمَضَانُ شَهْرُ اللّٰهِ۔

''شعبان میرا مہینہ اور رمضان اللہ کا مہینہ ہے۔''

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

مَا رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ اِلَّا شَعْبَانَ وَرَمَضَانَ

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو سوائے شعبان اور رمضان کے کبھی دو مہینے لگاتار روزہ رکھتے نہیں دیکھا۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک کے بعد سب سے زیادہ ماہ شعبان میں ہی روزے رکھتے تھے کبھی تو پورے شعبان کا روزہ رکھتے، کبھی شعبان کے کچھ دنوں میں روزہ رکھتے، ایک اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو یہ بات بہت پسند تھی کہ شعبان کے روزوں کو رمضان کے روزوں کے ساتھ ملا دیں۔ یعنی رمضان المبارک کی طرح شعبان میں بھی لگاتار پورے ماہ روزہ رکھیں۔

رسول اللہ ﷺ شعبان میں ہی رمضان کی تیاری شروع کر دیتے تھے۔ شعبان کی تاریخوں کو یاد رکھنے کا اس قدر اہتمام کرتے کہ کسی اور ماہ میں اتنا اہتمام نہ کرتے تھے۔ حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ شعبان کے چاند کو اچھی طرح دیکھو تا کہ رمضان المبارک کے روزوں میں کوئی فتور نہ پڑے۔

حضور ﷺ ان الفاظ میں دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ رَجَبَ وَ شَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ۔

''اے اللہ! ہمارے لئے رجب اور شعبان میں برکت دے اور ہم کو رمضان تک پہنچا دے۔''

یعنی ہماری عمروں میں اتنی دے کہ ہم رجب اور شعبان کے مہینے گزار کر رمضان المبارک کے فیوض و برکات سے بھی مالا مال ہو سکیں۔

محترم بزرگو اور دوستو! یہ تھے شعبان المعظم میں آنحضرت ﷺ کے معمولات، مگر اس کے ساتھ آپ حضرات کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ہم لوگوں کو بھی شعبان کے مہینے میں عبادات کے اہتمام کا حکم ہے، رمضان المبارک کی تیاری کا حکم ہے، لیکن ہم کو لگاتار دو ماہ روزہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ یعنی ہم کو شعبان کے پورے مہینے روزہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے رمضان المبارک کے روزوں کے رکھنے میں ضعف و نقاہت کی وجہ سے اثر پڑ سکتا ہے، جبکہ رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں اور شعبان کے روزے نفلی ہیں۔ البتہ ماہ شعبان میں بکثرت روزہ رکھنے کی ہم کو بھی اجازت ہے۔

اسی ماہ شعبان کی پندرہویں رات ''شب برأت'' کہلاتی ہے۔ اس رات کے بڑے فضائل و برکات ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک بار شعبان کی پندرہویں رات میں نے حضور ﷺ کو گھر میں نہ پایا میں نے تلاش کیا تو حضورؐ مدینہ منورہ کے قبرستان میں تھے۔ حضور ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا اے عائشہؓ! کیا تم یہ سمجھتی تھیں کہ اللہ اور اس کے رسول تم پر کوئی ظلم کریں گے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا اے اللہ کے رسولؐ! میں یہ سمجھی کہ آپ ازواج مطہرات میں سے کسی کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا آج شعبان کی پندرہویں رات ہے۔ اس رات اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور قبیلہ بنی کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے بھی زیادہ گنہگاروں کی بخشش فرماتے ہے۔ (ترمذی)

دوسری روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

هَلْ تَدْرِيْنَ مَا فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ۔

''کیا تم جانتی ہو کہ اس رات میں کیا ہوتا ہے؟''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا مَا فِيْهَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ (آپ ہی فرمائیں اے اللہ کے رسول کہ اس میں کیا ہوتا ہے) حضورؐ نے فرمایا:

فِيْهَا اَنْ يُكْتَبَ كُلُّ مَوْلُوْدٍ بَنِيْ اٰدَمَ فِيْ هٰذِهِ السَّنَةِ وَفِيْهَا اَنْ يُكْتَبَ كُلُّ هَالِكٍ مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ فِيْ هٰذِهِ السَّنَةِ وَفِيْهَا تُرْفَعُ اَعْمَالُهُمْ وَ تُنْزَلُ اَرْزَاقُهُمْ۔ (بیہقی)

''اسی رات میں اس سال پیدا ہونے والے ہر بچے کا نام لکھا جاتا ہے۔ اسی رات میں اس

سال مرنے والے ہر آدمی کا نام لکھا جاتا ہے، اسی رات میں تمہارے اعمال اٹھائے جاتے ہیں اور تمہارا رزق اتارا جاتا ہے۔"

حضرت عکرمہ اور مفسرین کی ایک جماعت کے نزدیک سورہ دخان کی آیت کریمہ وَفِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ أَمْرًا مِنْ عِنْدِنَا (اس رات ہر حکمت والا کام فیصلہ پاتا ہے ہمارے حکم سے) کا تعلق شب برأت سے ہی ہے۔

روایت میں ہے کہ اس رات اللہ تعالیٰ اپنی ساری مخلوق کی مغفرت فرما دیتا ہے سوائے مشرک، چغل خور، کینہ ور، ظالم، شرابی، ماں باپ کی نافرمانی کرنے والے اور جادوگر اور قاتل کے۔

اس رات کی فضیلت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی ایک حدیث مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَيْلَهَا وَصُوْمُوْا يَوْمَهَا فَإِنَّ اللّٰهَ يَنْزِلُ فِيْهَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ أَلَا مَنْ مُسْتَغْفِرٌ فَأَغْفِرُ لَهُ أَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَأَرْزُقُهُ أَلَا مُبْتَلًى فَأُعَافِيْهِ أَلَا كَذَا أَلَا كَذَا حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ۔ (ابن ماجه)

"جب شعبان کی پندرہویں رات ہو تو اس کی رات میں نوافل پڑھو اور دن میں روزہ رکھو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سورج ڈوبتے ہی اس رات آسمان دنیا پر تشریف لاتا ہے اور اعلان فرماتا ہے کیا کوئی بخشش کا طلبگار ہے؟ کہ میں اس کے گناہ بخش دوں، کیا کوئی رزق چاہنے والا ہے کہ میں اس کی روزی عطا کروں، کیا کوئی مصیبت کا گرفتار ہے؟ جسے میں عافیت عطا کروں! ایسے ہی صبح صادق تک اعلان ہوتا رہتا ہے۔"

محترم بزرگو اور دوستو! احادیث کریمہ سے ثابت ہوتا ہے شب برأت کے موقع پر شرف تین کام کرنے کے ہیں ایک یہ کہ اس رات قبرستان جا کر مردوں کے لئے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کیا جائے۔ دوم یہ کہ رات میں عبادت کی جائے یعنی نوافل، ذکر و فکر اور تلاوت قرآن میں رات گزاری جائے۔ سوم یہ کہ دوسرے دن روزہ رکھا جائے

ان تین کاموں کے علاوہ جو بہت سی غلط رسمیں مسلمانوں میں پھیل گئی ہیں ان کو فوراً ترک کر دینا چاہیے۔ مثلاً آتش بازی کی رسم جس میں مسلمانوں کے لاکھوں روپے ہر سال برباد ہوتے ہیں۔ یہ سراسر فضول خرچی ہے اور فضول خرچی کرنے والوں کے متعلق ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا إِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ۔

''فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔''

اسی طرح ایک دوسری رسم حلوہ بنانے کی ہے خواہ پیسے ہوں یا نہ ہوں خود روپے ادھار لینے پڑیں یا سامان ادھار آئے بہر حال حلوہ ضرور بننا چاہیے بھلا شب برات پر حلوہ نہ بنے گا تو کب بنے گا؟ بزرگو اور دوستو! حلوہ تو کبھی بھی بنا کر کھایا جا سکتا ہے۔ شب برأت کی کیا تخصیص ہے؟ جو لوگ شب برات کے موقع پر حلوہ بنانا ضروری سمجھتے ہیں، اور قرض، ادھار لے کر اس کا انتظام کرتے ہیں، وہ دین میں نئی بات پیدا کر رہے ہیں جسے بدعت کہتے ہیں، شب برات کے متعلق جتنی حدیثیں ہیں کسی میں بھی یہ نہیں بتایا گیا کہ اس موقع پر حلوہ ضرور بننا چاہیے۔ ورنہ شب برات سونی گزر جائیگی شب برأت کا حق ادا نہ ہوگا۔

میرے بھائیو! اس قسم کی خرافات و بدعات سے پرہیز کیجئے۔ احادیث کریمہ میں بدعت اور بدعتی کے لئے بڑی شدید وعیدیں آئی ہیں حضور ﷺ فرماتے ہیں:

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔

''جو ہمارے دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کرے جو دین میں نہ ہو وہ مردود ہے۔''

دوسری حدیث میں ہے:

مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً اِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَیْرٌ مِّنْ اِحْدَاثِ بِدْعَةٍ۔

''کسی قوم نے کوئی بدعت ایجاد نہیں کی مگر اسی کے مثل اس سے سنت اٹھالی گئی، پس کسی سنت پر عمل کرنا کوئی بدعت ایجاد کرنے سے بہت بہتر ہے۔'' تیسری حدیث میں ہے:

مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی هَدْمِ الْاِسْلَامِ۔

''جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس نے دین کی بنیاد ڈھانے میں اعانت کی۔''

حاضرین جلسہ! اتنی سخت وعیدوں کے باوجود کیا کوئی مسلمان ایسا عمل گوارہ کر سکتا ہے، جس سے بدعت پھیلتی ہو یا بدعت واہل بدعت کو تقویت ملتی ہو؟ نہیں ہرگز نہیں۔ کوئی مسلمان اسے کبھی بھی گوارہ نہیں کر سکتا تو آیئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اس رات کے فیوض و برکات سے کما حقہ، مستفید ہونے کا موقع عنایت فرمائے اور ہمیں بدعات و خرافات سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

نگاہ پاک ہے تیری تو پاک ہے دل بھی
کہ دل کو حق نے کیا ہے نگاہ کا پیرو

(اقبال)

یوم عاشوراء (۱۰ محرم الحرام)

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ نُوْرُالسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَهَبُ الْحِكْمَةَ لِمَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَصْرِفُهَا عَمَّنْ يَّشَاءُ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ الْمُجْتَبٰى وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

صدر محترم، حاضرین جلسہ!

آج میری تقریر کا موضوع ''یوم عاشورہ'' ہے۔ مسلمانوں کی زندگی میں یوم عاشوراء یعنی ۱۰ محرم الحرام کی بہت اہمیت ہے۔ اس اہمیت کی بہت سی وجہیں ہیں۔ ان میں سب سے بڑی وجہ عام مسلمان کی سمجھ کے مطابق شہادت حسینؓ ہے۔ عام مسلمان یہی سمجھتا ہے کہ محرم الحرام کی دس تاریخ کو جو اہمیت حاصل ہوئی ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ نواسۂ رسول حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اس تاریخ میں مظلومانہ شہید ہوئے۔

بلکہ عام طور پر لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ ۱۰ محرم الحرام کو جو بھی اہمیت ہے وہ صرف شہادت حسین کی وجہ سے ہے، کسی اور وجہ سے نہیں۔ حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ ۱۰ محرم الحرام یعنی یوم عاشوراء شہادت حسین سے بہت پہلے حضور ﷺ کے زمانہ سے ہی اہم دن مانا گیا تھا۔ بلکہ یوم عاشوراء کی اہمیت حضور ﷺ کی ولادت سے پہلے سے ہے۔

یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں، خود رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے اس کا پتہ چلتا ہے۔

محترم حضرات! عاشوراء محرم الحرام کی دس تاریخ کا نام ہے۔ خود ماہ محرم کو اسلام میں بہت فضیلت اور بزرگی حاصل ہے۔ اس مہینہ کو حضور ﷺ نے شَهْرُ اللّٰهِ (اللہ کا مہینہ) فرمایا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

اَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللّٰهِ الْمُحَرَّمِ۔

''رمضان المبارک کے بعد سب سے افضل روزہ اللہ کے مہینہ کا روزہ ہے۔''

ہجری سن کا پہلا محرم الحرام ہے۔ اسی مہینہ سے نیا اسلامی سال شروع ہوتا ہے۔ اس ماہ کی

دس تاریخ یوم عاشورہ کہلاتی ہے، اس تاریخ کو قیامت آئے گی، یہی وہ یوم عاشور ہے جس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَرّٰى صِيَامَ فَضَّلَهُ عَلٰى غَيْرِهٖ اِلَّا هٰذَا الْيَوْمَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ۔

''میں نے حضور ﷺ کو کسی ایسے دن کے روزہ کی فکر میں جس کو دوسرے پر فضیلت دی ہو اتنا زیادہ مبالغہ کرنے والا نہیں دیکھا جتنا کہ عاشورہ کے روزہ کی فکر میں۔''

مسلم شریف کی حدیث ہے کہ صوم عاشوراء سے پہلے ایک سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور یہی صوم عاشورہ ہے جو رمضان المبارک کے روزے فرض ہونے سے پہلے مسلمانوں پر فرض تھا۔ مگر جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہو گئے تو عاشورہ کا روزہ نفل بن گیا جس کا جی چاہے رکھے، جس کا جی نہ چاہے نہ رکھے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ بِصِيَامِ عَاشُوْرَاءَ وَيَحُثُّنَا عَلَيْهِ وَيَتَعَاهَدُنَا عِنْدَهٗ فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ لَمْ يَأْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَنَا وَلَمْ يَتَعَاهَدْنَا عِنْدَهٗ۔ (مسلم)

''رسول اللہ ﷺ عاشورہ کے روزہ کا حکم دیتے تھے اور ہم کو اس پر ابھارتے تھے اور وہ تاریخ آنے پر ہم کو دھیان دلاتے تھے پس جب رمضان المبارک کا روزہ فرض ہو گیا تو حضورؐ نے ہمیں حکم دیا نہ ہمیں ابھارا اور نہ اس کے آنے پر ہمیں دھیان دلایا۔''

یعنی چونکہ رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت کے بعد عاشورہ کا فرض روزہ نفل بن گیا تھا اس لئے حضورؐ نے صوم عاشوراء کا نہ حکم دیا اور نہ اس کی ترغیب دی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں کے یہودیوں کو دیکھا کہ وہ ۱۰ محرم الحرام کو روزہ رکھتے ہیں، حضور ﷺ نے پوچھا:

مَا هٰذَا الْيَوْمُ الَّذِيْ تَصُوْمُوْنَهٗ۔

''یہ کیسا دن ہے کہ تم اس میں روزہ رکھتے ہو؟''

یہودیوں نے جواب دیا:

هٰذَا يَوْمٌ عَظِيْمٌ اَنْجَى اللّٰهُ فِيْهِ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ وَغَرَّقَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهٗ فَصَامَهٗ مُوْسٰى شُكْرًا فَنَحْنُ نَصُوْمُهٗ۔

یہ بہت عظیم دن ہے اسی دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون سے نجات دی اور فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کو غرق کر دیا پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکریہ کا روزہ رکھا۔ لہٰذا ہم لوگ بھی انہیں کی اتباع میں اس تاریخ کو روزہ رکھتے ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

فَنَحْنُ اَحَقُّ وَاَوْلٰی بِمُوْسٰی مِنْکُمْ۔ (بخاری و مسلم)

"ہم تم سے زیادہ حقدار ہیں کہ حضرت موسیٰ کی موافقت میں عاشورہ کا روزہ رکھیں۔"

چنانچہ حضور ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور صحابہ کرام کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ہی ایک دوسری روایت میں ہے کہ یوم عاشورہ کا روزہ یہود کے علاوہ نصاریٰ بھی رکھتے تھے۔ یہ دونوں فرقے صرف ۱۰ محرم الحرام کو ہی روزہ رکھتے تھے لہٰذا حضور ﷺ نے ان کی مخالفت کرنے کا حکم دیا اور فرمایا:

لَئِنْ بَقِیْتُ لَاَصُوْمَنَّ التَّاسِعَ۔

"اگر میں اگلے سال زندہ رہا تو ۹ محرم کو بھی روزہ رکھوں گا۔"

اسی لئے حکم دیا گیا ہے کہ جو لوگ عاشوراء کا روزہ رکھیں وہ صرف دس تاریخ کو نہ رکھیں بلکہ ۹، ۱۰، یا ۱۰، ۱۱ دو دن لگاتار رکھیں، تاکہ یہود و نصاریٰ کی مشابہت نہ ہونے پائے۔

محترم سامعین کرام! میں نے آپ حضرات کے سامنے جو احادیث کریمہ پیش کی ہیں کیا ان سے یہ حقیقت واضح نہیں ہوتی کہ یوم عاشورہ کی اہمیت و فضیلت شہادت حسین سے بہت پہلے سے ہے۔ غور کیجئے! دس محرم الحرام کو حضرت حسینؓ کے واقعہ شہادت پیش آنے سے پہلے ہی حضورؐ کے زمانہ میں خود حضورؐ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روزہ رکھا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ حضورؐ سے بھی بہت پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن روزہ رکھا اور پہلے ہی سے یہود و نصاریٰ اس تاریخ کو روزہ رکھتے آئے تھے۔

گویا عام مسلمانوں کا یہ سمجھنا کہ ۱۰ محرم الحرام کو جو بھی اہمیت و فضیلت حاصل ہے وہ صرف حضرت حسینؓ کی شہادت کی وجہ سے ہے، صحیح نہیں ہے۔ بلکہ اس دن کی اہمیت اس واقعہ سے بھی پہلے سے ہیں۔ البتہ اتفاق سے حضرت حسینؓ کی مظلومانہ شہادت کا واقعہ بھی اسی تاریخ کو پیش آ گیا۔ لہٰذا اس کی وجہ سے مسلمانوں میں اس تاریخ کو اور بھی زیادہ اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔

چونکہ عام مسلمان اس تاریخ کی اہمیت کو اسی واقعہ سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس پس منظر میں کچھ باتیں عرض کر دوں۔

حاضرین کرام! بڑے افسوس کی بات ہے کہ حضرت حسینؓ کے واقعہ شہادت کی وجہ سے صرف محرم کی دس تاریخ ہی نہیں بلکہ محرم کا پورا مہینہ غم کا مہینہ سمجھا جانے لگا ہے، لوگ نہ اس میں شادی بیاہ کرتے ہیں نہ کوئی اور خوشی کا کام کرتے ہیں، حالانکہ نہ محرم، غم کا مہینہ ہے، نہ محرم کی دس تاریخ، غم کی تاریخ۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ محرم کا مہینہ، غم کا مہینہ اور محرم کی دس تاریخ، غم کی تاریخ کیوں ہے؟ کیا اس وجہ سے کہ اسی مہینے کی دس تاریخ کو نواسہ رسول کریم سیدنا حضرت حسینؓ میدان کربلا میں شہید کر دیئے گئے؟ اگر یہی وجہ ہے اور بلاشبہ لوگوں کے خیال کے مطابق یہی وجہ ہے تو میں زور دے کر کہتا ہوں کہ اس واقعہ کی وجہ سے نہ محرم کو غم کا مہینہ کہا جا سکتا ہے نہ محرم کی دس تاریخ کو غم کی تاریخ۔

راہ حق میں شہادت مومن کے لئے غم کی بات نہیں۔ بلکہ خوشی کا سودا ہے شہادت تو مومن کا عین مطلوب ہے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

شہادت تو وہ چیز ہے جس کی تمنا حضورؐ کی تھی، فرمان رسالت ہے۔

لَوَدِدْتُ اَنْ اُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ۔

''میں چاہتا ہوں کہ اللہ کے راستے میں قتل کر دیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کر دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کر دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کر دیا جاؤں۔''

شہادت تو وہ چیز ہے جس کی دعا خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یوں مانگی تھی۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ بِبَلَدِ رَسُوْلِکَ۔

''اے اللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت عطا فرما اور مجھے اپنے رسول اللہ ﷺ کے شہر میں موت دے۔''

شہادت تو وہ چیز ہے کہ جب خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر قاتلانہ حملہ ہوا اور آپ گرے تو زبان مبارک پر یہ کلمات تھے:

فُزْتُ وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ۔

''کعبہ کے رب کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔''

سوچئے اور غور کیجئے! کیا اتنی عظیم شے جس کی تمنا خود حضور ﷺ نے کی ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے جس کی دعا مانگی ہو اور جس کے حاصل ہونے پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے آپ کو کامیاب قرار دیا ہو۔ کیا وہ بھی غم کی چیز ہو سکتی ہے۔ کیا اس کی وجہ سے کوئی دن، کوئی تاریخ اور کوئی مہینہ، غم کا دن، غم کی تاریخ یا غم کا مہینہ بن سکتا ہے؟! نہیں، ہرگز نہیں۔

اگر شہادت ہی کی وجہ سے کوئی تاریخ غم کی تاریخ یا کوئی مہینہ غم کا مہینہ بن جاتا ہو تو پھر یکم محرم کو غم کی تاریخ کیوں نہ کہا جائے کہ اسی تاریخ کو خلیفہ دوم امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا ہے۔ اسی طرح ماہ ذی الحجہ اور اسی ماہ کی اٹھارہ تاریخ کو غم کا مہینہ اور غم کی تاریخ کیوں نہ قرار دیا جائے کہ خلیفہ سوم امیر المومنین حضرت عثمان ذی النورین ماہ ذی الحجہ کی اٹھارہ تاریخ کو ہی شہید ہوئے ہیں۔ اور شوال کو بھی غم کا مہینہ کیوں نہ کہا جائے کہ اسی ماہ میں حضور ﷺ کے سگے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا دردناک واقعہ پیش آیا اور ان کی نعش کے ساتھ وہ سلوک کیا گیا کہ اسے دیکھ کر حضور ﷺ بے چین ہو اُٹھے اور فرمایا عَمِّیْ سَیِّدُ الشُّهَدَاءِ (میرے چچا شہیدوں کے سردار ہیں)

یہ تو چند مثالیں ہیں ورنہ اسلام کی تاریخ میں کون سا مہینہ اور کون سی تاریخ اور کون سا دن ایسا ہوگا جس میں کسی نہ کسی عظیم اسلامی شخصیت کی شہادت نہ ہوئی ہو۔ اسلام کی تاریخ تو کفن بردوش مجاہدوں، شہادت کے متوالوں اور سرفروشوں کے کارناموں سے بھری پڑی ہے۔

سوچئے کیا ربیع الاول غم کا مہینہ نہیں ہے؟ کہ اس ماہ کی بارہ تاریخ کو آقا و مولیٰ فداہ ابی و امی ﷺ کی وفات کا حادثہ عظمیٰ پیش آیا، کیا حضور ﷺ کی وفات کا واقعہ کسی شہید کی شہادت کے واقعہ سے کم غم کی بات ہے؟

پھر آخر کس کس کا غم منایئے گا۔ کس کس ماہ و تاریخ کو غم کا مہینہ اور غم کی تاریخ کہئے گا۔ اور کس کس ماہ و تاریخ میں خوشی کے کام شادی بیاہ موقوف کر دیجیے گا۔ اگر مسلمان اسی طرح غم مناتا رہے اور شہادت و وفات کی تاریخوں کو غم کی تاریخ قرار دیتا رہے تو پھر مسلمان کے لئے خوشی کا نام لینا بھی حرام ہو جائے گا۔ اسے کوئی مہینہ کوئی تاریخ اور کوئی دن خوشی منانے کے لئے خالی نہ ملے گا۔ گویا مسلمان کی ساری زندگی غم ہی غم ہو کر رہ جائے گی جہاں خوشی کا کوئی گزر نہ ہوگا۔

محترم بزرگو اور دوستو! حقیقت یہ ہے کہ شہادت خواہ کسی کی ہو، غم کی بات ہی نہیں کہ اس کی وجہ سے کسی مہینے یا کسی تاریخ کو غم کا مہینہ اور غم کی تاریخ بنا کر خوشی کا ہر کام روک دیا جائے، اسی طرح ماہ محرم یا محرم کی دس تاریخ کو بھی غم کا مہینہ اور غم کی تاریخ کہنا اور شادی بیاہ کو موقوف کر دینا غلطی اور نادانی ہے یہ ہماری اپنی بنائی ہوئی چیز ہے۔ اسلامی تعلیمات سے اس کا کوئی تعلق اور جوڑ نہیں ہے۔

بعض نادان غم حسینؓ میں تعزیہ بناتے ہیں، ماتم ونوحہ خوانی اور طرح طرح کی خرافات کرتے ہیں بھلا اسلام میں اس قسم کی چیزوں کی گنجائش کہاں سے نکل سکتی ہے۔ اسلام انسانوں کو دنیا کے جھمیلوں اور رسموں سے نکال کر سادگی پسند بنانے آیا تھا نہ کہ اس قسم کی خرافات میں مبتلا کرنے، غم حسینؓ کے نام پر جو کچھ کیا جاتا ہے اس کی اجازت اور اس کا ثبوت نہ اہل سنت کی کتابوں سے ملتا ہے نہ اہل تشیع سے۔ اہل سنت کے تمام فرقے تعزیہ داری کے حرام وبدعت ہونے کے قائل ہیں۔ کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔ خود شیعی کتابوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے صبر وضبط اور حلم وبردباری کی تلقین کی تھی اور نالہ وفریاد اور آہ وبکا سے منع فرمایا تھا۔ بقول ایک مرثیہ نگار، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب سے فرمایا تھا:

ماتم میں مرے چاک گریبان نہ کرنا
گردوں کے تلے بال پریشان نہ کرنا

جب حضرت زینبؓ نے اس وصیت پر عمل نہ کیا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اس بین سے کچھ ہوش میں آئے شہ تنہا
پھر دیکھا جو زینب کو تو گھبرا گئے مولیٰ
چپکے سے یہ فرمایا کہ اے ثانی زہرا
سر ننگے چلی آئیں یہاں تم، یہ کیا، کیا؟
بربادی عزت و حرمت ہوئی زینب
مرتے ہوئے اعدا سے خجالت ہوئی زینب

ان تمام لوگوں کو جو غم حسین رضی اللہ عنہ میں تعزیہ داری اور ماتم ونوحہ خوانی کرتے ہیں سوچنا چاہیے کہ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی رضا کا سبب بن رہے ہیں یا خجالت کا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ راہ حق میں شہید ہوئے تھے۔ شہیدوں کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ (بقرہ)

"جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل کر دیے جاتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تم سمجھتے نہیں۔"

دوسری جگہ سورہ آل عمران میں ہے:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾

''ان لوگوں کو جو اللہ کے راستے میں قتل کر دیئے گئے، انہیں مردہ نہ سمجھو، زندہ ہیں، اپنے پروردگار کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں۔''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ شہید اپنے پروردگار کے مقرب بھی ہوتے ہیں اور انہیں پروردگار کے پاس رزق بھی ملتا ہے، لہٰذا وہ زندہ ہیں۔ انہیں مردہ نہ گمان کرو۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شہیدوں کے زندہ ہونے اور رزق دیئے جانے کا کیا مطلب ہے؟ حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ ہم نے آیت کی تفسیر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ ہم نے اس آیت کی تفسیر رسول اللہ ﷺ سے دریافت کی تھی، حضورؐ نے فرمایا تھا کہ شہیدوں کے زندہ ہونے اور رزق دیئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں ہیں، ان کے لئے قندیلیں ہیں جو عرش سے لٹکی ہوئی ہیں وہ پرندے جنت میں جہاں چاہتے ہیں سیر کرتے ہیں، پھر انہیں قندیلوں میں واپس آجاتے ہیں، ایک دن اللہ تعالیٰ نے ان پر نظر ڈالی اور فرمایا: هَلْ تَشْتَهُوْنَ شَيْئًا (کیا تم کچھ چاہتے ہو؟) انہوں نے جواب دیا۔ ہم کیا چاہیں گے؟ جبکہ ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں سیر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہی سوال ان سے تین مرتبہ کیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یہی سوال بار بار ہو رہا ہے تو انہوں نے عرض کیا:

يَا رَبِّ نُرِيْدُ اَنْ تَرُدَّ اَرْوَاحَنَا فِيْ اَجْسَادِنَا حَتّٰى نُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِكَ مَرَّةً اُخْرٰى۔

''اے ہمارے پروردگار! ہم چاہتے ہیں کہ تو ہماری روحوں کو دوبارہ ہمارے جسموں میں لوٹا دے تاکہ ہم تیری راہ میں دوبارہ قتل کئے جائیں۔''

ظاہر ہے کہ یہ تمنا پوری ہونے کا سوال ہی نہیں تھا کیونکہ جو دنیا سے چلا گیا اسے دوبارہ دنیا میں آنا نہیں ہے، لہٰذا باری تعالیٰ نے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔

ترمذی شریف کی روایت ہے کہ جنت میں جانے کے بعد کوئی شخص دنیا میں لوٹنے کی تمنا نہ کرے گا مگر شہید کی شہادت کی وجہ سے جنت میں جو اعزاز و اکرام ملے گا اس کی بنا پر وہ تمنا کرے گا کہ وہ شہید ہونے کے بعد بار بار دنیا میں بھیجا جائے اور بار بار جام شہادت نوش کرے۔

یہ ہے شہیدوں کا اعزاز و اکرام اور یہ ہے شہیدوں کا مقام و مرتبہ، جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ حق کی خاطر، حق کی راہ میں شہید ہو گئے تو وہ بلاشک و شبہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے مطابق

زندہ ہیں، اور زندہ پر ماتم و بکا اور نالہ و شیون کیا معنی؟

ماتم وہ کریں جو منکر ہوں حیات شہداء کے
ہم زندہ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

محترم بزرگو اور دوستو! جب ۱۰ محرم الحرام (یوم عاشوراء) آتا ہے تو ہر طرف سے ماتم و نوحہ کی صدائیں آنے لگتی ہیں اور یہ ماتم و نوحہ خوانی کرنے والے، غم حسینؓ میں گریبان چاک اور سینہ کوبی کرنے والے، سبیلیں لگانے اور تعزیہ بنانے والے، بھول جاتے ہیں کہ وہ ایک شہید کا ماتم کر رہے ہیں جو زندہ ہے وہ ایک عظیم و ارفع نعمت ''شہادت'' پر گریہ کناں ہیں جو رونے دھونے، غم منانے اور گریہ و ماتم کی چیز نہیں ہے، وہ عاشوراء محرم کی ساری عظمت و اہمیت کو صرف شہادت حسین کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں اور یہ فراموش کر جاتے ہیں کہ عاشوراء محرم اس واقعہ سے پیشتر بھی اہمیت کا حامل رہا ہے۔

فدا کردے جو بہر دین و ایماں سر بھی سینہ بھی
مبارک اس کا مرنا بھی، مبارک اُس کا جینا بھی

یوم جمعہ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَمَنِ اهْتَدٰى بِهُدَاهُ۔ اَمَّا بَعْدُ

حاضرین مجلس، سامعین کرام!

جمعہ کا دن ہفتہ کی عید ہے، سال میں دو عیدیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ تو آتی ہی ہیں مگر جمعہ کی صورت میں مسلمان کے لئے ہر ہفتہ عید آتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن کو یَوْمٌ اَزْهَرُ (روشن دن) اور جمعہ کی رات کو لَيْلَةٌ اَغَرُّ (اجلی رات) فرمایا ہے۔ ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ سَيِّدُ الْاَيَّامِ وَاَعْظَمُهَا عِنْدَاللّٰهِ وَهُوَ اَعْظَمُ عِنْدَاللّٰهِ مِنْ يَوْمِ الْاَضْحٰى وَيَوْمِ الْفِطْرِ۔ (ابن ماجه)

''جمعہ کا دن دنوں کا سردار ہے، اور اللہ کے نزدیک سب سے بڑا دن ہے۔ یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک عید الاضحیٰ اور عید الفطر سے بھی بڑا ہے۔''

پھر حضورؐ نے ارشاد فرمایا: کہ جمعہ کی پانچ خصوصیات ہیں۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو جمعہ کے دن پیدا کیا، دوم جمعہ کے دن ہی آدم کو زمین پر اتارا، سوم حضرت آدم کی وفات بھی جمعہ ہی کو ہوئی، چہارم جمعہ کے دن ایک ساعت ایسی ہے کہ بندہ اس میں جو بھی دعا مانگے قبول ہوگی، بشرطیکہ حرام دعا نہ مانگے، پنجم اسی دن قیامت آئے گی۔ چنانچہ تمام مقرب فرشتے، آسمان وزمین، ہوا، بادل، سمندر، سبھی جمعہ کے دن سے ڈرتے رہتے ہیں (کہ کہیں قیامت نہ آجائے)

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جمعہ کو ہی جنت میں داخل کیا تھا اور اسی دن جنت سے نکالا تھا، اسی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ

''اب سے اچھا دن جس پر سورج طلوع ہوا جمعہ کا دن ہے۔''

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ قیامت کا نفخۂ اولیٰ اور نفخۂ ثانیہ دونوں جمعہ ہی کے دن ہوگا اور

جمعہ کے دن بکثرت درود پڑھنا چاہیے۔ حضور ﷺ نے امت کو اس کی تلقین فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا ہے۔

فَاَکْثِرُوْا عَلَیَّ مِنَ الصَّلٰوۃِ فِیْہِ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ مَعْرُوْضَۃٌ عَلَیَّ (نسائی)

''جمعہ کے دن درود کی کثرت کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔''

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت کریمہ

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾

''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم اپنی نعمت تام کر دی اور تمہارے لئے دین کی حیثیت سے اسلام کو پسند کر لیا۔''

تلاوت کی۔ ایک یہودی نے ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس کے نزول کے دن کو عید کا دن بنا لیتے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس آیت کا نزول عید کے دن ہی ہوا ہے اور وہ دوہری عید تھی۔ یعنی جمعہ کے دن اور وہ بھی عرفہ کے دن۔

جمعہ کا دن مسلمانوں کو نصیب ہوا، یہ مسلمانوں کی خوش نصیبی ہے ورنہ اُم سابقہ کو بھی یہ دن ملا تھا مگر انہوں نے اس میں اختلاف کیا تو اللہ نے ان سے لے لیا اور ہمیں عطا کر دیا، اب اگر ہم احسان شناسی نہ کریں، اس دن کو اس کے حق کی طرح گزاریں تو ہماری بہت بڑی بدنصیبی اور بدقسمتی ہوگی۔

اس دن کا کیا حق ہے؟ اور یہ دن کیسے گزارنا چاہیے، آیئے آپ حضرات کے سامنے کچھ اس پر روشنی ڈالوں۔ سورۂ جمعہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔

''اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔''

اس آیت کریمہ سے پتہ چلا کہ جمعہ کا دن، نماز جمعہ کی تیاری یہ ہے کہ جمعہ کے دن غسل کرے، جو خوشبو عطر وغیرہ میسر ہو کپڑوں میں لگائے، صاف ستھرے کپڑے پہنے، پھر جامع مسجد آئے، مسجد میں آنے کے بعد جہاں جگہ مل جائے بیٹھ جائے، لوگوں کو چیر کر اور ہٹا کر اپنی جگہ نہ

بنائے۔ پھر سنتیں پڑھے، خاموشی کے ساتھ خطبہ سنے خواہ خطبہ کی آواز کان تک پہنچے یا نہ پہنچے، خاموشی کے ساتھ اسی طرف دھیان لگائے رہے، پھر امام کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرے۔ پھر اس کے بعد کی سنتیں پڑھے مسلم شریف میں ہے کہ جو شخص ان باتوں پر عمل کرے گا۔ اس کے ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک، اور مزید تین دن کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور پہلے آنے والوں کا نام لکھتے ہیں، جو سب سے پہلے آتا ہے اس کو اونٹ کی قربانی کا ثواب ملتا ہے، جو اس کے بعد آئے، اسے گائے کی قربانی کا ثواب ملتا ہے، اسی طرح بعد والوں کا ثواب کم ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ مینڈھا، پھر بکری، پھر مرغی اور آخر میں آنے والے کو انڈا صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ ثواب لکھنے کا یہ سلسلہ خطبہ شروع ہونے سے پہلے تک رہتا ہے، جب خطبہ شروع ہو جاتا ہے تو فرشتے طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَيَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ (اپنا رجسٹر بند کر دیتے ہیں اور خطبہ سننے لگتے ہیں) اس کے جو آتا ہے اس رجسٹر میں اس کا نام نہیں لکھا جاتا۔

جو لوگ جمعہ کی نماز میں سستی کرتے ہیں اور جمعہ چھوڑ دیتے ہیں ان کے لئے شدید وعیدیں آئی ہیں، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص بلا عذر تین جمعہ چھوڑ دے، اللہ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ایسا شخص اللہ کے یہاں منافقوں کی فہرست میں لکھ لیا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے بارے میں جو بلا عذر جمعہ کی نماز میں حاضر نہیں ہوتے تھے، فرمایا:

لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ رَجُلًا يُّصَلِّيْ بِالنَّاسِ ثُمَّ اُحَرِّقَ عَلٰى رِجَالٍ يَّتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ بُيُوْتَهُمْ۔ (مسلم)

"میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں اپنی جگہ کسی شخص کو نماز جمعہ پڑھانے کا حکم دوں، پھر جا کر ان لوگوں کے گھروں میں آگ لگا دوں جو جمعہ میں نہیں آئے اور گھروں میں بیٹھے رہ گئے۔"

ایک دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے اس ارادے کو عملی جامہ اس لئے نہیں پہنایا کہ گھر میں عورتیں اور بچے بھی تھے، جو بے گناہ تھے، آگ لگانے کی وجہ سے گنہگاروں کے ساتھ بے گناہوں کے جل جانے کا خطرہ تھا۔

بہر حال حضورؐ نے نماز جمعہ میں حاضر نہ ہونے والوں کے گھروں کو آگ تو نہیں لگائی مگر کیا

اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ ایسے شخص پر کس قدر ناراض ہیں اور ایسے شخص کو کتنی بڑی سزا کا مستحق سمجھتے ہیں حضورؐ کے اس ارشاد پر وہ لوگ دھیان دیں جو بلا کسی عذر کے جمعہ کی نماز چھوڑ دیتے ہیں، وہ لوگ سوچیں کہ احادیث کریمہ میں ان کے لئے کتنی سخت وعیدیں موجود ہیں۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

جوانوں یہ صدائیں آرہی ہیں آبشاروں سے
چٹانیں چور ہو جائیں جو ہو عزمِ سفر پیدا

فضائل مساجد

نَحْمَدُ اللّٰهَ الْعَزِيْزَ الْوَهَّابَ الْقَاهِرَ الْفَتَّاحَ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔ اَما بعد

صدر محترم حاضرین جلسہ!

مسجدیں اللہ کا گھر ہیں، عبادت کا مقام ہے، مسلمان نماز پنجگانہ مسجدوں میں آکر ادا کرتے ہیں اور اللہ کے گھر کو آباد کرتے ہیں۔ مسجدوں کو آباد کرنا ایمان کی علامت ہے، مسجدوں کو اہل ایمان ہی آباد کرتے ہیں کوئی اور نہیں، سورہ توبہ میں ہے:

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ۔

''مشرکوں کا کام نہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں۔''

آگے چل کر فرمایا جارہا ہے:

﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ﴾ (توبہ)

''وہی آباد کرتا ہے اللہ کی مسجدیں جو ایمان لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر، اور قائم کیا نماز کو اور دیتا رہا زکوٰۃ اور اللہ کے سوا کسی اور سے نہ ڈرا، پس قریب ہے کہ وہی ہدایت یافتہ ہو۔''

آیت کریمہ کے بموجب مساجد کو آباد کرنے والے وہ لوگ ہوتے ہیں جو ایمان اور اعمال صالحہ مثلاً نماز، زکوٰۃ وغیرہ سے سرفراز ہوں، اور اللہ کے علاوہ کسی اور سے نہ ڈرتے ہوں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تم جس شخص کو مساجد میں آتے جاتے، مساجد کی خدمت کرتے اسے آباد رکھتے ہوئے دیکھو، اس کے ایمان کی گواہی دو، کیونکہ سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرما دیا ہے کہ مساجد کو آباد کرنا اہل ایمان ہی کا کام ہے۔

وہ شخص بہت بڑا ظالم ہے جو مسجدوں کو ویران کرنے کے درپے ہو اور ان میں ذکر الٰہی سے روکے، سورہ بقرہ میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِيْ خَرَابِهَا﴾ (البقرۃ)

''اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام لینے سے روکے اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کرے۔''

دنیا کی سب سے پہلی مسجد خانہ کعبہ ہے اور دوسری مسجد، مسجد اقصیٰ ہے اور دونوں کی تعمیر کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہے، کعبہ کی سب سے پہلی بناء حضرت آدم علیہ السلام نے رکھی تھی اور انہیں کے بعض اولاد نے چالیس سال کے بعد مسجد اقصیٰ کی تعمیر کی۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ آدمی کی نماز اپنے گھر میں ایک نماز کا ثواب رکھتی ہے اور اس کی وہی نماز جامع مسجد میں ادا کی جائے تو پانچ سو نمازوں کا ثواب ہے اور وہی نماز اگر مسجد حرام میں پڑھی جائے تو ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔

محترم حضرات! اسلام میں سب سے پہلی مسجد، مسجد قبا ہے، اس مسجد کا قرآن مجید میں یوں ذکر آیا ہے:

﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ﴾ (توبہ)

''جس مسجد کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی وہ واقعی اس لائق ہے کہ آپ اس میں نماز کے لئے کھڑے ہوں، اس میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ خوب پاکی حاصل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

محترم بزرگو اور دوستو! یہ تو خاص مساجد کی بات تھی، ورنہ اسلام میں ہر مسجد کی بہت زیادہ اہمیت وفضیلت ہے خواہ عمارت کے نام پر پھوس کی جھونپڑی بھی نہ ہو، مسجدوں کی آبادی ان کی شاندار عمارت سے نہیں ہوتی بلکہ ان میں نماز پڑھنے، اللہ کا ذکر کرنے اور تلاوت قرآن سے ہوتی ہے۔ مسجدوں کو مزین کرنا ان کی عالیشان عمارتیں بنانا، اپنی اپنی عالی شان مسجدوں کو فخریہ بیان کرنا اور ان کی حقیقی آبادی کی فکر نہ کرنا، قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔

آج ہمارا حال یہ ہے کہ مسجدیں تو ہم بڑی عالیشان بنوا ڈالتے ہیں، مسجدوں کو حسین سے حسین تر اور خوبصورت سے خوبصورت بنانے اور ہر طرح آراستہ وپیراستہ کرنے میں ہم پوری کوشش صرف کر دیتے ہیں مگر لوگوں کو نماز کے لئے مسجد میں لانے کی فکر نہیں کرتے، حالانکہ مسجد کی حقیقی زیب وزینت یہی ہے کہ وہ نمازیوں سے بھری ہوئی ہو، اور اللہ کا ذکر وفکر کرنے والے کثیر

تعداد میں آتے رہتے ہوں۔ اگر یہ نہیں ہوا تو ہمارا حال بقول شاعر یہی ہو کر رہ جائے گا۔

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی تھا، برسوں میں نمازی بن نہ سکا

دنیا کی آبادیوں میں مسجدیں اللہ کو سب سے زیادہ پیاری ہیں، رسول خدا ﷺ کا ارشاد ہے:

اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَی اللّٰہِ مَسَاجِدُھَا وَ اَبْغَضُ الْبِلَادِ اِلَی اللّٰہِ اَسْوَاقُھَا۔ (مسلم)

''آبادیوں میں سب سے محبوب جگہ اللہ کے نزدیک مساجد ہیں اور سب سے مبغوض جگہ بازار ہیں۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّۃِ فَارْتَعُوْا۔

''جب تم جنت کے باغوں سے گزرو تو چر لیا کرو۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا جنت کے باغ کیا ہیں، حضورؐ نے فرمایا مساجد، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ اس میں چرنے کا کیا مطلب ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ جب مسجد میں آؤ تو سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ لیا کرو۔

بلاشبہ مساجد جنت کا باغ ہے، مساجد میں آکر جو سکون ملتا ہے وہ دنیا کے کسی گوشہ میں نہیں ملتا۔ انسان دنیا کے تفکرات اور رنج و آلام سے گھبرا کر اللہ کی طرف لو لگانے کے لئے مسجد میں آتا ہے، مسجد اسے سکون قلب اور طمانیت روح کا سامان فراہم کرتی ہے۔ بازار انسان سے سکون کی دولت چھینتا ہے۔ ہجوم افکار میں مبتلا کرتا ہے۔ مساجد سکون قلب کی دولت بخشتی ہیں، طمانیت روح سے مالا مال کرتی ہیں، اسی لئے حضور ﷺ فرماتے ہیں:

شَرُّ الْبِقَاعِ اَسْوَاقُھَا وَخَیْرُ الْبِقَاعِ مَسَاجِدُھَا۔ (ابن حبان)

''بدترین جگہیں بازار ہیں اور بہترین جگہیں مسجدیں ہیں۔''

محترم حضرات ہم سب لوگوں کی ایک بہت بڑی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ اللہ کے گھروں کی تعمیر کریں، جہاں مسجدیں نہ ہوں وہاں مسجدیں بنوائیں، جہاں مسجد خستہ حالت میں ہو یا توسیع کی ضرورت ہو، اس کی تعمیر و توسیع کی فکر کریں، مسجد کی تعمیر و آبادی کے لئے جان و مال کی قربانی دیں، روپے پیسے خرچ کریں اپنا وقت لگائیں، ہاتھ پاؤں کی طاقت صرف کریں، مساجد کی تعمیر کے لئے ہماری محنت رائیگاں نہ جائے گی۔ اللہ نے اس پر بہت اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے، رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں،

مَنْ بَنٰی لِلّٰہِ مَسْجِدًا بَنَی اللّٰہُ لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ۔ (بخاری و مسلم)

''جس نے اللہ کے لئے مسجد تعمیر کی۔ اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔''

مساجد کا بنوانا صدقہ جاریہ میں سے ہے یعنی اس کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہے گا۔ حضور ﷺ نے صدقات جاریہ میں مسجد کی تعمیر کو بھی شمار فرمایا ہے۔ حضور فرماتے ہیں اَوْ مَسْجِدًا بَنَاہُ (یا مسجد بنوا کر گیا ہو اس کا ثواب مرنے کے بعد تک ملتا رہے گا) مسجد بنوانے کا مطلب یہ نہیں کہ پوری مسجد تنہا بنوائی ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا ہو اور حتی المقدور خود بھی مسجد بنوانے میں شریک رہا ہو۔

مسجدوں کی تعمیر کے ساتھ ساتھ ہم مسلمانوں کا یہ بھی فریضہ ہے کہ ہم مسجدوں کو صاف ستھرا رکھیں، اسے گندی ہونے اور کوڑا کرکٹ سے بچائیں، مسجد میں دنیا کی باتیں نہ کریں اور سب بڑا فریضہ جس کی طرف میں پہلے بھی اشارہ کر چکا ہوں یہ ہے کہ ہم خود بھی مسجدوں میں جا کر نماز پڑھیں اور نماز پڑھنے والوں کو مسجدوں میں لائیں تا کہ حقیقی معنوں میں مسجدیں آباد ہو سکیں اور ہم اپنے مومن ہونے کی عملی شہادت پیش کر سکیں۔ ایک نماز ادا کرنے کے بعد دوبارہ مسجد میں جانے کے لئے ہمارا دل بے چین ہو تا کہ قیامت کے دن عرش الٰہی کے سایہ میں ہمیں جگہ نصیب ہو، ہم رات کی تاریکیوں میں مسجد میں جانے والے بنیں تا کہ یہ جانا ہمارے لئے قیامت کے دن نور بنے، ہم مسجدوں میں انتظار صلوٰۃ میں بیٹھنے والے بنیں تا کہ ہمارا بیٹھنا اسلامی رہبانیت کا نمونہ ہو، ہم صبح و شام مسجد میں آنے جانے والے بنیں تا کہ اللہ ہماری سلامتی کا ذمہ دار ہو جائے۔

واعظِ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی　　برق طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسم اذاں، روح بلالیؓ نہ رہی　　فلسفہ رہ گیا، تلقین غزالیؒ نہ رہی

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

حضرت نانوتویؒ اور ان کے شاگردوں کا عظیم کارنامہ

قیامِ مدارس

بزرگو اور دوستو!

بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، ان کے رفقاء اور شاگردوں کے ذریعہ ہندوستان میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور احیاء کا جو عظیم کارنامہ انجام پایا ہے وہ ہمہ جہت بھی ہے اور فقید المثال بھی، ہر دور کے حق شناس وحق پرست اس کے مختلف گوشوں اور پہلوؤں کو اجاگر کرتے رہیں گے ان کا حق بھی ہے کہ انہیں زیادہ سے زیادہ سامنے لایا جائے، لوگوں کو آگاہ کیا جاتا رہے کیونکہ وہ مسلمانان ہند کی تاریخ کا نہایت روشن اور تابناک حصہ ہے جسے کسی دور کا مؤرخ کبھی نظر انداز نہیں کرسکتا۔

میں آج حضرت نانوتوی، ان کے رفقاء، شاگردوں اور فیض یافتگاں کے صرف ایک کارنامے کا ذکر کررہا ہوں، میرے خیال میں یہ کارنامہ، ان کا سب سے بڑا کارنامہ ہے، دوسرے کارنامے اسی کارنامے کی جزوی شکلیں ہیں۔ اور وہ کارنامہ ہے قیام مکاتب ومدارس کا۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی میں تذکرہ نگاروں نے عام طور پر لکھا ہے کہ انہوں نے ان کے رفقاء اور ان کے شاگردوں، فیض یافتگان نے مکاتب، مدارس کے قیام کو تحریک کی شکل دی، انہوں نے ہندوستان کے گوشے گوشے میں مکاتب ومدارس کا جال پھیلا دینے کا منصوبہ بنایا۔ صرف منصوبہ نہیں بنایا اس پر اول دن سے عمل شروع کردیا۔

دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بعد دوسری جگہوں پر مدارس قائم کرنے کے لئے کیا کوششیں ہوئیں؟ ان کا ذکر کرتے ہوئے ایک تذکرہ نگار کہتے ہیں:

"مغربی یوپی میں زیادہ تر مدارس دینیہ حضرت نانوتویؒ کے ہی قائم کردہ ہیں، گلاوٹھی کا مدارسہ، نگینہ کا مدرسہ، مظفر نگر کا مدرسہ اور اسی طرح مدرسہ شاہی (مرادآباد) سب اسی سلسلہ کی سنہری کڑیاں ہیں، حضرت نانوتویؒ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی،

حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہوی، حضرت مولانا منصور علی خاں صاحب، مراد آبادی، حضرت مولانا رحیم اللہ صاحب بجنوری، حضرت مولانا عبدالعلی صاحب میرٹھی، حضرت مولانا فخرالحسن صاحب گنگوہیؒ اور دوسرے علماء نمایاں تھے۔"

علم حدیث کا سلسلہ انہیں علماء کرام سے پھیلا جن کے نام اوپر آئے۔

یہی تذکرہ نگار ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ "ہندوستان میں اکثر مقامات پر مدارس دینیہ جناب مولانا محمد قاسمؒ صاحب کی رائے اور مشورہ سے جاری ہیں۔" اسی طرح مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کا قیام بھی اسی منصوبے کا حصہ تھا۔ جو حضرت نانوتویؒ اور ان کے متوسلین کے ذریعہ مختلف شہروں میں انجام پا رہا تھا۔

قیام مدارس کے منصوبے اور تحریک کو آج کے حالات اور تاریخ کے تناظر میں دیکھئے تو یہ ایک الہامی منصوبہ اور الہامی فیصلہ نظر آتا ہے۔

کوئی قوم جو طویل عرصہ تک برسر اقتدار رہی ہو، اقتدار کا چھن جانا اس کے لئے موت کا سامان ہوتا ہے۔ اقتدار سے بے دخلی، اس کی حیات و بقاء کے مسائل کھڑے کر دیتی ہے۔

دوسری طرف جو قوم طاقت کے نتیجہ میں اقتدار پر آئی ہو، اس کی رعونت، اس کا نشہ قوت، حد سے فزوں ہوتا ہے، وہ مغلوب قوم کی ساری عظمتیں، سارے کمالات ختم کر دینا چاہتی ہے، اس کی تہذیب و تمدن کو تاراج کر دیتی ہے، اس کے تشخصات مٹا دیتی ہے، اپنا تمدن، اپنا کلچر پھیلاتی ہے، مفتوح قوم جو ہر طرح دبا دی گئی ہو، وہ احساس کمتری میں ایسا مبتلا ہوتی ہے کہ فاتح قوم کی ہر چیز اچھی لگتی ہے اور اپنی ہر چیز دقیانوسیت اور بیکار محض لگنے لگتی ہے۔

تاریخ امم کا یہ ایسا کلیہ ہے جس سے استثناء کی مثالیں بہت کم ملیں گی۔

غدر ۱۸۵۷ء کی ناکامی اور انگریزوں کے پنجہ تسلط کے مستحکم ہو جانے کے بعد ہندوستانی مسلمان تاریخ کے سب سے خطرناک موڑ پر تھے، وہ مفتوح تھے، انگریز فاتح، فاتح بھی ایسا جو مسلمانوں سے ازلی بیر رکھتا تھا، صلیبی جنگوں کا زخم خوردہ تھا۔ اسے انتقام کا موقع ہاتھ آیا تھا۔ وہ آندھی اور طوفان کی طرح پورے کروفر، جاہ و حشم، رعب و دبدبہ کے ساتھ دہلی کے اقتدار پر قابض ہوا تھا۔ یہ سنہرا موقع کیسے جانے دیتا، عیسائیت کو پھیلانے اور اسلام کو مٹانے، اسلامی تشخصات کو ختم کرنے کے منصوبے لندن سے بن کر آنے لگے، پادریوں کی پوری ایک فوج ہندوستان بھیج دی گئی۔ جو ترغیب و ترہیب کے ہر قسم کے سامان سے آراستہ تھی، حکومت کی پشت پناہی تھی، دولت کا انبار تھا، پولیس کا دستہ ساتھ رہتا تھا، ضلع کلکٹر کو حکم تھا کہ وہ پادریوں کی مدد کرے۔

حکومت واقتدار کا چھن جانا اتنا خطرناک نہ تھا جتنا مسلمانوں کو عیسائی بنانے، کافر بنانے اور شدھی کرنے کے منصوبے، دین سے دور کرنے اور ان کا تشخص وامتیاز چھین لینے کے پروگرام۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور ان کے رفقاء نے اپنے خداداد نور بصیرت سے حالات کے رخ کو سمجھ لیا اور قیام مکاتب ومدارس کی تحریک چلا کر مرض کا علاج اور زہر کا تریاق تلاش کرلیا۔

اگر اس منصوبے کے ذریعے احیائے اسلام کی کوشش نہ ہوئی ہوتی تو مسلمان اپنے دین سے کوسوں دور ہو جاتے، اپنی دینی شناخت کھو بیٹھتے، مساجد اپنی کثرت، بلند وبالا میناروں اور عمارتوں کے باوجود ویران ہو جاتیں اور ہندوستان دوسرا اسپین بن جاتا۔

دنیا میں جہاں جہاں مسلمان غلبہ واقتدار والی باعظمت زندگی گزارنے کے بعد پسپائی اور ذلت وخواری کا شکار ہوئے، دین سے دور ہو کر کفر وارتداد میں مبتلا ہو گئے وہاں اس علاج پر عمل نہیں ہوا جو حضرت نانوتویؒ اور ان کے رفقاء وتلامذہ نے اختیار کیا۔ وہاں قیام مدارس کی منظم کوششیں نہیں ہوئیں وہاں اسلام کے خشک سوتوں کی آبیاری کا انتظام نہیں ہوا، انہیں تازہ دم رکھنے اور حرکت وعمل میں باقی رکھنے کے لئے گرم اور تازہ لہو کا بندوبست نہیں کیا گیا۔

ہر اسلام دشمن طاقت، مدرسوں کو مٹانے کی کوشش کرتی ہے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں، روس اور چین کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں، وہاں کے مسلمانوں پر جو ادبار ونکبت آیا، تشکیک وتذبذب اور ارتداد کا جو طوفان اٹھا۔ ان میں وہاں گنتی کے جو مدارس تھے وہ ختم ہو ہی گئے، کوئی ایسا شخص کھڑا بھی نہیں ہوا جو محاذ جنگ کا رخ موڑ کر قیام مدارس کی طرف دیتا، اسے تحریک بنا کر ہر ہر بستی میں مکاتب ومدارس کا جال بچھا دیتا۔

مدرسے ختم ہو جائیں تو مسجدیں باقی رہ کر بھی مسلمانوں کی دینی زندگی باقی نہیں رہ سکتی، اپنے تشخص، اپنی شناخت کا احساس قائم نہیں رہ سکتا۔ مسجدوں کو آباد کرنے والے کہاں سے آئیں گے اذان کون دے گا، نماز کون پڑھے گا، کون پڑھائے گا، مسجدوں کی زندگی مدرسوں سے ملتی ہے، انہیں آباد کرنے والے مدرسوں سے آتے ہیں مدرسوں میں تیار ہوتے ہیں۔

مدرسے نہ رہیں تو بچہ پیدا ہونے پر کان میں اذان دینے والا کوئی نہ ملے گا، مرنے پر غسل دینے والا، کفن پہنانے والا اور نماز جنازہ پڑھانے والا کوئی نہیں رہے گا، لاشیں بے گور وکفن پڑی رہیں گی۔ مدرسے نہ رہیں تو قرآن پر ایمان رکھنے والے کیف قرآن سے محروم رہیں گے۔ رسول اللہ ﷺ پر ایمان کے دعوے دار کلام رسول نہ سن سکیں گے۔

ہندوستان کے حالات کا جائزہ لیجئے، ان علاقوں کو دیکھئے جہاں مکاتب ومدارس کم ہیں یا بالکل نہیں ہیں، وہاں دینی بیداری کم ملے گی۔ لوگوں کو اپنا نام رکھنے تک کا شعور نہیں ہے۔ وہ گرد وپیش کے ماحول میں گم ہو گئے ہیں، اپنی کوئی پہچان نہیں رکھتے بعض مراسم کی حد تک ہی ان کا ایمان و اسلام باقی ہے، مسجدیں ہوں گی بکثرت ہوں گی پھر بھی آباد نہ ہوں گی۔

۱۸۵۷ء میں مسلمانوں پر جو افتاد پڑی تھی، اسپین، چین اور روس سے کم خطرناک حالات نہ تھے، وہی سب کچھ یہاں بھی ہوتا۔ لیکن حضرت نانوتویؒ اور ان کے رفقاء تلامذہ نے دوررس نگاہوں سے مستقبل کو بھانپ لیا اور مسلمانوں کی دینی وملی بقاء کا انتظام کر دیا۔ اقتدار گیا تو گیا، دین نہیں گیا، ارتداد کی عام لہر نہیں پھیلی، جہاں پھیلی، اس کا تدارک کیا گیا۔ شکوک وشبہات دور کئے گئے، حالات کا مقابلہ کیا گیا۔

الحمدللہ مدارس ومکاتب کے قیام سے دین اس طرح آیا کہ ہندوستان کے علماء وفضلا، دینی تحریکات وجماعتیں، دیگر بہت سے مسلم ممالک کے لئے رہنما بن گئیں، وہاں بھی دین کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز انہیں خطوط پر ہو رہا ہے جو ہندوستانی مسلمانوں نے متعین کئے ہیں۔ قیام مدارس کی تحریک میں حضرت نانوتویؒ نے ایک انقلابی تبدیلی یہ کہ مدرسوں کو عوامی بنا دیا، اس طرح دینی تعلیم عام ہو گئی، مغل دور حکومت ۱۸۵۷ء تک تعلیم کا نظام یہ تھا کہ رؤساء جاگیردار اپنی ریاست وجاگیر میں چند علماء کو بلا کر ایک مدرسہ جاری کر دیتے تھے اور اس مدرسہ پر کچھ گاؤں وقف کر دیتے اسی آمدنی سے مدرسہ چلتا تھا۔ جونپور، رام پور، حیدرآباد اور مینڈھ ضلع علی گڑھ وغیرہ میں اسی قسم کے مدارس تھے۔ کچھ علماء اپنے گھروں پر تعلیم دیتے تھے، طلبہ کے لئے خورد ونوش اور قیام ورہائش کا کوئی خاص نظم نہیں تھا۔ ان کا نتیجہ یہ تھا جاگیردار ورؤسا جنہیں چاہتے، وہی ان مدارس میں پڑھتے تھے اور پڑھنے والوں میں بھی وہی پڑھ جاتے تھے جو اخراجات کے متحمل ہوتے، لہٰذا تعلیم چند گھرانوں، وہ بھی خوش حال گھرانوں تک محدود تھی۔

حضرت نانوتویؒ کی تحریک نے مکاتب ومدارس کا دائرہ گاؤں گاؤں، قریہ قریہ تک پہنچا دیا اور اصول ہشت گانہ کے ذریعہ مدارس کو روساء جاگیرداروں کے حلقہ مخصوص سے نکال کر سارے مسلمانوں کے لئے عام کر دیا۔ علم کا نور کوٹھیوں، بنگلوں، حویلیوں اور محلوں سے باہر آیا اور کھپریل مکانوں اور جھونپڑوں تک پہنچ گیا۔

یہ حضرت نانوتویؒ ان کے رفقاء تلامذہ کا وہ احسان ہے جو اسلامیان ہند کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتے۔

ہمارے خوابوں کا ہندوستان

اَلْحَمْدُ لِاَهْلِهٖ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَهْلِهَا اَمَّا بَعْدُ

ہویدا آج اپنے زخم پنہاں کر کے چھوڑوں گا
لہو رو رو کے محفل کو گلستاں کر کے چھوڑوں گا
جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پنہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا
مجھے اے ہم نشین رہنے دے شغل سینہ کاوی میں
کہ میں داغ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
دکھا دوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورت آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا
جو ہے پردوں میں پنہاں چشم بینا دیکھ لیتی ہے
زمانہ کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے

صدر محترم، بزرگان ملت!

خوابوں کا تعلق، انسانی تصورات سے ہوتا ہے، اسی لئے تصورات کو خواب وخیال بھی کہا جاتا ہے، کچھ خواب شرمندہ تعبیر ہو جاتے ہیں، کچھ شرمندہ تعبیر ہونے سے رہ جاتے ہیں اور انسان حسرت ویاس کی تصویر دنیا سے چلا جاتا ہے، لیکن خواب پھر خواب ہوتا ہے، انسان سب جانتے ہوئے خواب دیکھنا بند نہیں کرتا، تصوراتی قلعے تعمیر کرنا بند نہیں کرتا، اس کا خواب حقیقی اور خارجی دنیا میں ظہور پذیر ہو یا نہ ہو، وہ پلکوں پر خواب سجاتا بہر حال ہے، وہ تصوراتی محل سا بناتا ضرور ہے یہ انسانی فطرت ہے، اور ہر انسان سے اس فطرت کا ظہور ہوتا ہے۔

ہمارا پیارا وطن ہندوستان جس کے ذرہ ذرہ سے ہمیں پیار ہے، جس کی محبت ہمارے رگ و ریشہ میں پیوست ہے۔ اور حدیث کی حیثیت سے مشہور جملہ حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ (حب الوطنی ایمان کا ایک حصہ ہے) یہ خواہ حدیث نبوی ہو یا نہ ہو، لیکن یہ جملہ انسانی جذبات کی عکاسی بہر حال کرتا ہے وطن کی محبت ہر انسان کے دل ودماغ میں رچی بسی ہوتی ہے، پھر انسانی فطرت کے اس مظاہرے سے ہم مبرا کیسے ہو سکتے ہیں۔

وطن کی محبت رسول اللہ ﷺ کے دل میں بھی تھی، مکہ مکرمہ سے ہجرت کرتے ہوئے حضور ﷺ ایک ایسے ٹیلے پر کھڑے ہیں جہاں سے مکہ مکرمہ نظر آتا ہے اور آپ کی زبان مبارک پر یہ کلمات ہیں:

مَا اَطْیَبَكِ مِنْ بَلَدٍ وَاَحَبَّكِ اِلَیَّ وَلَوْلَا اِنَّ قَوْمِیْ اَخْرَجُوْنِیْ مِنْكِ مَا سَكَنْتُ غَیْرَكِ۔ (ترمذی)

''تو کتنا پاکیزہ شہر ہے، تو مجھے کتنا محبوب ہے، اگر میری قوم مجھے، تجھ سے نکالتی تو میں تجھے چھوڑ کر کہیں سکونت نہ اختیار کرتا۔''

بزرگو اور دوستو!

آدمی کو جس سے محبت ہوتی ہے، وہ اس کا بھی خواہ ہوتا ہے، اس کی بھلائی سوچتا ہے، ہر محب وطن، وطن کا بھی خواہ ہوتا ہے۔ وطن کی بھلائی سوچتا ہے، تمام ہندوستانی مسلمان حب الوطنی کے جذبہ سے سرشار ہیں، وطن سے اسی تعلق اور لگاؤ نے ان کی حب الوطنی کو کچھ خواب دیئے ہیں، جن کی تعبیر ان کا مطمح نظر اور مقصد زندگی ہے۔ تصورات کی ایک نئی دنیا اور ایک نئی بستی ہے، وہ دنیا وہ بستی، جہاں ہندوستان واقعی جنت نشان بن جاتا ہے، اور تمام باشندگان وطن کے لئے امن وسکون اور چین وراحت کا گہوارہ ہو جاتا ہے۔

ہمارے خوابوں کا ہندوستان وہی ہے جو ہمارے بزرگوں کے خوابوں کا ہندوستان تھا، یہاں کے لئے جو خواب انہوں نے دیکھے تھے وہی ہم بھی دیکھتے ہیں۔ انہیں کی تعبیر ہم بھی تلاش کرتے ہیں، ہمارے اکابر نے ملک کی آزادی کے لئے جان ومن لڑا دیا، ان کے مجاہدانہ اور سرفروشانہ کارناموں کا نتیجہ تھا کہ ملک غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہو گیا، طوق غلامی ٹوٹ گیا، چاروں طرف خوشی ومسرت کے شادیانے بج اٹھے۔

جب ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت تھی، اکابر علماء کے نمائندہ ایک مشہور اخبار نے اپنے شذرات میں لکھا تھا:

''آخر ہم موجودہ حکومت میں تبدیلی کیوں چاہتے ہیں، ہم ہندوستان انگریزی اقتدار کے کیوں دشمن ہیں، کیا اس لئے رام راج قائم کریں؟ کیا اس لئے کہ اپنے حقوق کو نظر انداز کر دیں؟ یقیناً ایسا نہیں ہے۔ ہم ہندوستان میں ایک نئی قومی جمہوریت کے لئے اس لئے جد وجہد کر رہے ہیں کہ ہم اپنے قومی ومذہبی حقوق سے پوری طرح متمتع ہوں گے، ہم ہر اس ضابطے اور قانون کو ختم کرینگے اور ختم کرنے کی جد وجہد کریں گے، جو ہمارے حقوق پر

اثر انداز ہوتے ہیں.....ہم اس مطالبہ سے کسی طرح دست بردار نہیں ہو سکتے کہ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ان کی زندگی پر پوری طرح اسلامی شریعت حاوی ہوگی۔"

(بانی الفرقان نمبر اشاعت خاص ۱۹۹۸ء بحوالہ الجمیعۃ ۲۸ر جنوری ۱۹۳۹ء)

افسوس کہ یہ خواب اب تک خطرۂ تکمیل ہے بلکہ دن بدن اس کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کی جا رہی ہیں، لیکن اس کے باوجود ہم اپنے خوابوں کے اس ہندوستان سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں۔

اگر ہندوستان میں امن وسکون اور چین واطمینان کی فضا قائم ہو تو یہ ہمارے خوابوں کا ہندوستان ہوگا، اگر کوئی ایک دوسرے سے دست وگریبان نہ ہو، اقلیت واکثریت کے نام پر ظلم وستم کا بازار گرم نہ ہو، فرقہ وارانہ تشدد رونما نہ ہو تو یہ ہمارے خوابوں کا ہندوستان ہوگا۔

اگر ہندوستان میں شراب پر پابندی لگا دی جائے، جوا اور سٹہ بند کرا دیا جائے، یہاں کا نوجوان مغربیت کا دلدادہ نہ ہو، یہاں کی عورتیں مشرقی تہذیب کو اپنے لئے باعث افتخار نہ سمجھیں، ان کی عصمتیں محفوظ ہوں تو یہ ہمارے خوابوں کا ہندوستان ہوگا۔

اگر ہندوستان میں تعلیم عام کر دی جائے اور مفت تعلیم کا بندوبست کر دیا جائے تو یہ ہمارے خوابوں کا ہندوستان ہوگا۔ اگر بنیادی دستور کی دفعہ ۴۴ جس میں یونیفارم سول کوڈ کی تشکیل کا مشورہ ہے۔ حذف کر دی جائے تو یہ ہمارے خوابوں کا ہندوستان ہوگا۔

محترم حاضرین جلسہ!

ہمارے خوابوں کا ہندوستان کسی ایک دائرہ میں محدود نہیں، اس کے مختلف پہلو اور مختلف جہتیں ہیں اور ہر پہلو اور ہر جہت کے الگ الگ تقاضے ہیں۔ ہندوستان کو اپنے خوابوں کا ہندوستان بنانے کے لئے باشندگان ہند کو سخت جدوجہد کرنی پڑے گی۔ یہ جدوجہد جنگ آزادی کی جدوجہد سے کم نہیں، اس سے زیادہ محنت وجرأت چاہتی ہے۔ یہ تبدیلی چاہتی ہے، تغیرات کو چاہتی ہے، اپنے آپ میں تبدیلی، اپنے گھر میں تبدیلی، اپنے سماج اور ماحول میں تبدیلی ایسی تبدیلی جو ہمارے ہندوستانیوں کا سر فخر سے اونچا کر سکے، جو باشندگان وطن کے لئے پیغام سرخروئی وسربلندی ہو، جہاں اللہ کی زمین پر اللہ کا نام لیا جائے جہاں انسانوں میں بھید بھاؤ ختم کر دیا جائے، جہاں من وتو کی تفریق اٹھا دی جائے، جہاں زمین پر بسنے والے ہر فرد کو انصاف ملے، جہاں عدل کا معیار ذات برادری، مسلک ومذہب اور دوستی دشمنی نہ ہو، جہاں دولت میں غرباء ومساکین کا حق سمجھا جائے، جہاں ہر شخص اپنی ذمہ داریاں اور فرائض محسوس کرے، جہاں سیاست، ہوس اقتدار کا ذریعہ

نہ ہو، جہاں اقتدار مفاد پرستی کا آئینہ دار نہ ہو، جہاں طاقتور طاقت کے نشہ میں چور اور بڑائی کے زعم میں مبتلا نہ دکھائی دے۔

اگر ایسا ہندوستان وجود میں آجاتا ہے تو وہ ہمارے خوابوں کا ہندوستان ہوگا۔ یہ خواب پورا ہو یا نہ ہو، ہم خواب تو دیکھتے ہی رہیں گے اور اس کے لئے جدوجہد بھی کرتے رہیں گے۔

سن اے غافل صدا میری، یہ ایسی چیز ہے جس کو
وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بوستانوں میں
وطن کی فکر کر ناداں، مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
یہ خاموشی کہاں تک لذت فریاد پیدا کر
زمیں پر تو ہو اور تیری صدا ہو آسمانوں میں

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

موت کی یاد

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ لِاَھْلِہٖ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی اَھْلِھَا اَمَّا بَعْدُ

ملے خاک میں اہل شاں کیسے کیسے مکیں ہو گئے بے مکاں کیسے کیسے
ہوئے نامور، بے نشاں کیسے کیسے زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

اجل نے نہ کسریٰ ہی چھوڑا نہ دارا اسی سے سکندر سا فاتح بھی ہارا
ہراک لے کے کیا کیا نہ حسرت سدھارا پڑا رہ گیا سب یونہی ٹھاٹ سارا
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

صدر محترم، حاضرین جلسہ!

''موت'' ہر جاندار کے لئے کتنا خطرناک اور کیسا بھیانک لفظ ہے، موت سے ہر شخص بھاگتا ہے، موت کی تلخ گھونٹ کو کوئی پینا نہیں چاہتا، موت کی آواز کوئی سننا نہیں چاہتا، موت جو ایک حقیقت ہے مگر کون ہے؟ اس حقیقت سے آنکھیں ملا سکے، کس میں جرأت ہے جو اس لفظ جو اس لفظ کو سنے اور اس کے بدن میں جھرجھری طاری نہ ہو۔ موت کو کوئی بھی اپنے قریب آنا بالکل پسند نہیں کرتا، مگر اس کے باوجود موت ہر ایک کے پاس آتی ہے۔ کبھی دبے پاؤں آتی ہے، کبھی اعلان کرتی ہوئی آتی ہے۔ موت کا تلخ جام ہر ایک کو پینا پڑتا ہے، خواہ پینا گوارہ کرے یا نہ کرے، موت کے آگے کسی کی زور زبردستی نہیں چل سکتی۔ موت کے خوفناک پنجوں سے زور آزمائی کسی کے بس کی بات نہیں۔

''موت'' ہر ایک کے پاس آتی ہے۔ شاہ ہو یا گدا، امیر ہو یا غریب، آقا ہو یا غلام، عالم ہو یا جاہل، پاگل ہو یا عاقل، ضعیف و ناتواں ہو یا قوی و طاقتور مرد ہو یا عورت، پیر ہو یا جوان، خورد ہو یا کلاں، محلوں میں زندگی گزارنے والا ہو یا پھونس کی جھونپڑی میں، شہر کا باسی ہو یا دیہات کا رہنے

والا، جنگل و بیابان میں رہتا ہو یا آباد مقامات پر، موت کسی کو نہیں چھوڑتی۔ موت کا ہر ایک پر یکساں حکم چلتا ہے۔ موت کی گرفت سے کوئی بھی آزاد نہیں، موت سے کوئی نہیں بھاگ سکتا۔

﴿قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾

"آپ فرما دیجئے! جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تمہیں آ پکڑے گی، پھر تم اس ذات کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو ہر پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والی ہے پھر وہ تم کو تمہارے کئے ہوئے سب کام بتا دیگی۔" (جمعہ)

موت سے کس کی رستگاری ہے
آج وہ، کل ہماری باری ہے

سورۂ نساء میں ارشاد باری ہے:

اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ۔

"تم جہاں کہیں بھی رہو، تمہیں موت پالے گی، اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں بند ہو۔"

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

کسی کی موت بے وقت نہیں آتی، ہر شخص اپنے وقت پر مرتا ہے۔ جس شخص کے مرنے کا جو وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے، موت اسی وقت آتی ہے نہ اس کے بعد نہ اس سے پہلے۔

﴿وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ (اعراف۔ ۳۴)

"ہر گروہ کے لئے موت کا ایک وقت مقرر ہے جب ان کا وقت آجاتا ہے تو نہ ایک ساعت آگے جاتا ہے نہ ایک ساعت پیچھے۔"

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا﴾ (نساء)

"اللہ کے حکم اور اللہ کے فیصلے کے بغیر کوئی مر نہیں سکتا۔"

کوئی شخص موت سے اس لئے نہیں بچ سکتا کہ وہ اپنے مکان کی سکون بخش پناہ گاہ میں تھا اور کوئی اس لئے نہیں مر سکتا کہ وہ میدان جنگ میں موت سے پنجہ آزمائی کر رہا ہے، موت اگر ہوگی تو گھر میں بیٹھے بیٹھے اور مسہری پر لیٹے لیٹے آسکتی ہے۔ موت اگر نہیں ہوگی تو میدان کارزار

میں موت کی گرم بازاری میں موت نہ آئے گی۔

سورۂ آل عمران میں منافقین کا ایک قول نقل کرتے ہوئے ارشاد ربانی ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَ قَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾

''یہ وہ لوگ ہیں جو خود تو بیٹھے رہے اور جو لوگ قتال میں گئے ان کے متعلق کہا کہ اگر وہ ہمارا کہا مانتے تو نہ مارے جاتے، اے نبیؐ! آپ کہہ دیجئے تو تم اپنے آپ سے موت کو دفع کرو، اگر تم سچے ہو۔''

یعنی اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ میدان جنگ میں جانے کی وجہ سے فلاں فلاں مارے گئے، اگر وہ تمہاری طرح لڑائی میں نہ جاتے تو نہ مارے جاتے، تو تم میدان جنگ میں گئے نہیں، اب اپنے آپ کو موت کے چنگل سے بچا سکو تو بچالو، ظاہر ہے کہ کوئی بھی خود کو موت کی گرفت سے نہیں بچا سکتا خواہ وہ میدان جنگ میں سر دھڑ کی بازی لگا رہا ہو یا گوشہ عافیت سمجھ کر گھر میں بیٹھا ہو، موت جس طرح لڑائی کے میدان میں آتی ہے۔ اسی طرح گھر کی پرسکون چہار دیواری میں بھی موت کے لمبے ہاتھ ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں موت کے ہاتھوں سے کوئی محفوظ نہیں ہے۔

آنے والی کس سے ٹالی جائے گی
جان ٹھہری جانے والی، جائے گی
روح رگ رگ سے نکالی جائیگی
تجھ پہ اک دن خاک ڈالی جائے گی
ایک دن مرنا ہے، آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

بزرگو اور دوستو! جب ساری دنیا کی طرح ہمیں بھی ایک دن جانا اور کوچ کرنا ہے تو ہم دنیا کی رنگینیوں میں کیوں دل لگائیں، زمانہ کی دلفریبیوں پر کیوں فریفتہ ہوں۔ یہ رنگ رنگیلی دنیا ایک دھوکہ ہے۔ اس کے چکر میں نہ آنے والے ہی حقیقت میں دانا اور سمجھ دار ہیں اور جو دنیا کی رنگینیوں میں کھو گئے ان سے بڑھ کر نادان اور ناسمجھ کوئی نہیں، موت کو ہمیشہ یاد رکھنے والے ان رنگینیوں میں نہیں کھو سکتے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک بار حضور ﷺ نماز کے لئے تشریف لے گئے تو دیکھا کہ کچھ لوگ کھلکھلا کر ہنس رہے ہیں، حضورؐ نے فرمایا:

اَمَا اِنَّكُمْ لَوْ اَكْثَرْتُمْ ذِكْرَهَا ذِمِ اللَّذَّاتِ لَشَغَلَكُمْ عَمَّا اَرٰى الْمَوْتِ فَاكْثِرُوْا

ذِكْرَهَا ذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ۔

''اگر تم لوگ لذتوں کو توڑ دینے والی چیز موت کو زیادہ یاد کرتے تو یہ تم کو اس ہنسی سے روک دیتی جو میں دیکھ رہا ہوں۔ پس تم لوگ لذتوں کو توڑ دینے والی موت کو کثرت سے یاد کرو۔''

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے نبیؐ! مَنْ اَكْيَسُ النَّاسِ وَاَحْزَمُ النَّاسِ (سب سے زیادہ سمجھدار اور سب سے محتاط آدمی کون ہے؟) حضورؐ نے فرمایا:

اَكْثَرُهُمْ ذِكْرًا لِلْمَوْتِ وَاَكْثَرُهُمْ اِسْتِعْدَادًا لِلْمَوْتِ اُولٰئِكَ الْاَكْيَاسُ ذَهَبُوْا بِشَرَفِ الدُّنْيَا وَكَرَامَةِ الْاٰخِرَةِ۔

''جو لوگ موت کو سب سے زیادہ یاد کرنے والے ہوں اور موت کے لئے سب سے زیادہ تیاری کرنے والے ہوں وہی وہ سمجھ دار لوگ ہیں جنہوں نے دنیا اور آخرت کا اعزاز حاصل کرلیا۔''

موت کی یاد کے لئے قبرستان جانا چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ ایک دن ہم کو بھی یہیں آنا ہے۔ اور منوں مٹی کے نیچے دفن ہونا ہے، اعزا و اقرباء دوست و احباب سب چھوڑ کر چلے جائیں گے، کوئی ساتھ نہیں دے گا، صرف اپنے اعمال کام آئیں گے، حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں:

زُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ۔

''قبرستان جایا کرو، یہ موت کو یاد دلاتی ہے۔''

تو برائے بندگی ہے یاد رکھ
بہر سرافگندگی ہے یاد رکھ
ورنہ پھر شرمندگی ہے یاد رکھ
چند روزہ زندگی ہے یاد رکھ
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

❁❁❁

ترے دین و ادب سے آ رہی ہے بوئے رہبانی
یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالمِ پیری
(اقبال)

آخرت

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ رَبَطَ بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ بِقُوَّةِ الْاِسْلَامِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنَامِ اَمَّا بَعْدُ

صدر محترم، حاضرین مجلس!

یہ دنیا جس میں ہم اور آپ بستے ہیں اللہ نے پیدا کی ہے، اللہ نے اس دنیا میں ہر طرح طرح کی مخلوقات پیدا کی ہیں، مخلوقات میں کسی کا درجہ بڑا بنایا، کسی کا کم، کوئی اشرف المخلوقات ہے، کوئی ازل المخلوقات، کوئی دونوں کے بیچ بیچ انسان اشرف المخلوقات ہے، لہٰذا اس کے اوپر ذمہ داریاں بھی زیادہ ہیں اور اس کے فرائض بھی بے شمار ہیں۔ اللہ نے انسان کو مکرم بنایا، اس کو بزرگی و مرتبہ کا حامل بنایا۔ اس لئے اللہ کے سامنے وہ جوابدہ بھی سب سے زیادہ ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ نزدیکاں رابیش بود حیرانی۔

انسان غیر ذمہ دارانہ زندگی نہیں گزار سکتا، وہ قدم قدم پر اپنے اعمال کا جوابدہ ہے۔ اس سے اس کے ہر ہر عمل اور ہر حرکت وسکون کی پرسش ہوگی، اس نے کیا بات صحیح کہی کیا غلط، اس کا کس چیز کی طرف نظر ڈالنا جائز تھا، کدھر جائز نہ تھا، اس نے کون سا قدم صحیح اٹھایا کون غلط، اس نے کس معاملہ میں اپنے دست و بازو کو صحیح استعمال کیا، کس میں غلط، اس کے کون سے اعمال جائز تھے کون ناجائز۔

آخرت اسی جوابدہی اور باز پرس کے مرحلے کا نام ہے۔

انسان یہ نہ سمجھے کہ مرنے کے بعد اس کی چھٹی ہوگئی، اس کو اس کے اعمال کی جزا و سزا نہ ملے گی۔ یہی دنیاوی زندگی ہی اصل زندگی ہے، اس کے بعد کوئی زندگی نہیں، اگر کوئی شخص یہ سوچتا ہے، تو غلط سوچتا ہے، وہ بہت بڑے دھوکے اور فریب میں مبتلا ہے، یہ فریب کسی اور نے اس کو نہیں دیا وہ خود اپنے آپ کو فریب دے رہا ہے، وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہے، اتنا زبردست دھوکہ کہ زندگی میں اسے کبھی اتنے زبردست دھوکے سے سابقہ نہ پڑا ہوگا۔ جب آخرت کی زندگی سامنے آجائے گی تو آنکھوں سے پردہ ہٹ جائے گا، جس زندگی کا وہ انکار کر رہا تھا، جس زندگی کا وہ مذاق اڑا

رہا تھا، وہی زندگی اس کے سامنے موجود ہوگی اور وہ عرصہ محشر میں اپنے اعمال کی پرسش کے لئے دست بستہ کھڑا نظر آئے گا۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ط وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ۔ (آل عمران)

''ہر نفس موت کا مزا چکھنے والا ہے اور تم کو قیامت کے دن تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ پس جو شخص جہنم سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ پورا کامیاب ہوا۔ اور دنیاوی زندگی دھوکے کی پونجی کے سوا کچھ نہیں ہے۔''

سورہ صافات میں ہے:

﴿أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ○ أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ○ قُلْ نَعَمْ وَأَنْتُمْ دَاخِرُونَ ○ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُونَ ○ وَقَالُوا يَا وَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّينِ ○ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ﴾

''(منکرین آخرت آپ سے سوال کرتے ہیں کہ) کیا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہی ہڈیاں ہو گئے تو کیا ہم اٹھائے جائیں گے؟ کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی اٹھائے جائیں گے؟ آپ فرما دیجئے کہ ہاں (تم اٹھائے جاؤ گے) اور ذلت کی حالت میں ہو گے، وہ ایک ہی جھڑکی ہوگی پس وہ دیکھنے لگیں گے وہ کہیں گے ہائے ہماری خرابی، یہ بدلے کا دن آ گیا (جواب ملے گا) ہاں یہی ہے وہ فیصلہ کا دن جس کو تم جھٹلاتے تھے۔''

بزرگو اور دوستو! آخر انسان کو دوبارہ کیوں پیدا کیا جائے گا، اس کے اعمال کی جزا اور سزا کیوں ہوگی؟ آیئے اس سوال پر غور کریں۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اس دنیا میں ہر طرح کے لوگ آباد ہیں، ظالم بھی، مظلوم بھی، شریف بھی، شریر بھی، مفسد بھی، مصلح بھی، خدا کے تابعدار بھی، خدا کے باغی بھی، غریبوں کو چوسنے والے بھی، غریبوں کی مدد کرنے والے بھی، ظلم و زیادتی کرنے والے بھی، حق و انصاف دینے والے بھی، خدا کے ماننے والے بھی، خدا کا انکار کرنے والے بھی۔

کیا آپ کی عقل ان تمام لوگوں کے بارے میں یہ باور کرنے کے لئے تیار ہے کہ سب کا انجام یکساں ہو، ظالموں کو ظلم کی سزا نہ ملے، مظلوموں کی داد رسی نہ ہو، خدا کے تابعداروں کو اجر و ثواب نہ ملے، خدا کے باغیوں کو سزا نہ دی جائے، مفسدوں کی کوئی گرفت نہ ہو، مصلحین کو کوئی انعام و اکرام نہ ملے۔

ظاہر ہے کہ عقل دونوں کے برابر کرنے کا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ سورہ قلم میں ہے أَفَنَجْعَلُ

الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ (کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ ہم فرمانبرداروں اور نافرمانوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کریں۔

لیکن اس دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص زندگی بھر خدا کی نافرمانی کرتا ہے، دوسروں پر مظالم ڈھاتا ہے، خدا کے احکام وفرمودات کی مسلسل خلاف ورزی کرتا ہے۔ ہمہ وقت فساد وبگاڑ کی باتیں سوچتا ہے اس کے باوجود دنیا میں اسے کوئی سزا نہیں ملتی، بلکہ زندگی بھر بڑے چین وآرام سے رہتا ہے، کبھی اسے کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوتی۔

دوسری طرف ایک شخص بڑا عابد وزاہد ہے۔ خدا اور رسول کے احکام وفرمودات پر چلنے والا ہے۔ ظلم وزیادتی اور فساد وبگاڑ کی باتوں سے دور رہتا ہے، کبھی کسی کا دل نہیں دکھاتا، بڑا شریف اور سیدھا سادہ ہے۔ ہر شخص اس کی نیکی اور شرافت کی تعریف کرتا ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں اسے اس کی شرافت، اس کی نیکی، اس کی اطاعت وفرمانبرداری کی کوئی جزا نہیں ملتی، بجائے اسکے وہ زندگی بھر پریشان رہتا ہے، نت نئی مصیبتوں میں گرفتار رہتا ہے، کبھی اسے چین وسکون نصیب نہیں ہوتا۔

سوچئے عقل کیا کہتی ہے؟ کیا کوئی ایسا دن نہیں ہونا چاہیے، جس دن ظالم کو ظلم کی سزا ملے، مجرم کی گرفت ہو، نیک کو نیکی کا بدلہ ملے، دنیا میں تو اکثر ایسا نہیں ہوتا، اگر کسی کو جزا یا سزا مل بھی جائے تو اعمال کے اعتبار سے بہت کم ہوتی ہے تو کیا اس دنیا کے علاوہ کوئی دن ایسا نہیں ہونا چاہیے جس دن ہر ایک کو اس کے اعمال کا، خواہ وہ بھلے ہوں یا برے، پورا پورا بدلہ دیا جائے۔ کسی کے ساتھ ظلم نہ ہو ہر ایک کو انصاف ملے، ضرور ایسا دن ہونا چاہیے اور اسی دن کا نام "یوم آخرت" ہے، اگر خدا کے یہاں بھی نیک وبد، شریف وشریر، مفسد ومصلح ایک ہی خانہ میں رکھ دئے گئے تو یہ سراسر اندھیر نگری ہوگی۔ حالانکہ خدا کے یہاں پورا پورا انصاف ہوگا مجرم اور غیر مجرم دونوں برابر کے درجے میں نہیں رکھے جاسکتے۔ اللہ کی ہستی تو بہت بلند ہے، کسی شریف آدمی کے بھی شایان شان نہیں کہ وہ ظالم ومظلوم، مطیع ونافرمان، مفسد ومصلح کے ساتھ یکساں برتاؤ کرے۔

محترم حضرات! آخرت کا دن، کھرے اور کھوٹے کو الگ کرنے کا دن ہوگا، ظالم ومظلوم میں حد فاصل کھینچنے والا دن ہوگا، فرمانبردار اور نافرمان کو ممتاز کردینے کا دن ہوگا۔ وہاں کوئی لگی لپٹی نہ رکھی جائے گی، وہاں کوئی دھاندلی نہ چلے گی۔ وہاں کوئی اثر ورسوخ کام نہ دے گا، وہاں انصاف ہوگا، صرف انصاف اور مکمل انصاف۔

آخرت کا دن ہمیں ہر کام سے پہلے سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ ہمارا کام اچھا ہے یا برا، جائز

ہے یا ناجائز؟ کیونکہ ہمارے کام اور ہمارے عمل کا تعلق صرف ہماری اس دنیا سے نہیں ہے، آخرت کی دنیا سے بھی ہے۔ لہٰذا ہمیں ہر قدم اٹھاتے وقت یہ سوچ لینا چاہیے کہ ہمیں آخرت میں اللہ کے سامنے اس کا جواب دینا ہے، اور اسی کے مطابق جزاء وسزا کے لئے تیار رہنا ہے۔

جو لوگ اپنی آخرت کو یاد رکھتے ہیں، ذمہ دارانہ زندگی گزارتے ہیں، آخرت کی جوابدہی اور باز پرس پر ہمیشہ نظر رکھتے ہیں۔ ان کا ہر قدم لرزتے ہوئے اٹھتا ہے۔ ہر فعل پرسش داور کی فکر کے ساتھ انجام پاتا ہے، ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

خبر نہیں کیا ہے نام اس کا، خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ہوا، مسلمان بنا کے تقدیر کا بہانہ

قبر کی منزل

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَزَلْ عَالِمًا قَدِیْرًا حَیًّا قَیُّوْمًا سَمِیْعًا بَصِیْرًا وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاُکَبِّرُہٗ تَکْبِیْرًا وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ الَّذِیْ اَرْسَلَہٗ اِلَی النَّاسِ کَآفَّۃً وَّبَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا اَمَّا بَعْدُ۔

محترم بزرگو اور دوستو!

آخرت کی منزلوں میں سب پہلی منزل قبر ہے۔ اگر یہ منزل آسانی سے طے ہوگئی تو بعد والی منزلیں بھی آسان ہوں گی، لیکن اگر قبر کی منزل سخت ہوگئی تو بعد کی منزلیں اور بھی زیادہ سخت ہوں گی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جب کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی لوگوں نے ان سے کہا آپ کے سامنے جنت اور دوزخ کا ذکر ہوتا ہے، جنت کے ثواب اور جہنم کے عذاب کا تذکرہ ہوتا ہے مگر آپ اس پر اس قدر نہیں روتے جتنا قبر کو دیکھ کر روتے ہیں؟ حضرت عثمانؓ نے فرمایا:

اِنَّ الْقَبْرَ اَوَّلُ مَنْزِلٍ مِّنْ مَنَازِلِ الْاٰخِرَۃِ فَاِنْ نَجٰی مِنْہُ فَمَا بَعْدَہٗ اَیْسَرُ مِنْہُ وَاِنْ لَّمْ یُنْجَ مِنْہُ فَمَا بَعْدَہٗ اَشَدُّ مِنْہُ۔

"قبر آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل ہے، اگر اس سے نجات مل گئی تو اس کے بعد کی منزل اس سے کہیں زیادہ آسان ہوگی، لیکن اگر اس سے نجات نہ ملی تو بعد کا مرحلہ اس سے کہیں زیادہ سخت ہوگا۔"

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَارَاَیْتُ مَنْظَرًا قَطُّ اِلَّا وَالْقَبْرُ اَفْظَعُ مِنْہُ۔ (ابن ماجه)

"میں نے قبر سے زیادہ خوفناک کوئی منظر نہیں دیکھا۔"

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فتنہ قبر کا ذکر کیا اور اس طرح بیان کیا کہ لوگ دہاڑیں مار مار کر رونے لگے اور اس قدر کہرام برپا ہوگیا کہ

میں بات نہیں سمجھ سکی کہ کیا معاملہ ہے۔ جب سکون ہوا تو میں نے اپنے قریب ایک آدمی سے پوچھا کہ ابھی حضورؐ نے کیا فرمایا تھا اس نے جواب دیا کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

قَدْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّکُمْ تُفْتَنُوْنَ فِی الْقُبُوْرِ قَرِیْبًا مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ۔

''میری جانب وحی کی گئی ہے کہ تم لوگ فتنہ دجال سے پہلے فتنہ قبر میں مبتلا کئے جاؤ گے۔''

محترم دوستو! کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ جب قبر یہ نہ کہتی ہو میں بیگانگی کا گھر ہوں، میں تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی کا گھر ہوں، میں کیڑے مکوڑوں کا گھر ہوں، جب بندہ مومن دفن کیا جاتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے تیرا آنا مبارک ہو، میری پشت پر جو لوگ چلتے تھے ان میں تو مجھے سب سے محبوب تھا۔ اب جبکہ تو میرے سپرد کیا گیا ہے تو اپنے ساتھ میرا معاملہ دیکھنا کہ میں تیرے ساتھ کتنا اچھا سلوک کرتی ہوں، اس کے بعد حد نگاہ تک قبر کشادہ ہو جاتی ہے اور جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔

لیکن جب فاسق وفاجر یا کافر بندہ قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے تیرا آنا مبارک ہو، جو لوگ میری پشت پر چلتے تھے ان میں تو میرے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض تھا، آج جب تو میرے حوالے کیا گیا تو دیکھنا کہ میں تجھ کو کس طرح سزا دیتی ہوں، اس کے بعد قبر اس مردہ کو اس طرح بھینچتی ہے کہ دائیں طرف کی پسلیاں، بائیں طرف کی پسلیوں میں اور بائیں طرف کی پسلیاں دائیں طرف کی پسلیوں میں گھس جاتی ہیں اور اس پر ستر اژدھے اور دوسری روایت کے مطابق ننانوے اژدھے مسلط کر دیئے جاتے ہیں، جن کا حال یہ ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک بھی زمین پر پھونک مار دے تو قیامت تک زمین پر کچھ نہ اُگے، وہ اژدھے اسے مسلسل ڈستے رہتے ہیں اور قیامت تک ڈستے رہیں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

اِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ۔

''قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڈھوں میں سے ایک گڈھا۔''

یعنی نیک بندوں کے لئے قبر جنت کا باغ بن جاتی ہے اور بدکاروں کے لئے دوزخ کا گڑھا۔ اب یہ انسانوں پر منحصر ہے کہ وہ اپنی قبر کو جنت کا باغ بنانا چاہتے ہیں یا دوزخ کا گڑھا۔ قبر بذات خود جنت کا باغ ہے نہ دوزخ کا گڑھا، انسان کا عمل ہی اپنی قبر کو جنت کا باغ یا دوزخ کا گڑھا بناتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب مردہ قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جن کا رنگ کالا اور آنکھیں نیلی ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک کو منکر دوسرے کو نکیر

کہتے ہیں، وہ مردہ سے تین سوالات کرتے ہیں مَنْ رَبُّكَ (تمہارا رب کون ہے؟) مَا دِيْنُكَ (تمہارا دین کیا ہے؟) مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ (تم محمد ﷺ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہو؟) اگر نیک بندہ ہوتا ہے تو جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، میرا دین اسلام ہے، میرے نبی محمد ﷺ ہیں جنہیں اللہ نے حق کے ساتھ مبعوث کیا تھا۔ لہٰذا اس کے لئے جنت کا فرش اور جنت کا لباس عطا کیا جاتا ہے اور جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے جس سے وہاں کی خوشگوار ہوا اور مہک آتی رہتی ہے، فرشتے اس نیک بندے سے کہتے ہیں سو جا جیسے دلہن سوتی ہے کہ اس کو شوہر کے علاوہ کوئی نہیں جگاتا، اسی طرح تو بھی قیامت تک کے لئے آرام سے سوجا وہ کہتا ہے کہ میں جاؤں ذرا اپنے گھر والوں کو اپنا حال بتا دوں، فرشتے کہتے ہیں نہیں اب تم واپس نہیں جاسکتے۔ یہاں آنے کے بعد واپسی کا قانون نہیں ہے، بس تم سو جاؤ۔

بندۂ مومن کو منکر نکیر کے سوالات کے جوابات میں جو کامیابی حاصل ہوتی ہے اور جس کی وجہ سے قبر میں اس کے ساتھ انعام و کرام کا معاملہ ہوتا ہے اس کے متعلق سورۂ ابراہیم میں ہے:

﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ﴾

ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ اس پکی بات (کلمۂ طیبہ) سے دنیا و آخرت میں مضبوط رکھتا ہے۔''

لیکن فاسق و فاجر اور بدکار شخص ہر سوال کے جواب میں یہی کہتا ہے هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ (ہائے افسوس میں نہیں جانتا) لہٰذا حکم ہوتا ہے کہ اس کے لئے جہنم کا بستر بچھادو اور جہنم کا لباس پہنا دو اور جہنم کا دروازہ کھول دو، چنانچہ جہنم کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ جہنم کی گرم گرم ہوا آنے لگتی ہے اور اس کی قبر اس قدر تنگ کر دی جاتی ہے کہ پسلیاں ایک دوسرے گھسنے لگتی ہیں۔ پھر ایک اندھا اور بہرا فرشتہ اس پر عذاب دینے کے لئے مسلط کر دیا جاتا ہے جو قیامت تک ایک لوہے کے گرز سے اس کی پٹائی کرتا رہتا ہے۔ مردہ درد اور تکلیف کے مارے چیختا ہے، اس کے چیخنے کی آواز جنات اور انسان کے علاوہ ساری مخلوق سنتی ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ قبیلہ بنونجار کے ایک باغ تشریف لے جارہے تھے، اچانک وہ خچر جس پر حضور سوار تھے بہت تیز بدکا اور اتنی تیز بدکا اور کہ ڈر تھا کہ کہیں حضور کو گرا نہ دے اس جگہ پانچ، چھ قبریں تھیں، حضور نے فرمایا ان قبر والوں کو کون پہچانتا ہے؟ ایک شخص نے عرض کیا کہ میں پہچانتا ہوں، حضور نے دریافت کیا یہ کس حال میں مرے تھے؟ اس نے جواب دیا فِي الشِّرْكِ (شرک میں) حضور نے فرمایا ان لوگوں کے قبر میں عذاب ہو

رہا ہے، اور اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم لوگ اپنے مُردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ سے دعاء کرتا کہ تم کو بھی اس قبر کے عذاب کا کچھ حصہ سنا دے جو میں سُن رہا ہوں۔

محترم بزرگو اور دوستو! قبر کی منزل بڑی کٹھن ہے، ہم کو قبر کی منزل کے لئے تیار رہنا چاہیے، قبر کی منزل جو عالم برزخ کی منزل ہے، اس سے ہر ایک کو گزرنا ہے خواہ وہ قبر میں دفن کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ بہر حال سوال و جواب اور عذاب و ثواب کے مراحل ہر ایک پر آئیں گے کوئی اس سے بچ نہیں سکتا۔ ہم اپنے عزیزوں کو اپنے ہاتھ سے دفن کرتے ہیں، اپنے رشتہ داروں کو اپنے عزیزوں کے کو اپنے ہاتھ سے دفن کرتے ہیں، اپنے رشتہ داروں کو اپنے ہاتھ سے غسل دے کر، کفن پہنا کر، نماز جنازہ پڑھ کے، ان کے آخری آرام گاہ تک لے جاتے ہیں اور منوں مٹی کے نیچے دفن کر دیتے ہیں، اور پھر پلٹ کر پوچھتے بھی نہیں کہ تمہارا کیا حال ہے؟ تم پر کیا گزری؟ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

يَتْبَعُ الْمَيِّتَ ثَلَاثَةٌ فَيَرْجِعُ اِثْنَانِ وَيَبْقٰى مَعَهٗ وَاحِدٌ يَتْبَعُهٗ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ وَعَمَلُهٗ فَيَرْجِعُ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ وَيَبْقٰى عَمَلُهٗ۔

"میت کے پیچھے تین چیزیں جاتی ہیں، ان میں سے دو لوٹ آتی ہیں اور ایک اس کے ساتھ رہ جاتی ہے۔ اسکے پیچھے اس کے رشتہ دار، اس کا مال اور اس کا عمل جاتا ہے۔ رشتہ دار اور مال واپس آجاتے ہیں اور عمل ساتھ رہتا ہے۔"

میرے عزیز بھائیو!

سوچنے کا مقام ہے کہ وہ عمل جو قبر کی کٹھن گھڑی میں کام آنے والا ہے، وہ ہمارے پاس کتنا ہے؟ اور وہ آل و اولاد، اور وہ مال و متاع جو اس مشکل وقت میں ہمارا ساتھ چھوڑ دیں گے ان کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کے لئے ہم کتنے فکر مند ہیں؟ جمع کرنے کی کیا چیز ہے اور ہم جمع کیا کر رہے ہیں؟ حاصل کرنے کی کیا چیز ہے اور ہم حاصل کیا کر رہے ہیں؟

جوہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے اوجھل تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں

میدان حشر

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ اللَّطِيْفِ الْخَبِيْرِ، الْعَالِمِ بِالظَّاهِرِ وَمَا يُكِنُّهُ الضَّمِيْرُ لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْبَشِيْرِ اَمَّا بَعْدُ۔

محترم حضرات!

قبر کی منزل کے بعد آخرت کی دوسری منزل حشر کا میدان ہے، جہاں ابتدائے دنیا سے لے کر انتہائے دنیا کے تمام انسان جمع ہوں گے، نفسی نفسی کا عالم ہوگا، کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا۔ سب کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔ حشر کا میدان اس وقت قائم ہوگا جب قیامت آئے گی، اور قیامت اس وقت آئے گی جب حضرت اسرافیل صور پھونکیں گے، ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ○ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ○ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَا اِلٰى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ (یسین)

''اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو۔ نہیں دیکھیں گے یہ مگر ایک دہشتناک آواز کو جو انہیں آ پکڑے گی اور وہ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے، پھر نہ کوئی وصیت کر سکیں گے، نہ اپنے گھروں کو واپس جا سکیں گے۔''

قیامت کا منظر بڑا ہولناک ہوگا۔ کائنات عالم درہم برہم ہو جائے گی، پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اُڑتے پھریں گے، آسمان و زمین، چاند، سورج، ستارے سب ٹوٹ پھوٹ جائیں گے، ہر شے پر فنا طاری ہو جائے گی اور ایک ذات واحد، مالک الارض والسمٰوت کے سوا کوئی باقی نہ رہے گا۔

سورۂ حج میں ارشاد باری ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ○ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى

النَّاسَ سُكٰرٰى وَ مَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ﴾

''لوگو! اپنے رب سے ڈرو، بے شک قیامت کا زلزلہ، ایک بہت بڑی چیز ہے۔ جس دن اس کو دیکھو گے بھول جائے گی ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پلائے کو، اور ڈال دے گی ہر حمل والی اپنا حمل اور تو دیکھے گا لوگوں کو نشہ میں اور حقیقت میں وہ نشہ نہ ہوگا لیکن اللہ کا عذاب سخت ہے۔''

پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب زندہ ہو ہو کر میدان حشر کی طرف چل پڑیں گے۔

﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ﴾ (یٰسین)

''اور دوبارہ صور پھونکا جائے گا، پس اچانک وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف پھیل پڑیں گے۔''

قبروں سے نکل نکل کر میدان حشر میں جمع ہونے والے کس حال میں ہوں گے؟ بالکل ننگے، جسم پر لباس نام کی کوئی چیز نہ ہوگی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اے اللہ کے رسول ﷺ! اس وقت تو بڑی شرم آئے گی، سب ایک دوسرے کو دیکھیں گے حضور ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! اَلْاَمْرُ اَشَدُّ مِنْ اَنْ يَّنْظُرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ، وہاں ایک دوسرے کو دیکھنے کی فرصت کہاں ہوگی، معاملہ اس سے کہیں زیادہ سخت ہوگا کہ لوگ ایک دوسرے کو دیکھیں۔

سورج بہت نزدیک آجائے گا، اس کی گرمی اور تپش سے لوگ بدحواس اور پریشان ہوں گے، پسینے میں شرابور ہوں گے، لوگ اپنے اپنے اعمال کی مقدار پسینے میں غرق ہوں گے، کوئی ٹخنوں تک پسینے میں ہوگا، کوئی گھٹنوں تک، کوئی کمر تک ڈوبا ہوگا، کوئی منہ تک۔

میدان حشر میں لائے جانے والے تین طرح کے لوگ ہوں گے، کچھ پیدل لائے جائیں گے، کچھ سوار اور کچھ منہ کے بل، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ منہ کے بل کیسے چلیں گے، حضور ﷺ نے فرمایا جس ذات نے انہیں قدموں کے بل چلایا وہی ذات منہ کے بل بھی چلانے پر قادر ہے۔

میدان حشر اس لئے قائم ہوگا تاکہ انسانوں کے اعمال کا حساب ہو کہ کس نے دنیا میں کتنے نیک عمل کئے، کتنے برے، کیا نیکی کی، کیا برائی، نیکی کرنے والوں کو نیکی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور برائی کرنے والوں کی برائی کا پورا پورا بدلہ ملے گا، کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہوگی، کسی پر ظلم وزیادتی نہ ہوگی۔

﴿فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (یٰسین)

''آج کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا، اور جو تم لوگ کرتے تھے اسی کا بدلہ دیئے جاؤ گے۔''

ہر شخص اپنی فکر میں ہوگا، کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا، رشتہ دار اور اعزاء واقربا بھی منہ موڑ لیں گے، وہ لوگ جو دنیاوی زندگی میں ایک دوسرے کی ہمدرد بہی خواہ اور مونس وغم گسار ہوتے ہیں وہ بھی ساتھ چھوڑ دیں گے اپنے قریب بھی نہ آنے دینگے ہر شخص ایک دوسرے سے بھاگے گا۔

﴿یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ○ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ ○ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ ○ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ﴾ (عبس)

''جس دن آدمی اپنے بھائی سے، اپنے ماں باپ سے، اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔ان میں سے ہر ایک کی اس دن ایک ایسی حالت ہوگی جو اسے، دوسرے سے بے نیاز کردے گی۔''

دوست، دشمن بن جائیں گے، اپنے پرائے ہوجائیں گے اور ایک دوسرے سے یوں بھاگیں گے جیسے کبھی کوئی جان پہچان نہ ہو، سورۂ زخرف میں ہے۔

﴿اَلْاَخِلَّاءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ﴾

''دوست ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے سوائے متقیوں کے۔''

یعنی متقی اور پرہیز گار لوگوں کی دوستی اس دن بھی قائم رہے گی لیکن من مانی زندگی گزارنے والے ایک دوسرے کے دشمن نظر آئیں گے۔ایک دوسرے کی نظروں سے چھپے پھریں گے کہ مبادا کوئی نیکی نہ مانگ دے، کوئی مدد کا مطالبہ نہ کردے، وہاں ہر ایک اپنے اعمال کا خود جواب دہ ہوگا، دنیاوی خوشامد وسفارش کا وہاں کوئی گزر نہ ہوگا۔ انسانوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہوگا۔ ہر انسان کے تمام اعزا واقرباء سارے رشتہ دار، سب دوست واحباب، سارے چہیتے اور دلارے وہاں موجود ہوں گے مگر پھر بھی ہر انسان خود کو اکیلا وتنہا محسوس کرے گا۔

عجیب چیز ہے اے دوست عالمِ محشر
بڑا ہجوم ہے پھر بھی ہے ہر بشر تنہا

جب حساب کتاب ہوگا تو انسان جھوٹ بولے گا، اپنی برائیوں کو چھپائے گا۔اپنے گناہوں کا انکار کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کا اعمال نامہ پیش کردیں گے کہ دیکھو یہ ہیں تمہارے کرتوت جو تم نے دنیا میں کئے اور ہمارے فرشتوں نے لکھے ہیں، اگر وہ ان کا بھی انکار کرے گا تو زمین سے گواہی دلوائی جائے گی۔ارشاد باری ہے:

یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا۔

''اس روز زمین اپنی خبریں بیان کردے گی۔''

زمین کی گواہی پر بھی اگر وہ چپ نہ ہوا تو اس کے منہ پر مہر لگا کر اس کے اعضاء سے گواہی لی جائے گی۔ حدیث میں ہے کہ گوشت گواہی دے گا، ہڈی گواہی دے گی، ہاتھ پیر گواہی دیں گے، ران گواہی دے گی، یہ ساری گواہیاں انسان کے خلاف ہوں گی، سارے اعضاء بتائیں گے کہ اس شخص نے کس دن کس عضو سے کون سا گناہ کیا تھا، انسان بدحواس ہوا ٹھے گا اور کہے گا تمہیں کو بچانے کے لئے میں گناہوں کا انکار کرتا رہا، اور تمہیں میرے خلاف گواہی دے رہے ہو، مگر حشر کے میدان میں اس کے اعضاء اس کے قابو میں نہ ہوں گے، سورہ یٰسین میں ہے:

﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾

''آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں ان کے کاموں کی گواہی دیں گے۔''

محترم بزرگو اور دوستو! میدان حشر میں بدحواسی کا یہ عالم ہر ایک کے ساتھ نہ ہوگا، اللہ کے کچھ بندے حشر کے میدان میں بالکل پریشان نہ ہوں گے، ان کا حساب کتاب بھی آسانی سے ہو جائے گا۔ جنت میں داخلہ کی اجازت بھی مل جائے گی، اور حشر کی چلچلاتی دھوپ میں پیاس کے مارے سوکھے ہوئے حلق کو تر کرنے اور پیاس کو بجھانے کے لئے حوض کوثر کا جام بھی حاضر ہوگا۔ ان کے چہروں پر بشاشت ہوگی، ان کے چہرے پرنور ہوگا، طمانیت وسکون کی علامت ہوں گی، یہ وہ نیک بندے ہوں گے جنہوں نے اللہ کی مرضیات کے مطابق زندگی گزاری، جو رسول اللہ ﷺ کے حکموں پر چلتے رہے، جنہوں نے دنیاوی زندگی میں آخرت کی تیاری کی، دنیا کے آرام وراحت میں پڑ کر، عقبیٰ کو فراموش نہیں کیا، جنہوں نے دنیا کی چند روزہ حیات فانی پر، آخرت کی دائمی زندگی کو ترجیح دی، جنہوں نے چار دن کی چاندنی کی خاطر ہمیشہ کا اندھیرا مول نہیں لیا۔ خلاصہ یہ کہ جنہوں نے حشر کے دن کو یاد رکھا تھا اور اس کی پوری تیاری کر کے میدان حشر میں آئے یہی لوگ فلاح یاب وبامراد ہیں۔

بزرگو اور دوستو! یہ دنیا چند روزہ ہے، یہاں کا آرام وچین، یہاں کی تکلیف ومصیبت سب چند روزہ ہے۔ آخرت ایک دائمی زندگی ہے۔ وہاں کی ہر چیز کو دوام ہے، آرام وراحت ہو یا تکلیف ومصیبت، اس لئے ہم کو چاہیے کہ ہم چند روزہ آرام کی فکر میں نہ پڑیں، چند روزہ مصیبت سے پریشان نہ ہوں، دین کی خاطر دنیا کی مصیبت جھیل لیں اور آخرت کی ابدی راحت وآسائش حاصل

کرنے کی فکر کریں تا کہ میدان حشر میں ہمیں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے۔

اس سراب رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو
آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو
یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی، باقی بتانِ آذری

●●●

جنت

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ بَرْحَمُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاء اَحْمَدُهٗ سُبْحَانَهٗ وَاَشْكُرُهٗ عَلَى السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَ اُصَلِّيْ وَ اُسَلِّمُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ الرُّسُلِ وَ سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ۔
اَمَّا بَعْدُ

صدر محترم! حاضرین جلسہ!

وہ کون مسلمان ہوگا جو جنت میں جانے کی تمنا نہ رکھتا ہو، جس کے دل میں یہ جذبہ اور خواہش نہ ہو کہ جنت کی ابدی اور سرمدی نعمتوں سے لطف اندوز ہو، جنت ہر مسلمان کی مرکز توجہ ہے، جنت ہر مسلمان کی آخری خواہش ہے، جنت ہر مومن کا مطلوب و مقصود ہے۔ آخر جنت میں وہ کیا چیز ہے کہ ہر مسلمان اسے حاصل کرنے کے لئے بے چین و بے تاب رہتا ہے۔ آیئے آپ حضرات کے سامنے میں اسی موضوع پر کچھ روشنی ڈالوں۔

جنت جس کی ایک اینٹ سونے کی اور ایک چاندی کی ہے۔ جس کا گارہ تیز خوشبودار مشک ہے۔ جس کی کنکریاں موتی اور یاقوت ہیں، جس کی مٹی زعفران ہے، اسی جنت کے وسعت اور چوڑائی کو سورۂ حدید میں یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿سَابِقُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ﴾

''اپنے رب کی مغفرت اور ایسی جنت کی طرف دوڑو جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت کے برابر ہے۔ جو ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی جنت اور جنت میں ایسی ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی دل میں ان کا خیال گزرا۔

لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ۔

ایک دوسری حدیث میں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جنت میں ایک کوڑا رکھنے کی جگہ بھی دنیا ومافیہا سے بہتر ہے، اگر کوئی جنتی حور زمین کی طرف جھانک دے تو زمین وآسمان کے درمیان کا حصہ روشن ہوجائے۔ اس حور کے سر کا دوپٹہ بھی دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے اس سب سے کہیں بہتر ہے۔ جنت میں ایک درخت ہے جس کا نام ''شجرہ طوبیٰ'' ہے اس کا سایہ طویل وعریض ہے کہ چلنے والا سو سال تک چلتا رہے تب بھی سایہ ختم نہ ہوگا۔ جنت میں جانے والے ہمیشہ ناز ونعمت میں رہیں گے، نہ انہیں کبھی تھکاوٹ گھیرے گی، نہ ان کے کپڑے پرانے ہوں گے، نہ ان کی جوانی فنا ہوگی۔ ادنیٰ جنتی کا بھی یہ حال ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس سے ارشاد فرمائے گا تَمَنَّ (تمنا کر) وہ تمنا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی تمنا پورا کرے گا۔ اسی طرح اس سے بار بار تمنا کرنے کے لئے کہا جائے گا، جب اس کی تمناؤں کا سلسلہ ختم ہوجائے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا لَكَ مَا تَمَنَّيْتَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ (تم کو میں نے وہ سب دیا جس کی تم نے تمنا کی اور اتنا ہی اور بھی)۔

جنت میں سو درجے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان سو سال کا فاصلہ ہے اور ہر درجہ کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ ساری کائنات کے لوگ صرف ایک درجہ میں ہی سما سکتے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں سب سے ادنیٰ جنتی کا یہ حال ہوگا کہ اس کے پاس اسی ہزار خادم ہوں گے۔ بہتر حوریں ہوں گے۔

موتی، زبرجد اور یاقوت کا ایک اتنا بڑا قبہ تیار کیا جائے گا۔ جو ملک شام کے مقام جابیہ سے لے کر ملک یمن کے مقام صنعا تک وسیع وعریض ہوگا۔ سب اہل جنت تیس سال کے ہوں گے، ان کے قد ساٹھ ہاتھ کے ہوں گے۔ ان کو ایسے تاج پہنائے جائیں گے جس کا معمولی موتی بھی مشرق ومغرب کو روشن کردے گا۔

جنت میں سونے اور چاندی کے برتن ہوں گے، مسہریاں اور گاؤ تکیے لگے ہونگے اور ہر طرح کا آرام وراحت جس کا انسان تصور بھی نہیں کرسکتا۔ وہاں موجود ہوگا، ہر کام کے لئے خدمت گار حاضر ہوں گے، اہل جنت، جنت میں ہمیشہ رہیں گے، کبھی جنت سے نکالے نہیں جائیں گے۔ کبھی ان پر موت طاری نہ ہوگی۔ جنت میں دودھ، شہد اور شراب کی نہریں جاری ہونگی جو چیز چاہیں گے، جتنا چاہیں گے، کھائیں پئیں گے۔ جنت میں آزادی کے ساتھ جہاں چاہیں گے گھومیں پھریں گے۔ اہل جنت کا سب سے بڑا اکرام یہ ہوگا کہ اللہ ان سے راضی ہوگا، اللہ کے رسول ﷺ ان سے راضی ہونگے۔

محترم حضرات! کیا یہ جنت یونہی مل جائیگی کیا اس کے لئے کچھ کرنا نہ پڑیگا۔ دنیا میں ہم

دیکھتے ہیں کہ معمولی سے معمولی چیز حاصل کرنے کے لئے ہوتی، تو بتایئے کہ ایسی عیش وآرام والی جنت، اتنے انعام واکرام والی جنت کیا بلا محنت مل جائیگی؟ نہیں ہرگز نہیں، جنت حاصل کرنے کے لئے بھی کوشش کرنی پڑیگی، بنا کوشش جنت نہ ملے گی۔ جنت حاصل کرنے کی کوشش یہ ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکموں پر چلیں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات کی تابعداری کریں خواہشات نفس پر چلنا چھوڑ دیں نفس کے بندے نہ بنیں، اللہ کے بندے بن جائیں، تب بلا شبہ اللہ ہم سے راضی ہو جائے گا۔ اور ہم کو اس جنت میں داخل کرے گا جس کا اس نے اپنے نیک بندوں سے وعدہ فرمایا ہے اور جس سے بڑھ کر کوئی کامیابی نہیں ہے۔ خدا ہم سب مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

دوزخ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ الْمُصْطَفٰی الْمُخْتَارِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الْاَخْیَار اَمَّا بَعْدُ

محترم بزرگو اور دوستو!

اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے ہم کو دوزخ کے عذاب سے بار بار ڈرایا ہے، دوزخ بڑی خوفناک جگہ ہے، دوزخ بہت برا ٹھکانا ہے۔ دوزخ میں آگ ہے، اژدھے اور بچھو ہیں، قسم قسم کے زہریلے جانور ہیں، طرح طرح کے خطرناک عذاب ہیں، دوزخ کی آگ اندھیری رات کی طرح بالکل سیاہ ہے اس کی لپیٹ میں روشنی نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دوزخ کی آگ کو ایک ہزار برس تک دھونکا گیا تو وہ سرخ ہوگئی، پھر ایک ہزار برس تک دھونکا گیا تو سفید ہوگئی، پھر ایک ہزار برس تک دھونکا گیا تو سیاہ ہوگئی۔ اور اب سیاہ ہی ہے وہاں بالکل تاریکی اور گپ اندھیرا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تمہاری آگ جسے تم اپنے گھروں میں جلاتے ہو، دوزخ کی آگ کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! جلانے کے لئے تو یہی آگ کافی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا مگر دوزخ کی آگ اس آگ سے انہتر گنا بڑھ کر ہے۔ یہ تو دوزخ کی آگ کا عالم ہے اور دوزخ کی گہرائی کا یہ عالم ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ہم نے کسی چیز کے گرنے کی آواز سنی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ یہ کس کی آواز ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ "اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں۔" حضور ﷺ نے فرمایا: "یہ جہنم کی تہہ میں پتھر گرنے کی آواز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پتھر کو ستر سال پہلے جہنم کے منہ پر گرنے کے لئے چھوڑا تھا۔ اب یہ جہنم کی تہہ میں پہنچا ہے۔

جہنمیوں کو دیکھ کر جہنم بھڑک اٹھے گی اور اس کے شعلے بلند ہونے لگیں گے۔

سورہ ملک میں ہے:

﴿وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○ اِذَا اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ○ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ﴾ (پ ۲۹)

''جو لوگ اپنے رب کا انکار کرتے ہیں ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے، جب یہ لوگ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کی ایک بڑی زور کی آواز سنیں گے اور وہ اس طرح جوش مارے گی جیسے ابھی غصہ کی وجہ سے پھٹ پڑیگی۔''

دوزخ میں سب سے ہلکا عذاب یہ ہوگا کہ دوزخی کو آگ کا جوتا پہنا دیا جائے گا جس کی گرمی سے اس کا دماغ کھولے گا، وہ سمجھے گا کہ سب سے زیادہ عذاب مجھی کو ہو رہا ہے حالانکہ وہ سب سے ہلکا عذاب ہوگا۔

جہنمی انتہائی بدصورت اور سیاہ بنے ہوئے ہونگے، وہ موت موت پکاریں گے مگر انہیں موت نہ آئیگی، وہ رونا چاہیں گے تو رو نہ سکیں گے کیونکہ آنسو ختم ہو چکے ہوں گے، لہٰذا آنسو کی جگہ آنکھوں سے خون بہے گا۔ آنسو بہنے کی جگہ نہر اور نالی کی طرح گڑھے پڑ جائیں گے آنکھ زخمی ہو جائے گی، وہ بھوک بھوک چلائیں گے تو انہیں کھانے کے لئے آگ کے کانٹے دیئے جائیں گے۔ جن سے نہ بھوک مٹے گی نہ پیٹ بھرے گا، پھر چلائیں گے تو انہیں گلے میں اٹکنے والا کھانا دیا جائے گا، لہٰذا اس اٹکے ہوئے کھانے کو نیچے اتارنے کے لئے پانی مانگیں گے اس پر انہیں کھولتا ہوا پانی دیا جائیگا کہ چہرے کے قریب آتے ہی وہ چہرہ کو بھون ڈالے گا، اور جب وہ پیٹ میں پہنچے گا تو پیٹ کی آنتوں کو کاٹ کر رکھ دے گا۔ جہنمیوں کو پیپ، خون اور کڑوے پھل کھانے کو دیئے جائیں گے، اونٹ کے برابر سانپ اور خچر کے برابر بچھو اس پر ڈسنے کے لئے مسلط کر دیئے جائینگے۔ گرم گرم پانی سر پر ڈالا جائے گا۔ لوہے کے گرز سے پٹائی ہوگی، کھال پلٹ دی جائیگی۔ لمبی لمبی زنجیروں میں جکڑے جائیں گے گلے میں طوق پڑا ہوگا۔ گندھک کے کپڑے پہنائے جائیں گے تاکہ آگ تیزی کے ساتھ لگے۔ جہنمی کو اگر یہ اجازت مل جائے کہ وہ دنیا اور دنیا کی ساری چیزوں کو دے کر اپنے آپ کو جہنم سے بچالے تو وہ اس کے لئے دل و جان سے تیار ہوگا مگر وہاں یہ سب کچھ نہ ہوگا۔ جہنم سے نجات پانے کی کوئی راہ نہ ہوگی۔ عذاب الٰہی بھگتنا پڑے گا۔

محترم حضرات! کہاں تک بتایا جائے کہ جہنم کتنی خوفناک اور خطرناک جگہ ہے، اور اس میں کیا کیا عذاب ہے۔

ہمیں اور آپ کو یہ سوچنا اور دیکھنا ہے کہ جہنم کے اس دردناک عذاب میں کون لوگ مبتلا کئے جاتے ہیں اور کون لوگ ہیں جو اس سے نجات پاکر جنت کے ابدی انعامات کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لَا یَدْخُلُ النَّارَ اِلَّا شَقِیٌّ۔

''جہنم میں وہی داخل ہوتا ہے جو بد بخت ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! بد بخت سے کون مراد ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لَمْ یَعْمَلْ لِلّٰہِ بِطَاعَۃٍ وَ لَمْ یَتْرُکْ لَہٗ بِمَعْصِیَۃٍ۔

''جو اللہ کی رضا کے لئے عمل نہ کرے اور جو اللہ کی رضا کے لئے گناہ ترک نہ کرے۔''

بزرگو اور دوستو!

یہیں سے سمجھ میں آ گیا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کی فکر نہ کرنا جہنم میں جانے کا راستہ ہے اور اللہ کی مرضی پر چلنا اور اُس کی خوشنودی کے لئے گناہوں کو چھوڑ دینا جہنم سے نجات دلانے اور جنت میں لیجانے کا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

❁❁❁

کامیاب کون؟

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ تَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

صدر محترم، حاضرین مجلس!

دنیا میں کامیابی اور کامرانی کا الگ الگ معیار ہے، جو جس لائن اور جس شعبے سے تعلق رکھتا ہے، اس نے اسی اعتبار سے معیار بنایا ہے، طالب علم کی کامیابی امتحان میں پاس ہو جانا ہے۔ ڈاکٹر کی کامیابی یہ ہے کہ اس کا مطلب چلنے لگے، وکیل کی کامیابی یہ ہے کہ اس کی وکالت چمک جائے، استاذ کی کامیابی یہ ہے کہ شاگرد اس کی تعلیم سے مطمئن ہوں، تاجر کی کامیابی یہ ہے کہ اس کا کاروبار دن دونی رات چوگنی ترقی کرتا جائے، صنعت کار کی کامیابی یہ ہے کہ اس کی مصنوعات کی مارکیٹ میں مانگ پیدا ہو جائے، سیاست دان کی کامیابی یہ ہے کہ وہ اسمبلی و پارلیمنٹ کا ممبر بن جائے، ایم، پی اے اور ایم این اے کی کامیابی یہ ہے کہ اسے ملازمت مل جائے، ملازم کی کامیابی یہ ہے کہ اسے عہدہ و منصب مل جائے۔ غرضیکہ ہر ایک کی کامیابی اس کے اختیار کردہ طریقہ کے اعتبار سے ہے، اس میں مدارج ترقی طے کرتے جانا کامیابی کی دلیل اور علامت ہے اور اسی حال پر رہ جانا، یا اُلٹی چال چلنے لگنا ناکامی کی دلیل اور علامت ہے۔

کامیابی اور ناکامی کا یہ انداز دنیا میں روزانہ برتا اور استعمال کیا جاتا ہے اسی سے ہر ایک کے کامیاب اور ناکام ہونے کی پرکھ ہوتی ہے۔ جانچ پڑتال ہوتی ہے۔

لیکن آیئے ہم اس معیار پر گفتگو کریں جو تمام شعبہ ہائے زندگی سے متعلق ہے، خواہ وہ طالب ہو یا استاذ، تاجر ہو یا ملازم، صاحب منصب ہو یا محکوم، ڈاکٹر ہو یا وکیل، سائنس داں ہو یا انجینئر، عالم ہو یا جاہل، عام آدمی ہو یا خاص، عورت ہو یا مرد، امیر ہو یا غریب، شہری ہو یا دیہاتی، سب کی کامیابی اور ناکامی کا معیار ہے، سب کو جانچنے اور پرکھنے کا پیمانہ ہے، وہ ہے اخروی کامیابی، وہ پیمانہ ہے جہنم سے چھوٹ جانے اور جنت میں داخل ہونے کا، جو اس معیار پر پورا اترا، حقیقت میں وہی کامیاب ہے، خواہ وہ دنیا میں کوئی پیشہ اختیار کئے ہوئے ہو۔ کسی خاندان اور برادری کا ہو، کسی ملک، علاقہ یا بستی سے تعلق رکھتا ہو۔

﴿وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ (آل عمران ۱۸۵)

''تمہیں پورا پورا بدلہ قیامت کے دن ہی ملے گا پس جو شخص دوزخ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ پورا کامیاب ہوا، اور دنیاوی زندگی نہیں ہے مگر دھوکے کا سودا۔''

بزرگو اور دوستو!..... روزانہ پانچ وقت مؤذن پکارتا ہے۔

حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ (آؤ نماز کی طرف) حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ (آؤ کامیابی کی طرف)

جس نے اس پکار پر لبیک کہا اور نماز کے لئے آگیا وہ کامیاب ہے، جو اپنے گھر بیٹھا رہ گیا، دوکان میں رہ گیا، کارخانے میں رہ گیا، کھیت کھلیان پر رہ گیا، دوستوں کے ساتھ خوش گپیوں میں رہ گیا، کرکٹ کی کمنٹری سنتا رہا، کھیل کود اور تفریح میں لگا رہا، کاروبار میں پھنسا رہا، کام دھندے میں لگا رہا، وہ ناکام ہے، اذان کی آواز سن کر مسجد میں آنے والا جنتی ہے، نماز چھوڑنے والا جہنمی۔

﴿مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ○ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ○ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ○ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ﴾ (مدثر۔ ۴۲تا۴۵)

''پوچھا جائے گا تمہیں کیا چیز جہنم میں لے گئی وہ جواب دیں گے ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اور مشغلہ میں رہنے والوں کے ساتھ مشغلہ میں رہا کرتے تھے۔''

کامیاب وہ لوگ ہیں جو نمازوں میں خشوع وخضوع اختیار کرتے ہیں، کامیاب وہ لوگ ہیں جو لغویات سے اعراض کرتے ہیں، کامیاب وہ لوگ ہیں جو نیکیاں اختیار کرتے ہیں، کامیاب وہ لوگ ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں کامیاب وہ ہیں جو امانتوں میں خیانت نہیں کرتے، کامیاب وہ لوگ ہیں جو حدود الٰہی میں تجاوز نہیں کرتے، جنت ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے۔

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ○ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ○ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾

(مومنون ۱ تا ۱۱)

''وہ مسلمان کامیاب ہیں جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں، لغو باتوں سے الگ رہنے والے ہیں اور اعمال واخلاق میں اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں الا یہ کہ بیویاں ہوں یا شرعی باندیاں ہوں کیونکہ اس صورت میں ان پر کوئی الزام نہیں۔ ہاں جو اس کے علاوہ کا طلبگار ہو ایسے لوگ حد شرعی سے نکلنے والے ہیں، جو لوگ اپنی امانتوں اور عہد کا خیال رکھنے والے ہیں اپنی نمازوں کی پابندی کرنے والے ہیں وہی لوگ فردوس کے وارث ہوں گے اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔''

کامیاب وہ نہیں ہے جو اقتدار کی کرسیوں پر متمکن ہے، کامیاب وہ نہیں ہے جو کسی بڑے کارخانہ یا فیکٹری کا مالک ہے۔ کامیاب وہ نہیں ہے جو اپنی تحریر وتقریر سے لوگوں کا دل موہ لیتا ہے، کامیاب وہ نہیں جس کے ماتحت بے شمار خدام وملازم ہیں، کامیاب وہ نہیں ہے جو قائد قوم کہلاتا ہے، سردار خاندان سردار محلہ کہلاتا ہے، کامیاب وہ نہیں ہے جو ایک آواز پر ہزاروں کی بھیڑ اکٹھا کر لیتا ہے، کامیاب وہ نہیں ہے جو ہواؤں کے دوش پر اڑتا اور سینہ آب پر سفر کرتا ہے، کامیاب وہ نہیں ہے جو چاند پر کمندیں ڈالتا اور مریخ تک اڑان بھرتا ہے۔ کامیاب وہ نہیں ہے جو ایٹمی ہتھیاروں کا مالک ہے، اسلحوں کا انبار لگا رکھا ہے۔ کامیاب وہ نہیں ہے جس نے فلک بوس بلڈنگیں تعمیر کر رکھی ہیں، کامیاب وہ نہیں ہے جو سپر پاور کہلاتا ہے، کامیاب وہ نہیں ہے جو ویٹو کا حق رکھتا ہے، کامیاب وہ نہیں ہے جو شاندار لباس پہنتا ہے، عمدہ کھانے کھاتا ہے، عالی شان عمارتوں اور بنگلوں میں رہتا ہے۔

کامیاب وہ ہے جو اللہ کو مانتا ہے اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے اس کی لائی ہوئی تعلیمات پر عمل پیرا ہے، پھر اس کے بعد دنیاوی کامیابی کے جو زینے بھی طے کرے کامیاب ہے اور ان کے بغیر خواہ کتنا ہی کامیاب مانا جائے ناکام ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (اعراف۔ ۱۵۷)

''جو لوگ ایسے رسول نبی امی کی اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ جن کی صفت یہ ہے کہ وہ نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال بتلاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔ پس جو لوگ ایسے نبی پر ایمان لائے اور ان کی حمایت کی اور ان کی مدد کی اور اس نور کی اتباع کی جو ان کے ساتھ بھیجا گیا۔ وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

حضرات گرامی قدر!

اسی ایمان والے کے دم سے دنیا قائم ہے، اگر ایمان والا دنیا میں نہیں رہے گا تو دنیا اپنی بے پناہ سائنسی، اقتصادی اور معاشی ترقیات کے باوجود فنا ہو جائے گی۔

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يُقَالَ فِي الْاَرْضِ اَللّٰهُ اَللّٰهُ۔ (مسلم)

''قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک زمین میں اللہ اللہ نہ کہا جائے۔''

سوچئے! کس قدر کامیاب وکامراں ہے اللہ کا نام لینے والا کہ اس کے وجود سے دنیا کا وجود ہے، اس کا خاتمہ سے دنیا کا خاتمہ۔

بزرگو اور دوستو! ہمارے سامنے پردہ ہٹ جانا چاہیے، ہمیں خواب خرگوش سے بیدار ہو جانا چاہیے۔ ہم نے کامیابی اور ناکامی کے جو تصوراتی محل بنا رکھے ہیں انہیں چکنا چور کر دینا چاہیے، اور اس کاروبار وتجارت کو اختیار کر لینا چاہیے ہمیں عذاب الیم سے بچالے اور جنت کا حقدار بنادے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (صف ۱۰ تا ۱۲)

''اے ایمان والوں کیا میں تم کو ایسی تجارت نہ بتلاؤں۔ جو تم کو ایک بڑے دردناک عذاب سے بچالے وہ کہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال وجان سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ جب ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو جنت کے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی اور ایسے عمدہ مکانوں میں داخل

کرے گا جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں بنے ہونگے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔"

اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہمارا شمار ابرار واتقیاء میں ہوگا، صلحا اور پاکبازوں میں ہوگا۔ نیکوکاروں اور تابعداروں میں ہوگا۔ اور یہ فرمان خداوندی صادق آئے گا۔

﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ○ عَلَی الْاَرَآئِكِ یَنْظُرُوْنَ ○ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِیْمِ ○ یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ ○ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ وَفِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ○ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِیْمٍ ○ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ﴾ (مطففین ۲۲ تا ۲۸)

"بے شک نیک لوگ بڑی آسائش میں ہونگے مسہریوں پر بیٹھے بہشت کے عجائبات دیکھتے ہونگے تم ان کے چہروں میں آسائش کی بشاشت پہچانو گے، ان کو پینے کے لئے شراب خالص سربہ مہر جس پر مشک کی مہر ہوگی ملے گی اور حرص کرنے والوں کو ایسی ہی چیز حرص کرنا چاہیے اس شراب کی آمیزش تسنیم کے پانی کی ہوگی، یعنی ایک ایسا چشمہ جس سے مقرب بندے پئیں گے۔

برادرانِ اسلام!

یہ کوئی قصہ کہانی نہیں ہیں، یہ ازلی اور ابدی صداقتیں ہیں، ان کا وجود وقوع اتنا ہی یقینی بلکہ اس سے بڑھ کر ہے جتنا ہمیں اپنے وجود کا یقین ہے، سورج کے وجود سے دن کے وجود کا یقین ہے۔ آگ میں جلانے کی صلاحیت اور برف میں ٹھنڈک کا یقین ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿یَوْمَ تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ یَسْعٰی نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ بُشْرٰكُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ (حدید۔ ۱۲)

"جس دن آپ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے داہنی طرف دوڑتا ہوگا۔ آج تم کو بشارت ہے ایسے باغوں کی جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔"

جو میدان حشر میں نور کا خواہاں ہو، سامنے آئے، جو رضائے الٰہی کا متلاشی ہو، عمل میں جٹ جائے، جو ابدی نعمتوں کا متمنی ہو، جو جنت چاہتا ہو، جو کامیابی اور کامرانی کی جستجو میں ہو وہ ان راہوں پر چل پڑے۔ جنہیں شاہراہ دین کہا جاتا ہے۔ صراط مستقیم کہا جاتا ہے۔

اور ہم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اَمَّا بعد

یہ کائنات چھپاتی نہیں ضمیر اپنا — کہ ذرہ ذرہ میں ہے ذوق آشکارائی
کچھ اور ہی نظر آتا ہے کاروبار جہاں — نگاہ شوق اگر ہو شریک بینائی
اسی نگاہ میں ہے قاہری و جباری — اسی نگاہ میں ہے دلبری و رعنائی
نگاہ شوق میسر نہیں اگر تجھ کو — تیرا وجود ہے قلب و نظر کی رسوائی

صدر محترم وفدایان ملت اسلامیہ!

اللہ کی آخری کتاب قرآن، جو نبی آخر الزماں ﷺ پر نازل ہوئی۔ وہ کتاب ہدایت ہے جو بے نظیر و بے مثال ہے۔ یہ کتاب عظیم خود اپنے الفاظ میں ''القرآن'' بھی ہے اور ''قرآن مجید'' بھی۔ ''قرآن حکیم'' بھی ہے، ''قرآن مبین'' بھی، ''الکتاب'' بھی ہے اور ''کتاب مبین'' بھی، ''کتاب عزیز'' بھی ہے اور ''کتاب حکیم'' بھی، الفرقان بھی ہے اور ''الذکر'' بھی۔

ایسی بلند پایہ کتاب جس کا بوجھ اٹھانے کی پہاڑوں میں بھی سکت نہیں مالک کائنات نے اس کے اٹھانے کی صلاحیت ہم جیسے کمزور ناتواں انسانوں میں پیدا فرمادی۔ اس فضل الٰہی پر قربان، اس کرم خداوندی کے نثار۔

سب پہ جس بار نے گرانی کی
اس کو یہ ناتواں اُٹھا لایا

قرآن کتاب ہدایت ہے، اس سے رہنمائی حاصل کرنے والا ہدایت ضرور پاتا ہے، قرآن محبت و برہان ہے، اس سے حقائق کا پردہ ضرور کھلے گا، قرآن رحمت و شفا ہے، وہ ہر زمانہ کی دم توڑتی، سسکتی، بلکتی انسانیت کا مداوائے غم بہر حال ہے، ہر دور کے مریضان روح کا علاج اس سے ممکن ہے، اس کے ہم پلہ اور ہم پایہ کوئی آسمانی کتاب بھی نہیں، غیر آسمانی کتابوں کا تذکرہ ہی کیا۔

قرآن کا بتایا ہوا راستہ بالکل سیدھا اور سچا ہے، فطرت انسانی کے عین مطابق ہے، دل کو لگتا اور دماغ کو اپیل کرتا ہے۔

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَ هُدًی وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (یونس۔۵۷)

''اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے اور دلوں کی بیماریوں کے لئے شفاء ہے، اور ہدایت ورحمت ہے مومنین کے لئے۔''

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَ یُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِیْرًا﴾ (بنی اسرائیل ۹)

''بے شک یہ قرآن ایسے طریقہ کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے، اور ایمان والوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں خوشخبری دیتا ہے کہ انہیں بہت بڑا اجر ملے گا۔''

قرآن کے بتائے ہوئے راستہ پر جو چلا، عزت والا بنا، نیک نام ہوا، کتاب الٰہی کی پابندی اور اس کی ہدایت پر عمل انسان کو دنیا وآخرت ہر جگہ کامیاب کرتا ہے، سرخ رو بناتا ہے۔

﴿وَ الَّذِیْنَ یُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ﴾ (اعراف ۱۷۰)

''جو لوگ کتاب کی پابندی کرتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، تو ہم نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔''

کسی یکجائی سے اب عہد غلامی کر لو
ملت احمد مرسل کو مقامی کر لو

لیکن جو کتاب الٰہی کو چھوڑ دے، اس پر عمل ترک کر دے، اس کو صرف برکت کا ذریعہ سمجھ لے، وہ عزت والا کیسے بن سکتا ہے، دعویٰ ہو قرآن پر عمل کا، قرآن پر ایمان رکھنے کا، اور عملی زندگی میں قرآن سے کوئی مناسبت نہ ہو، ایسی حالت میں ذلت وخواری نہ ملے گی تو کیا ملے گی۔

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ یَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَیَضَعُ بِهٖ اٰخَرِیْنَ۔ (مسلم)

''اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ کچھ لوگوں کو اوپر اٹھاتا ہے اور کچھ لوگوں کو نیچے گراتا ہے۔''

بزرگو اور دوستو!

جو قرآن پر عمل کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو سربلندی عطا فرمائے گا، عزت دے گا، مقام ومرتبہ

سے نوازے گا، جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عزت دی، مقام و مرتبہ دیا، قرآن سے دوری اختیار کرنے والے، قرآن سے ناواقف، قرآنی تعلیمات سے ناآشنا، خواہ اسلام کا نام لیتے ہوں، عزت و وقار اور شرف و افتخار کے حقدار نہیں۔

ہم مسلمانوں کو کتنا زبردست المیہ ہے کہ ہم قرآن کو چھوڑے ہوئے ہیں نہ جانے کتنے مسلمان ایسے ملیں گے جنہیں ناظرہ پڑھنا بھی نہیں آتا۔ وہ اس کے معنی و مطلب پر کیا غور کریں گے، اس سے ہدایت و رہنمائی کیا حاصل کریں گے ایسے لوگ سب سے زیادہ محروم القسمت ہیں، خواہ دنیا جہاں کی دولت سے مالا مال ہوں۔

حدیث نبویؐ ہے:

اِنَّ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْ جَوْفِهٖ شَیْءٌ مِنَ الْقُرْاٰنِ کَالْبَیْتِ الْخَرِبِ۔ (ترمذی)

''جس کا سینہ میں قرآن کا کوئی حصہ نہ ہو، وہ ویران گھر کی طرح ہے۔''

قرآن کہتا ہے نماز پڑھو، زکوۃ دو، ہم کوئی توجہ نہیں کرتے، قرآن کہتا ہے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی فکر رکھو، ہم سنی ان سنی کر جاتے ہیں، قرآن کہتا ہے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، بھائیوں جیسا معاملہ کرو، ہم دشمنوں جیسا معاملہ کرتے ہیں، قرآن کہتا ہے قتل ناحق نہ کرو، چوری، ڈکیتی، لوٹ مار، خوں ریزی، اور فتنہ و فساد سے بچو، ہم ان میں گلے گلے ڈوبے ہوئے ہیں، قرآن کہتا ہے آپس میں اختلاف نہ کرو، گروپ بندیاں نہ کرو، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلو، ہم ہیں کہ ہر وقت لڑنے مرنے کو تیار، قرآن کہتا ہے اپنے سارے معاملات اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق طے کرو، ہم اپنے مسائل کا حل غیر اسلامی قوانین میں ڈھونڈھتے ہیں، قرآن کہتا ہے کہ دشمنان اسلام سے نبرد آزما ہونے کے لئے ہمیشہ تیار رہیں، ہم ہیں کہ ہمیں اپنے راحت کدوں سے فرصت نہیں۔

قرآن کہتا ہے کہ عزت، اللہ، اس کے رسولؐ اور مومنین کا طریقہ اختیار کرنے میں ہے مگر ہم عزت، اللہ، اس کے رسولؐ اور مومنین کے دشمنوں اور باغیوں میں ڈھونڈھتے ہیں۔ بتایئے! یہ قرآن کو چھوڑنا ہوا یا نہیں، پھر آخر ہمیں عزت کیسے ملے، ہماری ذلت و خواری کیسے دور ہو؟ کیا ان حالات میں رسول اللہ ﷺ کی یہ شکایت بجا نہ ہوگی۔

﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا﴾

(فرقان ۳۰)

''اس دن رسول کہیں گے اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو بالکل چھوڑ رکھا

تھا۔"

ہمیں ذلت وخواری سے نجات پانے کے لئے قرآن پر عمل کرنا ہوگا، اسے اپنی زندگیوں میں لانا ہوگا۔

مثل بو قید ہے غنچے میں پریشاں ہو جا
رخت بردوش ہوائے چمنستاں ہو جا
ہے تنک مایہ تو ذرہ سے بیاباں ہو جا
نغمہ موج سے ہنگامہ طوفاں ہو جا

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمدؐ سے اُجالا کر دے

وَاخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ترے قدموں سے نسبت جن کو ہے وہ سر جھکیں کیونکر
کسی مغرور کے در پر، کسی سلطان کے آگے

(ادیب مالیگانوی)

مسلمانوں کی موجودہ مشکلات اور ان کا حل

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ اَمَّا بَعْدُ۔

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی
عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی
اے طائر لا ہوتی، اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو، پرواز میں کوتاہی

صدر محترم! حاضرین جلسہ!

ہر طرف شور ہے مسلمان تباہ کئے جا رہے ہیں، کوئی ان کا پرسان حال نہیں، جس کو دیکھو وہ مسلمانوں کو مٹانے کے درپے ہے، جس طرف نظر ڈالو مسلمانوں کو کمزور کرنے کی سازشیں ہو رہی ہیں، مسلمان جس نے کبھی دنیا کے اکثر حصے پر حکمرانی کی تھی بڑی بڑی صاحبان اقتدار سلطنتوں کو تہ وبالا کر کے رکھ دیا تھا، بڑے بڑے جاہ وحشم اور غرور وتمکنت کے مالک ارباب اقتدار کے چھکے چھڑا دیئے تھے، آج وہی مسلمان محکومی کی زندگی گزار رہا ہے۔ جہاں وہ صاحب اختیار واقتدار ہے، وہاں بھی دوسروں کے زیر سایہ ہے، دوسرے کی مدد کا محتاج ہے، دوسروں کی سرپرستی میں جی رہا ہے کتنے حسرت وافسوس کا مقام ہے۔

مسلمان جس نے دریاؤں اور سمندروں پر حکومت کی، مسلمان جس نے صحرا وبیابان اپنے زیر نگیں کئے۔ مسلمان جس کے حکم کی تابعداری جنگل کے بے زبان جانوروں اور مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک اُڑتی ہوئی ہواؤں نے کی، ہاں ہاں وہی مسلمان آج حیران وپریشان، افسردہ وغمناک زندگی کے مقابلے میں بے بس وبے کس اور لاچار ومجبور نظر آ رہا ہے۔

آخر ایسا کیوں ہوا، مسلمانوں کو یہ دن کیوں دیکھنا پڑا، کیا اسباب وعوامل ہیں جنہوں نے مسلمانوں کے عروج کو زوال سے، اقتدار کو محکومی سے، عزت ونامور کی کو ذلت وخواری سے بدل

دیا۔ آج میں اسی موضوع کو لے کر آپ کے سامنے آیا ہوں میں مسلمانوں کے اصل مرض کی بھی تشخیص کروں گا اور ان کا علاج بھی بتاؤں گا۔ مسلمانوں کی موجودہ نکبت و پستی کے اسباب بھی واضح کروں گا اور ان کا حل بھی پیش کروں گا۔ لیکن یاد رکھیئے یہ علاج اور یہ حل میرا وضع کردہ نہ ہوگا، قرآن وحدیث کا بتایا ہوگا، مالک کائنات اور اس کے حبیب ﷺ کے فرمودات وہدایت کی روشنی میں ہو گا۔

اوروں کا ہے پیام اور، میرا پیام اور ہے
عشق کے درد مند کا طرز کلام اور ہے

بزرگو اور دوستو! آج ہم کو اپنے اندر تبدیلی پیدا کرنے کی ضرورت ہے، اپنے آپ کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ اتنا بدلنے کی ضرورت ہے کہ ہمارے ساتھ ہمارا ماحول بدل جائے ہمارے حالات بدل جائیں، ایک نئی دنیا ہو، نئی فضا ہو، نئی آب وہوا ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

ہماری زندگیوں میں ایسا انقلاب رونما ہو جائے جو گردش وقت کو پھیر دے حالات کے رُخ کو موڑ دے، تاریخ کا دھارا جو غیروں کی سمت بہہ رہا ہے، اس کا بہاؤ ہماری طرف ہو جائے، ہماری ہی کایا نہ پلٹے، دنیا کی کایا پلٹ جائے، پھر جانتے ہیں آپ کیا ہوگا؟ یہ دنیا اور دنیا کا اقتدار مسلمانوں کے زیر نگیں ہوگا، یہ کائنات اور کائنات کی نیرنگیاں مسلمانوں کے تابع فرمان ہوں گی، حکومت اور حکمرانی، سلطنت اور سلطانی مسلمانوں کی جاگیر ہوگی۔ مسلمانوں کا قافلہ رشد وہدایت اور کاروان علم وحکمت، اسلاف کے تابندہ نقوش سے رہنمائی حاصل کرتا ہوا منزل بہ منزل کامیابیوں اور کامرانیوں کی طرف بڑھتا جائے گا۔

آج مسلمانوں کو اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے کی ضرورت ہے، اختلافات کو مٹانے اور آپسی بھید بھاؤ کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونے اور ایک دوسرے کے ساتھ سچی ہمدردی اور بہی خواہی کی ضرورت ہے، من وتو کے امتیاز، رشتہ ناطہ کی تفریق، گروہی عصبیت اور فرقہ بندیوں کی زنجیروں اور بندشوں کو توڑ پھینکنے کی ضرورت ہے اور اس کے بعد اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لینے کی ضرورت ہے۔

﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ

كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾

(آل عمران)

''تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور آپس میں متفرق نہ ہو اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم آپس میں دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں محبت پیدا کر دی، پس تم اللہ کی نعمت کی وجہ سے بھائی بھائی بن گئے، اور تم جہنم کے گڈھے کے کنارے پر تھے پس تم کو اس سے بچالیا۔ اللہ تعالیٰ ایسے ہی تمہارے لئے اپنی نشانیوں کو بیان کرتا ہے تا کہ تم ہدایت پاجاؤ۔''

عرب کے جس ماحول میں حضور ﷺ تشریف لائے تھے۔ اس میں بھی اختلافات تھے، لوگ ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے، خون کے پیاسے تھے، معمولی معمولی باتوں پر خون کی ندیاں بہ جاتی تھیں، خاندانی و گروہی اختلافات مدت العمر چلتے رہتے تھے، قبیلہ، قبیلہ کا، خاندان، خاندان کا دشمن تھا، لیکن جب انہیں جانی دشمنوں کو اسلام کی دولت ملی تو بھائی بھائی بن گئے، ذاتی دشمنی کو فراموش کر دیا اور دینی اخوت کی بنا پر ایک دوسرے کے ہمدرد اور خیر خواہ بن گئے، مدینہ کے انصار دو مشہور قبیلوں اوس اور خزرج میں منقسم ہو گئے تھے اور ایک زمانہ سے ان میں عداوت چلی آرہی تھی، وہ بھی گلے مل گئے اور زمانہ جاہلیت کی عداوت ایک داستان پارینہ بن گئی۔ سورہ انفال میں ہے:

﴿وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾

''اللہ نے اُن کے دلوں کے درمیان محبت پیدا کر دی اگر آپ زمین کے سارے خزانے بھی خرچ کر دیتے تو بھی ان کے دلوں میں محبت نہ پیدا کر پاتے لیکن اللہ نے ان کے دلوں کو جوڑ دیا، بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تو حال کہ اسلام لانے کے بعد انہوں نے پشتوں کا جھگڑا منٹوں میں ختم کر دیا، اور ہمارا یہ حال ہے کہ ہم مسلمان کے گھر پیدا ہوئے، مسلم گھرانے میں پلے اور بڑھے، خدا کے فضل و کرم سے اسلام کی دولت ہم کو پشتہا پشت سے نصیب ہے مگر ہم ہیں کہ اپنی عداوتوں کو ختم کرنے کی بجائے بڑھاوا دینے میں لگے ہیں، آپسی اختلافات کو مٹانے کے بجائے طول دینا پسند کرتے ہیں۔ گلے ملنے اور بھائی بھائی بن جانے میں اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔ ہم دنیا بھر کے نزاعی چکروں میں مبتلا ہیں اور کسی کو بھی ختم کرنے کی فکر نہیں ہے۔ بتایئے! کیا ان حالات میں ہم آگے

بڑھ سکتے ہیں؟ ترقی کر سکتے ہیں؟ کیا اتحاد و اتفاق کی دولت کے بغیر کوئی قوم باعزت زندگی گزار سکتی ہے؟

منفعت ایک ہے، اس قوم کا نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبیؐ، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں، اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانہ میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

قرآن کہتا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (سب مسلمان بھائی بھائی ہیں) حضورؐ فرماتے ہیں:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ۔

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔''

حضورؐ کا ہی ارشاد ہے: کہ تمام مسلمان فرد واحد کی طرح ہیں، اگر آنکھ بیمار ہوگی تو پورا جسم تکلیف محسوس کرے گا اگر سر بیمار ہو جائے تو پورا جسم تکلیف میں مبتلا ہو جائے گا، خواہ کسی عضو میں کوئی تکلیف ہو، اس کا درد اس کی پریشانی پورا بدن جھیلتا اور محسوس کرتا ہے۔

قوم گویا جسم ہے، افراد ہیں اعضائے قوم
منزل صنعت کے رہ پیما ہیں دست و پائے قوم
مبتلائے درد کوئی عضو ہو، روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

محترم دوستو! ہمیں اپنے اندر اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی ضرورت ہے، اپنے اختلافات مٹا دینے کی ضرورت ہے، گروہی عصبیتوں کو فنا کر دینے کی ضرورت ہے، جبھی ہم کو کامیابی و کامرانی حاصل ہوگی۔

بتان رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ ایرانی رہے باقی نہ تورانی نہ افغانی

ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ ہمارے اندر عمل کی کمزوری تو نہیں آگئی؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہمارے اسلاف جس طرح دین پر عمل کرتے تھے، دین کی خاطر اپنا تن من و دھن لٹا دیتے تھے، ہم نے اسے چھوڑ دیا ہو؟

مسلمانو! سوچو! کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ہم نے اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنا چھوڑ دیا، ہمارا اعمال نامہ عمل صالح دولت سے مالا مال نہیں، ہم اللہ کے نہیں بنے، اسی لئے اللہ بھی ہمارا مددگار نہیں، ہم نے غیروں کی وضع قطع اپنالی، غیروں کا تمدن اختیار کرلیا، غیروں کے طور طریق پسند کر لئے، اسی لئے ہمارا یہ حال ہے جو ہم اور آپ دیکھ رہے ہیں۔

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلمان نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود
یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ مسلمان بھی ہو

حالانکہ اگر ہم دین پر چلیں تو اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ہمیں کامیابی وکامرانی عطا فرمائے گا، ہمیں فوز وفلاح سے ہم کنار کرے گا، دنیا اور آخرت دونوں جگہ سرخ روئی نصیب فرمائے گا، مگر شرط یہ ہے کہ ہم ایمان والے بنے رہیں، یعنی صرف زبانی دعوائے ایمان نہ ہو بلکہ ایمان کے تقاضوں پر بھی عمل کرنے والے بن جائیں، اللہ کے دین کی مدد کریں تا کہ اللہ بھی ہمارا حامی ومددگار ہو جائے۔

دوستو! قرآن ہمیں پکار رہا ہے، گوش برآواز ہو جاؤ۔ قرآن کہتا ہے:

﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ﴾ (محمد)

''اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور (دشمنوں کے مقابلے میں) تمہارے قدموں کو جما دے گا۔

قرآن دوسری جگہ کہتا ہے:

﴿وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (آل عمران)

''پست ہمت نہ بنو اور غم نہ کرو، تمہیں سربلند رہو گے اگر تم مومن رہے۔''

قرآن تیسری جگہ کہتا ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (نحل)

''جو مرد عورت ایمان لانے کے ساتھ ساتھ نیک عمل بھی کریں ہم انہیں پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور انہیں اس سے زیادہ اچھا بدلہ دیں گے جو وہ عمل کرتے ہیں۔''

قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ اللہ اگر تمہارا مددگار بن جائے تو پھر کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا، لیکن اگر اللہ تمہیں ذلیل و رسوا کر دے تو پھر اللہ کے مقابلے میں کوئی تمہارا حامی و مددگار نہیں مل سکتا، اس لئے بھروسہ اللہ ہی پر ہونا چاہیے، مدد اللہ ہی سے مانگنی چاہیے۔"

﴿اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَ اِنْ یَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ (العمران)

"اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر اللہ تم کو رسوا کر دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے، اور اللہ ہی پر مومنوں کو بھروسہ کرنا چاہیے۔"

قرآن صاف صاف اعلان کرتا ہے کہ خلافت فی الارض کے مستحق وہ مومنین ہیں جو اعمال صالحہ کی دولت سے مالا مال ہوں، صرف زبانی دعوائے ایمان نہ ہو، دعویٰ کی عملی دلیل بھی ہو۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ (نور)

"وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائیں اور عمل صالح کریں کہ انہیں زمین کی خلافت عطا فرمائے گا جیسے ان پر پہلے لوگوں کو عطا فرمائی۔"

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں، جو صاحب لولاک نہیں ہے

حاضرین مجلس! ذرا غور کیجئے اور دیکھئے کہ مدنی آقا ﷺ نے آج کے مسلمانوں کا نقشہ کس طرح کھینچا ہے، حضورؐ کے ارشاد کو سنئے اور سوچئے کہ کیا آج وہی حالات نہیں ہیں جن کی چودہ سو برس پہلے حضورؐ نے پیشین گوئی کر دی تھی۔

رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ غیر قومیں مسلمانوں کو مٹانے کے لئے اسی طرح ایک دوسرے کو بلائیں گی جس طرح کھانے والا اپنے پیالہ کی طرف بلاتا ہے، گویا مسلمانوں کا لقمہ تر سمجھ کر ہر ایک ہڑپ کرنے کی کوشش کرے گا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ یَوْمَئِذٍ (شاید اس وقت ہماری تعداد کم ہوگی) حضور ﷺ نے فرمایا:

بَلْ اَنْتُمْ یَوْمَئِذٍ كَثِیْرٌ وَلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّیْلِ وَلَیَنْزَعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ عَلَیْكُمْ وَلَیَقْذِفَنَّ فِیْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ۔

"نہیں! تم اس دن آج کے مقابلے میں کہیں زیادہ تعداد میں ہو گے لیکن سیلاب کے

مجاگ کے مانند بے حیثیت ہو گے، اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے سینوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں دشمن پیدا کر دیگا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا الْوَھْنُ (اے اللہ کے رسولؐ! وہن کیا چیز ہے؟) حضور ﷺ نے فرمایا حُبُّ الدُّنْیَا وَکَرَاھِیَۃُ الْمَوْتِ (دنیا کی محبت اور موت کو ناپسند کرنا) یعنی اس وقت مسلمان دنیا کی محبت میں مبتلا ہونگے اور موت سے ڈرنے لگیں گے۔

اے لاالٰہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں گفتار دلبرانہ، کردار قاہرانہ
تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے کھویا گیا ہے تیرا جذب قلندرانہ

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

❁❁❁

مسلم پرسنل لا

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْد

محترم بزرگو اور دوستو!

آپ نے ''مسلم پرسنل لا'' کا نام بہت سنا ہوگا، مگر کیا آپ کو معلوم ہے کہ ''مسلم پرسنل لا'' کیا ہے؟ مسلم پرسنل لا کی اسلام میں کیا اہمیت ہے؟ اور مسلم پرسنل لا کو کیا مقام و مرتبہ حاصل ہے؟ مسلم پرسنل لا کا مطلب ہے مسلمانوں کا عائلی قانون، یعنی نکاح وطلاق، وراثت و ہبہ، پرورش و پرداخت کے متعلق مسلمانوں کا نجی قانون۔

بزرگانِ ملت! ہم میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ نکاح وطلاق ہو یا وراثت و ہبہ یا اور کوئی قانونِ اسلام! سب کا ماخذ قرآن وحدیث ہیں، سب کی جڑ اور بنیاد کتاب وسنت ہے۔ ظاہر ہے کہ قانون، حکم کا نام ہے، اور حکم وہی دے سکتا ہے جسے حکم دینے کا اختیار ہو اور حکم دینے کا اختیار صرف خدائے واحد وقہار کو ہے فَالْحُکْمُ لِلّٰہِ الْعَلِیِّ الْکَبِیْرِ (حکم صرف اسی بلند و برتر کا حق ہے جسے اللہ کہتے ہیں) اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ (حکم دینا صرف اللہ کا حق ہے) اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (خبردار! سن لو پیدا کرنا اور حکم دینا دونوں اللہ ہی کے ساتھ خاص ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے جو احکام نازل فرمائے ہیں وہ قرآن وحدیث کہلاتے ہیں، اسی کو دوسرے لفظوں میں کتاب وسنت بھی کہا جاتا ہے۔ احادیث کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کے جو ارشادات وارد ہوئے ہیں یا حضور ﷺ نے امت کے سامنے جو عملی نمونے پیش کئے ہیں وہ بھی اللہ ہی کے حکم سے ہیں وہ حضورؐ کی ذاتی رائے یا ذاتی عمل نہیں بلکہ سب اللہ کی وحی سے ہے، سب کا سب واجب الاتباع اور واجب العمل ہے۔ سورہ نجم میں ہے:

﴿وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ○ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی﴾

''آپؐ اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے، جو کچھ فرماتے ہیں وہ اللہ کی بھیجی ہوئی وحی ہوتی ہے۔''

سورۃ احزاب میں ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

''تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے۔''

ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (حشر)

''رسول تمہیں جس چیز کا حکم دیں اس پر عمل کرو اور جس سے روک دیں، اس سے رک جاؤ۔''

ائمہ مجتہدین نے جو مسائل بیان کئے ہیں وہ قرآن وحدیث کی ہی تشریح وتفسیر ہے۔ انہوں نے ہماری راہ آسان کردی، ہم قرآن وحدیث سے براہ راست مسئلہ مستنبط کرنے کی زحمت سے بچ گئے، یہ ائمہ مجتہدین کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے اپنی عمریں کھپا کر، اپنا بیش قیمت وقت لگا کر یہ کام کردیا ورنہ قرآن وحدیث سے مسئلہ نکالنا آسان کام نہیں، نہ ہر شخص یہ کرسکتا ہے، نہ ہر شخص کے اندر اس کی صلاحیت ہوتی ہے، ائمہ مجتہدین وفقہائے عظام کا احسان نہ ماننا اور ان کی اہمیت کو تسلیم نہ کرنا بہت بڑی بددیانتی ہے، خدا ہم کو اس سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

عزیزانِ ملت! جس قانون کا ماخذ قرآن وحدیث ہوں، جو قانون کتاب وسنت کی بنیاد پر وجود میں آیا ہوں، کیا وہ غیر مستحکم یا متزلزل ہوسکتا ہے؟ کیا اس میں تغیر وتبدل کی گنجائش نکل سکتی ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں، خدائی احکام وفرمودات میں تبدیلی کا کیا سوال؟ خدائی اوامر ونواہی میں تغیر چہ معنیٰ؟

لَاتَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ۔ (یونس)

''اللہ کے کلمات میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔''

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾

(یونس ۱۵)

''جب اُن پر ہماری واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ لوگ جنہیں ہم سے ملاقات کی امید نہیں، کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی اور قرآن لے آیئے، یا اسے بدل دیجئے، آپ کہہ دیجئے کہ میرا یہ کام نہیں کہ اس کو اپنی طرف سے بدل ڈالوں، میں تو اسی بات کی اتباع کرتا ہوں جو میری جانب وحی آتی ہے میں ڈرتا ہوں بڑے دن کے عذاب سے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو خدائی قانون نازل ہو چکا اس میں تبدیلی ممکن نہیں، وہ اٹل اور لازوال ہے، وہ قیامت تک کے لئے ہے، وہ ساری دنیا کے انسانوں کے لئے ہے، دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی اسے بدلنے کا حق نہیں رکھتی، قرآن نے کہہ دیا کہ طلاق دینے کا حق مرد کو ہے، عورت کو نہیں، لہٰذا دنیا کی کوئی طاقت یہ حق مرد سے چھین کر عورت کو نہیں دے سکتی، قرآن کا اعلان ہے کہ ایک مرد عدل وانصاف کی شرط کے ساتھ بیک وقت چار شادیاں کرسکتا ہے۔ لہٰذا کوئی شخص خواہ وہ کتنے ہی بڑے عہدہ اختیار کا مالک ہو اس قانون کو ایک شادی تک محدود نہیں کرسکتا، اسلام کہتا ہے کہ مطلقہ کو نان ونفقہ صرف اس وقت تک ملے گا جب تک وہ عدت میں ہو، لہٰذا کوئی سپریم پاور نان ونفقہ کو تا نکاح ثانی یا تا وفات بڑھانے کا حق نہیں رکھتا، اسلام کہتا ہے کہ والدین کے ہر ترکہ میں بیٹے کی طرح بیٹی بھی حقدار ہے، لہٰذا کسی ایسے قانون کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا جو اسلام کے اس حکم کو بدل دے اور کسی خاص ترکے کو صرف بیٹے کا حق قرار دے۔

جو مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کی بات کرتا ہے وہ سوچے اور غور کرے کہ وہ کس قانون کو بدلنے کی بات کررہا ہے؟ اسے اپنی حیثیت اور اپنے مقام کو پہچاننا چاہیے اس کا مقام، اس کی حیثیت بندہ اور غلام کی ہے اور بندہ کا کام صرف یہ ہے کہ وہ اپنے معبود کے احکام کو بے چون وچرا تسلیم کرے نہ کہ اسے بدلے، خدائی احکام میں تبدیلی کی بات کرنا اپنی حیثیت سے آگے بڑھ کر بات کرنا ہے۔ اپنے آپ کو مطیع وفرمانبردار بندوں کی فہرست سے نکال کر خدا کے باغی اور نافرمان بندوں کی فہرست میں شامل کرنا ہے۔

﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ﴾

(آل عمران)

''اے پیغمبر! لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرو، پھر اگر یہ لوگ نہ مانیں تو یاد رکھیں کہ اللہ نافرمانوں کو پسند نہیں کرتا۔''

سورۂ اعراف میں ہے:

﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ﴾

''اسی پر چلو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر اترا ہے، اسے چھوڑ کر اوروں کے پیچھے نہ چلو۔''

ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے:

﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (جاثیہ)

''اے پیغمبر! ہم نے آپ کو دین کے خاص طریقہ (شریعت) پر کر دیا ہے۔ پس آپ اسی پر چلتے رہئے اور ان لوگوں کو خواہشات کی پیروی نہ کیجئے جو نہیں مانتے۔''

ان آیات کے سامنے رکھئے پھر سوچئے کہ کیا مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کی گنجائش ہے؟ کیا وہ لوگ جو خدائی احکام وفرمودات کو دنیاوی قانون کی طرح غیر مستقل سمجھ کر بدل دینے کی بات کرتے ہیں۔ ان کا قول وعمل میزان عدل وانصاف پر پورا اترتا ہے؟

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند
فانی اللہ کی تہ میں بقا کا راز مضمر ہے
جو جینا ہے تو مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ

دعوت وتبلیغ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى خُصُوْصًا عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ الْمُجْتَبٰى وَاَصْحَابِهِ الْمُزَكِّيْنَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اَمَّا بَعْدُ

بزرگانِ ملت، عزیز بھائیو!

قدرت کا یہ ہمیشہ طریقہ رہا ہے کہ دنیا میں جب جب برائیاں پھیلیں، شرور وفتن کا عروج ہوا، گناہوں اور غلط کاریوں نے تسلط جمایا، تو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے نبی اور رسول بھیجے، جنہوں نے انسانوں کو راہِ ہدایت پر گامزن کیا برائیوں کو مٹایا، نیکیوں کو رواج دیا، شرور و فتن کی بیخ کنی کی، دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر دکھایا، حق کی راہ واضح کی، ضلالت کا قلع قمع کیا، غرضیکہ ان نبیوں اور رسولوں نے صحیح اور غلط، حق اور ناحق، جھوٹ اور سچ، کفر اور اسلام، نیکی اور بدی کی راہوں کو الگ الگ کر دیکھایا، اور انسانوں کے لئے حق و باطل میں امتیاز پیدا کرنا آسان ہو گیا۔

نبیوں اور رسولوں کے سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی آقا و مولیٰ محمد عربی ﷺ تھے، آپ پر نبوت و رسالت کا سلسلہ بند ہو گیا، اب قیامت تک کوئی نبی اور رسول آنے والا نہیں ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی ہر شخص کے سامنے ہے کہ برائیاں آج بھی پھیل رہی ہیں، لوگ غلط کاری کی طرف آج بھی جا رہے ہیں، نئی نئی صورتوں میں شر آج بھی پر پرزے نکال رہا ہے اور قیاس و قرائن، حالات و واقعات اور مشاہدات و تجربات تو یہی کہتے ہیں کہ برائیوں کے پھیلنے اور شر کے رواج پانے کا یہ سلسلہ رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔

جب نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ بند ہو چکا، لیکن شرور و فتن کے پھیلنے کا سلسلہ بند نہیں، تو آخر ان کا سدباب کیسے ہوگا؟ ان برائیوں کو مٹایا کیسے جائے گا؟ ہر زمانے کے جنم لینے والے نئے نئے فتنوں سے پنجہ آزمائی کون کرے گا، جب حق و باطل کا اختلاط ہونے لگے، جب کفر و ایمان میں امتیاز مشکل ہو جائے، جب نیکی اور بدی گڈمڈ ہونے لگے تو آخر دونوں کے درمیان حد فاصل کون قائم کرے گا۔

اللہ عزوجل نے اس کا بھی بیان فرما دیا ہے، اس نے نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ بند کر دیا ہے

نگران کی دعوت، ان کا مشن چلانے والے متعین کر دیئے۔ باب نبوت بند ہو چکا مگر کار نبوت باقی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام لوگوں کو سچی اور حق بات کی تلقین کرتے اور بری باتوں سے روکتے تھے، اسی کا نام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے اور یہی دعوت انبیاء اور کار نبوت ہے۔

آیئے دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے کار نبوت کو کس طرح باقی رکھا ہے اور اس کی ذمہ داری کن لوگوں پر عائد کی ہے، سورہ آل عمران میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

اس سے معلوم ہوا کہ کار نبوت یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اُمت محمدیہ کے سپرد ہے، دنیا میں جہاں کہیں بھی شر پھیلے، کوئی بدی سر ابھارے خواہ وہ داخلی ہو یا خارجی، مسلمانوں میں ہو یا دوسروں میں، اُمت محمدیہ کی ذمہ داری ہے کہ اس کا مقابلہ کرے، اس کی بیخ کنی کے لئے کمر بستہ ہو جائے، لوگوں کو صحیح بات بتائے، برائی سے روکے، یہ ذمہ داری امت محمدیہ کے کسی ایک فرد کی نہیں، بلکہ مجموعی طور پر ہر ایک کی ذمہ داری ہے، ہر ایک پر یہ فریضہ عائد ہے، لیکن اگر خدانخواستہ امت بحیثیت مجموعی اس فریضہ کو ادا نہ کر سکے تو کم از کم اس میں ایک گروہ تو ضرور ہی ایسا ہونا چاہئے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرتا رہے۔ دین کی بات لوگوں تک پہنچاتا رہے، برائیوں سے روکتا رہے۔

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (آل عمران)

''چاہیے کہ تم میں ایک گروہ ایسا ہو جو بھلائی کی طرف دعوت دے، نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔''

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نام ہی دعوت و تبلیغ ہے، جو ہر مسلمان کا فریضہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ۔ (مسلم)

''تم میں سے جو کسی برائی کو دیکھے وہ اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو

زبان سے اور اگر یہ بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔"

اگر امت نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ چھوڑ دیا، نیکیوں کا حکم اور برائیوں سے روکنا ترک کر دیا، برائیاں ہوتے ہوئے مداہنت اختیار کی، شر پھیلتے ہوئے، بدی کو رواج پاتے ہوئے دیکھتے رہے، اسے روکنے کی کوشش نہیں کی، سکون اور خاموشی اختیار کر لی، تو برائی کرنے والوں پر اللہ کا جو عذاب آئے گا اس کی گرفت سے مداہنت کرنے والے اگرچہ خود اس سے دور رہے ہوں بچ نہ سکیں گے، عذاب آئے گا تو سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا، پھر وہ نہ بچے گا جس نے برائی کو اپنایا تھا، نہ وہ جو خود تو اس برائی سے الگ تھلگ رہا مگر برائی کرنے والے کو روکا نہیں، جانتے بوجھتے، دیکھتے بھالتے خاموشی اختیار کر لی۔

سورۂ انفال میں ہے:

﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً﴾

"اس فتنہ سے بچو جو خاص طور پر انہیں لوگوں کو نہ پہنچے گا جنہوں نے تم سے ظلم کیا۔"

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَا يُعَذِّبُ الْعَامَّةَ بِعَمَلِ الْخَاصَّةِ حَتّٰى يَرَوُا الْمُنْكَرَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ وَهُمْ قَادِرُوْنَ عَلٰى اَنْ يُّنْكِرُوْهُ فَلَا يُنْكِرُوْا فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَذَّبَ اللّٰهُ الْعَامَّةَ وَالْخَاصَّةَ۔ (شرح السنة)

"اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے عمل پر عام لوگوں کو عذاب نہیں دیتا مگر جب وہ اپنے سامنے بدی کو دیکھیں اور اس کو روکنے پر قدرت رکھنے کے باوجود نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ خاص و عام سب کو مبتلائے عذاب کر دیتا ہے۔"

ایک دوسری حدیث میں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جب دنیا میں کہیں کوئی برائی ہوتی ہے تو جو شخص وہاں موجود ہو اور اس برائی سے روکے وہ گنہگار نہ ہونے میں اس شخص کی طرح ہو جاتا ہے جو اس برائی کے وقت وہاں موجود نہ رہا ہو مگر اس برائی کی حمایتی اور اس برائی پر رضا ہو تو وہ گنہگار ہونے میں اس شخص کی طرح ہو جاتا ہے جو برائی کے وقت وہاں موجود رہا ہو۔

حضرت حذیفہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے، تم لوگ ضرور بالضرور نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب بھیج دے، پھر تم اس سے دعا مانگو تو دعا بھی قبول نہ ہو۔

بنی اسرائیل میں بدی کا سلسلہ اسی طرح شروع ہوا کہ ان کے علماء و احبار نے امر بالمعروف اور نہی المنکر کا فریضہ بھلا دیا تھا۔ لہٰذا ان پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے لعنت کرائی گئی۔

سورہ مائدہ میں ہے:

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ۔

"بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے کرائی گئی اس لئے کہ انہوں نے سرکشی کی اور وہ حد سے گزر جاتے تھے اور ایک دوسرے کو برے افعال سے روکتے نہ تھے۔"

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل معاصی میں مبتلا ہوئے تو ان کے علماء نے انہیں روکا مگر وہ باز نہ آئے، اس کے باوجود علماء نے ان کی مجالست و مشارکت ترک نہ کی، انہیں کے ساتھ بیٹھتے اٹھتے رہے کھاتے پیتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا دل بھی، انہیں بدکاروں کے مثل کر دیا، سب ایک رنگ میں رنگ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے لعنت کرائی جیسا کہ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا جو ابھی میں نے پڑھی تھی۔

حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اثناء کلام میں حضورؐ یہاں تک پہنچے تو جوش کے عالم میں اٹھ بیٹھے اور فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم پر لازم ہے کہ نیکی کا حکم کرو اور بدی سے روکو، جسے برائی میں مبتلا دیکھو اس کا ہاتھ پکڑ لو، اور اسے حق کی طرف موڑ دو اور اس میں کوئی کوتاہی نہ کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں پر بھی ایک دوسرے کا اثر ڈال دے گا اور تم پر بھی ایسے ہی لعنت کرے گا جیسے بنی اسرائیل پر کی۔

دین میں مداہنت اختیار کرنے والا کس طرح تباہی کے غار میں گرتا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے اس کی ایک مثال بیان فرمائی ہے، حضور فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کی مثال اس قوم کی ہے جو ایک دو منزلہ کشتی میں سوار ہو، اس کے کچھ لوگ نچلی منزل میں ہوں، کچھ لوگ اوپری منزل میں، اور اوپر ہی منزل میں پانی ہو، نچلی منزل والوں کو جب بھی پانی کی ضرورت پڑتی ہو وہ اوپر آتے ہوں، اور ان کے آنے جانے کی وجہ سے اوپری منزل کے لوگوں کو پریشانی ہوتی ہو، یہ دیکھ کر نچلی منزل کے لوگوں نے سوچا کہ کیوں نہ ہم اپنی نچلی منزل کو کاٹ کر سمندر سے پانی لے لیں تاکہ ہمیں اوپر جانا

بھی نہ پڑے، اور اوپری منزل والوں کو اذیت بھی نہ ہو، چنانچہ یہی سوچ کر وہ کاٹنا شروع کر دیں، اب اوپری منزل کے لوگ آئیں اور پوچھیں کہ مَالَكَ (یہ کیا کر رہے ہو؟) وہ جواب دیں تَاَذَّيْتُمْ بِيْ وَلَا بُدَّلِيْ مِنَ الْمَاءِ (آپ لوگوں کو ہماری وجہ سے اذیت ہو رہی تھی اور ہمیں پانی کی بہر حال ضرورت ہے) اب اگر اوپری منزل والے ان کا ہاتھ پکڑ لیں اور انہیں کشتی کاٹنے سے روک دیں تو اَنْجَوْهُ وَنَجَّوْا اَنْفُسَهُمْ (انہیں ہلاکت سے بچالیں گے اور اپنے آپ کو بھی) ورنہ اگر انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں گے تو اَهْلَكُوْهُ وَاَهْلَكُوْا اَنْفُسَهُمْ (انہیں بھی ہلاکت میں ڈالیں گے اور خود کو بھی)

اسی طرح جو شخص دوسروں کو برائیوں سے روکتا ہے، وہ اپنے آپ کو بھی خدا کی گرفت اور عذاب سے بچاتا ہے اور ان لوگوں کو بھی جن کو روکا تھا، لیکن اگر نہ روکے تو دونوں ہی ہلاکت و عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

محترم بزرگو اور دوستو! اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مومنین کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے رہتے ہیں۔

ارشاد باری ہے:

﴿وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (توبہ)

''مومن مرد اور عورت ایک دوسرے کے مددگار ہیں، نیکی کا حکم کرتے ہیں، بدی سے روکتے ہیں۔''

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ﴾

(توبہ)

''وہ نیکی کا حکم کرنے والے، بدی سے روکنے والے اور حدود الٰہی کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

ان آیات سے ظاہر ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی المنکر کی صفت ایک مومن کے لئے لازمی اور ضروری صفت ہے، یہ صفت اس کا اصلی تعارف اور پہچان ہے، لہٰذا دعوائے ایمانی کے ساتھ ساتھ جو لوگ اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کے مرتکب ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کنارہ کش ہیں، برائیوں کو ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں مگر زبان نہیں ہلاتے، مداہنت، چشم پوشی،

درگزر اور مصلحت بینی کی آڑ لیتے ہیں، نیکیوں کا حکم نہیں دیتے، برائیوں سے روکتے نہیں، وہ کتنی بڑی بھول اور غفلت کا شکار ہیں اور دعوت وتبلیغ کی کتنی بڑی ذمہ داری نباہنے سے گریز کر رہے ہیں۔

خدا ہم تمام لوگوں کو اس اہم فریضہ کی ادائیگی کا اہل بنائے اور حدود شرعیہ واحکام الٰہی میں مداہنت سے محفوظ رکھے۔ آمین

اٹھ، کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق ومغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

قرآن مجید

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الْهَادِیْ اِلٰی طَرِیْقِ السَّلَامَةِ، مَنَّ عَلٰی مَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادِهٖ وَلَقَّهُمْ اِلْاِسْتَقَامَةِ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَمَّا بَعْدُ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَ یُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِیْرًا ○ وَّ اَنَّ الَّذِیْنَ لَایُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلٰنَا الْعَظِیْمُ۔

صدر محترم، حاضرین مجلس!

میں آج آپ حضرات کے سامنے قرآن مجید کے اوصاف وفضائل پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں، ابھی ابھی میں نے آپ حضرات کے سامنے جو آیت کریمہ تلاوت کی ہے، اس کا ترجمہ یہ ہے: ''یہ قرآن اسی راستے کی طرف لے جاتا ہے جو سب سے سیدھا راستہ ہے اور خوشخبری سناتا ہے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور عمل صالح کیا کہ ان کے لئے بڑا اجر ہے، اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

قرآن مجید کے پہلے پارہ میں ہی ارشاد ربانی ہے:

﴿الٓمّٓ ○ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ﴾ (بقرہ)

''یہ ایک کتاب ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں، ہدایت ہے متقیوں کے لئے۔''

یعنی قرآن شک وشبہ کا محل نہیں ہے، اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے، یہ قرآن ان لوگوں کے لئے ہادی اور رہنما ہے جو قرآن سے ہدایت اور رہنمائی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔''

حضور حق سے محمد کو وہ کتاب ملی
کہ جس سے قسمت نوع بشر چمک اٹھی
یہ وہ کتاب ہے جس کی کوئی مثال نہیں

یہی کلام ہے جس کو کبھی زوال نہیں

قرآن مجید، جو حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ پر نازل کیا گیا، ایک ایسی کتاب ہے جس کی دنیا میں کوئی نظیر اور مثال نہیں ہے، نہ فصاحت و بلاغت میں، نہ فضائل و اوصاف میں، نہ کلام و بیان میں، نہ احکام و فرمودات میں، ہر اعتبار سے بے نظیر، ہر اعتبار سے بے مثال، یہ وہ نسخہ کیمیا ہے جو ہمیں ہمارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ کے توسط سے ملا ہے، جس میں ہمارے لئے دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود اور کامیابی و کامرانی کا سامان ہے جس پر ایمان لانا ہماری دنیا و آخرت دونوں جگہ کی فوز و فلاح کی ضمانت ہے۔

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

قرآن اللہ کی وہ کتاب ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود رب العالمین نے لے لی ہے، قرآن میں باطل کے گھسنے کی گنجائش نہ آگے سے ہے نہ پیچھے سے، نہ دائیں سے نہ بائیں سے لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ۔

ارشاد باری ہے:

نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ۔ (حجر)

''ہم نے ہی اس ذکر (قرآن) کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت اس طرح کرائی کہ حفاظ نے اپنے سینوں میں قرآن کے الفاظ کو محفوظ کرلیا، قراء نے قرآن کو پڑھنے کے طریقے اور اس کے لب و لہجے کو محفوظ کرلیا اور علماء نے قرآن کے معانی و مطالب، تفاسیر و تراجم کو محفوظ کرلیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ہمارے اوپر بڑی مہربانی اور فضل ہے کہ قرآن جس طرح حضورؐ پر نازل ہوا تھا بعینہٖ اسی طرح اب بھی موجود ہے، اس میں کہیں پر زیر، زبر یا نقطہ کا بھی کوئی فرق نہیں ہوا ہے، جبکہ دوسری آسمانی کتابیں مثلاً توریت و انجیل تحریف و تبدیلی کا شکار ہوگئیں، خود یہودیوں اور عیسائیوں نے ان کے الفاظ و معانی کو بدل دیا، بہت سی چیزیں ان میں سے نکال دیں بہت سی نئی چیزیں داخل کردیں۔

یہ اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لی تھی، کیونکہ وہ کتابیں ہمیشہ کے لئے نہیں تھیں، ان کے احکام قیامت تک کے لئے نہیں تھے، اس کے برخلاف

قرآن مجید میں سرمو تحریف وتغیر کی گنجائش نہیں ہے، نہ آج تک اس میں ذرا بھی تحریف ہوسکی، نہ آئندہ تحریف ہوسکے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ قرآن کے احکام وفرمودات ابدی ہیں، ہمیشہ کے لئے ہیں، قیامت تک کے لئے ہیں، قرآن آجانے کے بعد انسانوں کو ہدایت ورہنمائی کے لئے قرآن کو چھوڑ کر کسی اور کتاب کو دیکھنے کی ضرورت نہیں، قرآن ہی ان کی تمام دینی ودنیاوی ضروریات کا کفیل ہے، قرآن ہی ان کے لئے مکمل سرچشمہ ہدایت ہے۔

نسیم صبح امن وعافیت ہر سو پکار آئی
مبارک ہو کہ اب گلشن میں قرآنی بہار آئی

قرآن مجید، آقائے مدنی ﷺ کا ایک زندہ جاوید معجزہ ہے، حضورؐ کو بہت سے معجزات عطا کئے گئے تھے مگر ان تمام معجزات میں جو معجزہ سب سے اعلیٰ وبرتر ہے اور جو رہتی دنیا تک کے لئے ہے۔ وہ اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید ہے۔

دنیا میں جتنے انبیاء کرام تشریف لائے، سبھی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے معجزات سے نوازا اور ہر نبی کو کوئی ایسا معجزہ ضرور دیا جو اس زمانہ کے حالات کے مطابق تھا۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا زور تھا اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چند معجزات ایسے بھی عطا کئے گئے جو ظاہری صورت میں جادو سے مشابہت رکھتے تھے، مثلاً عصا کا سانپ بن جانا اور ید بیضا حالانکہ وہ جادو نہیں تھے، معجزہ اور جادو میں زمین وآسمان کا فرق ہوتا ہے۔ چہ نسبت خاک را بعالم پاک۔ مگر دیکھنے میں وہ معجزات جادو کی طرح لگتے تھے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے زمانہ میں طب کا بہت چرچا تھا، ایک سے ایک طبیب موجود تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات عطا فرمائے جو طب سے مشابہت رکھتے تھے، مثلاً مردوں کو زندہ کردینا مادرزاد اندھوں کو بینا کردینا، کوڑھیوں کو اچھا کردینا وغیرہ وغیرہ۔

جب ہمارے نبی آخر الزماں محمد عربی ﷺ مبعوث ہوئے تو اس زمانہ میں عرب میں شاعری کا بہت زور تھا، عربوں کو اپنی فصاحت وبلاغت اور اپنی زباں دانی پر ناز تھا، اسی لئے وہ اپنے آپ کو عرب اور دوسروں کو عجم یعنی گونگا کہا کرتے تھے، چنانچہ حضور ﷺ کو دیگر معجزات کے علاوہ ایک زندہ جاوید معجزہ قرآن مجید کی صورت میں بھی عطا کیا گیا، جو اپنی فصاحت وبلاغت اور کمال بیان میں بے نظیر وبے مثال تھا، جس کے سامنے عربوں کی زباں دانی ہیچ ہوکر رہ گئی، بڑے بڑے فصحاء

وبلغاء نے قرآن کی فصاحت کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے اور چار و ناچار قرآن کی فصاحت و بلاغت کو تسلیم کیا اور ہار مانی، بہت کوششیں کیں، قرآن جیسا کلام بنا کر لانا چاہا مگر نہ لا سکے، پورا قرآن کیا لاتے، ایک سورہ نہ بنا سکے، ایک سورہ کیا بناتے ایک آیت نہ بنا سکے اور قرآن انہیں برابر چیلنج کرتا رہا اور آج تک کر رہا ہے، مخالفین دانت پیستے تھے، قرآن کے مقابلے میں کوئی کتاب، کوئی سورہ کوئی آیت ہی سہی بنا کر لانے کی لاکھ کوشش کرتے تھے، اپنے مددگاروں کو بلا لیتے تھے مگر نہ لا سکتے تھے نہ لا سکے اور نہ آئندہ لا سکیں گے، قرآن نے منکرین قرآن کو چیلنج دیا تھا وہ صرف چودہ برس پہلے ہی کے لئے نہیں تھا، وہ چیلنج آج بھی ہے، قرآن ببانگ دہل آج بھی اعلان کرتا ہے۔

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾ (بنی اسرائیل)

''اے نبی کہہ دیجئے! کہ اگر تمام انسان اور جنات مل کر بھی اس قرآن کی طرح بنانا چاہیں تو نہیں بنا سکتے، اگرچہ ان میں کا بعض بعض کا مددگار ہو جائے۔''

دوسری جگہ اعلان کرتا ہے:

﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ﴾

(بقرہ)

''اگر تم اس قرآن کے بارے میں شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے محمد ﷺ پر اتارا ہے، تو اسی کے مثل ایک سورہ بنا کر لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو، اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو، لیکن اگر تم نہ کر سکو اور سن لو کہ ہرگز نہ کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور جو تم جیسے ہی کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔''

تیسری جگہ چیلنج ہوتا ہے:

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ○ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ﴾ (طور)

''کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپؐ نے اس قرآن کو گھڑ لیا ہے، بلکہ یہ لوگ ایمان لانا ہی نہیں چاہتے، پس اگر یہ لوگ سچے ہیں تو قرآن جیسی ایک ہی بات بنا کر دکھا دیں۔''

سورہ نساء میں ارشاد ربانی ہے:

﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَ لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا﴾ (نساء)

''کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے، اگر وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کا کلام ہوتا تو وہ لوگ اس میں بلاشبہ بہت اختلاف پاتے۔''

محترم بزرگو اور دوستو! قرآن مجید کلام اللہ ہے اور کلام اللہ کو تمام کلاموں پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کو اپنی تمام مخلوقات پر۔

قرآن مجید کی صورت میں ہمیں کتنی عظیم دولت مل گئی ہے، اگر ہم نے اس دولت کی قدر نہ کی تو ہم سے بڑھ کر بدنصیب اور احسان فراموش کون ہوگا؟ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جس کے سینے میں قرآن کا کوئی حصہ نہ ہو وہ ویران گھر کی طرح ہے، الفاظ حدیث یہ ہیں:

اِنَّ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْ جَوْفِہٖ شَیْءٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ کَالْبَیْتِ الْخَرِبِ۔ (ترمذی)

ایک دوسری حدیث میں جو بخاری شریف کی ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں:

خَیْرُکُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ۔

''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔''

اسی طرح یہ بھی حکم ہے کہ قرآن کو اچھی آواز اور اچھے لب و لہجے کے ساتھ پڑھا کرو۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

زَیِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِکُمْ۔

''قرآن کو اپنی آواز سے زینت دو۔''

محترم دوستو! اسی قرآن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے اوپر بھی اٹھاتا ہے نیچے بھی گراتا ہے، عروج بھی عطا کرتا ہے، زوال بھی دیتا ہے، ترقی سے بھی نوازتا ہے، پستی میں بھی ڈالتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَیَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیْنَ۔ (مسلم)

''اللہ تعالیٰ اس قرآن کے ذریعہ کچھ لوگوں کو اوپر اٹھاتا ہے، اور کچھ لوگوں کو اسی کی وجہ سے پستی میں گرا دیتا ہے۔''

یعنی جو لوگ قرآن پر ایمان لاتے ہیں، اس کے احکام و فرمودات پر عمل کرتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ ایمان لانے اور عمل کرنے کی وجہ سے عروج و کمال سے نوازتا ہے، اور جو ایمان نہیں لاتے، قرآن کے احکام و تعلیمات پر عمل نہیں کرتے، انہیں ایمان نہ لانے اور عمل نہ کرنے کی وجہ سے قعر

ذلت میں گرادیتا ہے۔

آج جو لوگ عروج وکمال کے خواہشمند ہوں، جو دنیا اور آخرت کی ترقی اور فلاح و بہبود چاہتے ہوں، ان پر لازم ہے کہ وہ قرآن کی دعوت پر لبیک کہیں۔ اس کے فرمودات واحکام پر عمل پیرا ہوں، اور تعلیمات قرآن کو سارے جہان میں عام کریں تاکہ ساری دنیا پستی وانحطاط سے نکل کر عروج وکمال کی شاہراہ پر گامزن ہو۔

مسلمانو اٹھو قرآن کی دعوت کو پھیلاؤ
جہان بے اماں کو عافیت کے راز سمجھاؤ
زمانہ آج بھی قرآن ہی سے فیض پائے گا
مٹے گی ظلمت شب اور سورج جگمگائے گا

کسب حلال کی فضیلت

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الْمُنْعِمِ الْمُتَفَضِّلِ يُعْطِيْ وَيَمْنَعُ وَيَخْفَضُ وَ يَرْفَعُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ اَحْمَدُهٗ سُبْحَانَهٗ عَلٰى نِعَمِهِ الْغَزَّارِ وَاَشْكُرُهٗ عَلٰى جُوْدِهِ الْمِدْرَارِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ الْمُخْتَارِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الْاَخْيَارِ اَمَّا بَعْدُ

محترم حاضرین مجلس!

آج میں آپ لوگوں کے سامنے ''کسب حلال کی اہمیت'' پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں، اور یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اسلام نے حلال کمائی پر کس قدر زور دیا ہے۔

محترم حضرات اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلام نے انسان کو روزی حاصل کرنے اور مال کمانے کی اجازت دی ہے، سورۂ جمعہ میں ارشاد باری ہے:

﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾

''پس جب نماز سے فارغ ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل (رزق) کو تلاش کرو۔''

سورہ قصص میں ہے:

وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ فِي الدُّنْيَا۔

''تمہارا جو حصہ دنیا میں ہے اسے نہ بھول جاؤ۔''

لیکن اسلام کمائی کے سلسلے میں دو باتوں کی خاص طور پر ہدایت دیتا ہے ایک یہ کہ انسان خود کمائے، خود محنت و مزدوری کرے، دوسروں کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے دوسرے یہ کہ جو کمائے وہ حلال ہو، حرام کمائی نہ ہو۔

محنت و مزدوری اور اپنے ہاتھ کی کمائی کے احادیث کریمہ میں بہت فضائل آئے ہیں۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ اَطْيَبَ مَا اَكَلْتُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ۔

''سب سے پاکیزہ کھانا جو تم نے کھایا وہ تمہاری کمائی کا ہے۔''

دوسری حدیث میں ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! اَیُّ الْکَسْبِ اَطْیَبُ (کون سی کمائی سب سے پاک ہے؟) حضور ﷺ نے فرمایا عَمَلُ الرَّجُلِ بِیَدِہٖ وَکُلُّ بَیْعٍ مَبْرُوْرٍ (آدمی کے اپنے ہاتھ کی کمائی اور ہر وہ خرید وفروخت جو شرعی قبائح سے پاک ہو) بخاری کی روایت میں ہے کہ اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام بھی محنت ومزدوری کر کے ہی کھاتے تھے۔

بزرگو اور دوستو! یہ وہ احادیث تھیں جن سے اسلام میں محنت ومزدوری اور اپنے ہاتھ کی کمائی کی اہمیت وفضیلت کا پتہ چلتا ہے، کمائی کے سلسلے میں ہی اسلام نے دوسری جو ہدایت دی ہے وہ بھی بہت اہم ہے یعنی حلال طریقے سے کمانا اور حرام سے بچنا، قرآن مجید میں انبیاء کرام علیہم السلام کو خطاب کر کے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿یٰاَیُّهَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾ (مومنون)

''اے رسل! پاک چیزوں کو کھاؤ اور نیک عمل کرو۔''

اس آیت کریمہ میں حلال کھانے کا جو حکم انبیاء کرام کو دیا گیا ہے۔ وہی حکم ایک دوسری آیت میں مسلمانوں کو دیا جارہا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ﴾ (بقرہ)

''اے ایمان والو! جو ہم نے تم کو رزق دیا ہے اس میں سے پاک چیزوں کو کھاؤ۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسب حلال کو، دیگر فرائض نماز وروزہ وغیرہ کے بعد ایک فریضہ قرار دیا ہے الفاظ حدیث یہ ہیں:

طَلَبُ کَسْبِ الْحَلَالِ فَرِیْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِیْضَةِ۔ (بیہقی)

''حلال کمائی کا طلب کرنا، فرض عبادتوں کے بعد ایک فرض ہے۔''

جو لوگ کمانے میں حلال وحرام کا خیال نہیں کرتے اور جائز وناجائز سب جمع کرنے کی فکر میں رہتے ہیں ان کیلئے بڑی وعیدیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِیَ بِالْحَرَامِ۔ (بیہقی)

''وہ جسم جنت میں نہیں جائے گا جس کی پرورش حرام سے ہوئی ہو۔''

ایک دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس نے دس درہم کا ایک کپڑا خریدا، اس میں ایک درہم حرام کمائی کا تھا تو وہ کپڑا جب تک اس شخص کے بدن پر رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں کرے گا، اتنا کہنے کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے دونوں

کانوں میں انگلیاں ڈالیں اور فرمایا:

صُمَّتَا اِنْ لَمْ یَکُنِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُہٗ یَقُوْلُہٗ۔ (احمد)

''میرے دونوں کان بہرے ہو جائیں اگر یہ میں نے حضور ﷺ سے نہ سنا ہو۔''

سوچئے! کیسی رونگٹے کھڑے کر دینے والی بات ہے۔ اس کے بعد بھی اگر ہمیں ہوش نہ آئے اور ہم حلال وحرام، جائز وناجز کی تمیز کے بغیر کمانے کھانے میں لگے رہیں تو کیا ہم پر حضور ﷺ کا یہ ارشاد صادق نہ آئے گا۔

یَاتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یُبَالِیْ الْمَرْءُ مَا اَخَذَ مِنْہُ اَمِنَ الْحَلَالِ اَمْ مِّنَ الْحَرَامِ (بخاری)

''لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ آدمی کو اس کی بھی پرواہ نہ ہوگی کہ اس نے جو لیا ہے وہ حلال ہے یا حرام۔''

محترم بزرگو اور دوستو! ہمیں سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہیے، دنیا کے چند روزہ آرام کی خاطر آخرت کا ابدی نقصان برداشت کرنا عقلمندی نہیں ہے یہ بہت گھاٹے کا سودا ہے، ہمیں حلال کمائی کی فکر کرنی چاہیے، حرام سے بچنا چاہیے، ہمارے پاس جو دولت آئے اس کو دیکھنا چاہیے کہ وہ حلال ہے یا حرام؟ وہ جائز طریقے سے آئی ہے یا ناجائز طریقے سے۔

میرے دوستو! میں اس وقت حلال وحرام کمائی کی تفصیل بتانے کے لئے نہیں کھڑا ہوا ہوں، میں نے صرف حلال وحرام کمائی کے نفع ونقصان اور ثواب وعذاب کے متعلق مختصر سی روشنی ڈالنے کے لئے کھڑا ہوا ہوں، لیکن یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ آج کل ہمارے سماج اور معاشرے میں ایک حرام کمائی، سود کا بہت رواج ہو گیا ہے، لوگوں نے مختلف حیلوں اور مختلف ناموں سے اسے جائز کر رکھا ہے اس پر فوراً پابندی لگانے کی ضرورت ہے۔ سود بہت بڑا گناہ ہے۔ سود خور کی اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت سخت سزا ہے۔ سورہ بقرہ میں ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ﴾

''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت کے دن قبروں سے) اس طرح اٹھیں گے جیسے وہ شخص جسے شیطان نے لپٹ کر خبطی بنا دیا ہو۔''

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾ (بقرہ)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سود کا جو بقایا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم مومن ہو، لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔''

آیت کریمہ میں سودی کاروبار کرنے والوں کے لئے کتنی شدید وعید ہے بھلا کون ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ مول لے کر پنپ سکے، اس سے زیادہ خطرناک بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ سودی لین دین کرنے والا اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ مول لیتا ہے، قرآن کریم میں ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (آل عمران)

''اے ایمان والو! سود بڑھا چڑھا کر نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم کامیاب رہو۔''

رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، سود کھلانے والے، سودی معاملہ لکھنے والے، اس کی گواہی دینے والے ہر ایک پر لعنت بھیجی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جان بوجھ کر سود کا ایک درہم کھانا چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ بڑا گناہ ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ گناہ کے اعتبار سے سود کے ستر درجے ہیں، ان میں سب سے کم درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے، نعوذ باللہ۔

حضور ﷺ نے معراج کی رات کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان کے پیٹ گھڑوں کی طرح بڑے بڑے ہیں اور ان میں سانپ بھرے ہوئے ہیں، حضور ﷺ نے حضرت جبرئیلؑ سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرئیلؑ نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو سود کھاتے تھے۔

حاضرین مجلس!

یہ ہے سود خوروں کا انجام، یعنی اس کمائی کا انجام جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک حرام کمائی ہے۔

لہٰذا ہم سب لوگوں کو ہوش آ جانا چاہیے اور صدق دل سے توبہ و استغفار کرتے ہوئے ہر طرح کی حرام کمائی ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینی چاہیے۔ خدا ہماری نیتوں میں پختگی اور ارادوں میں استحکام عطا فرمائے۔ آمین

ظاہر میں تجارت ہے، حقیقت میں جوا ہے
سود ایک لاکھوں کے لئے مرگِ مفاجات

اخلاص نیت

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ اَمَّا بَعْدُ

محترم سامعین کرام! ہم پر اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان بنایا، رسول خدا ﷺ کی امت میں پیدا فرمایا۔ اور اپنی عبادت واطاعت کی توفیق عطا فرمائی۔ بلاشک وشبہ یہ دولت جو ہمیں حاصل ہوئی ہے، دنیا جہان کی کوئی دولت اس کے مقابلہ نہیں کرسکتی، یہ سعادت جو ہمیں نصیب ہوئی ہے دارین کی تمام سعادتوں سے بڑھ کر ہے۔

لیکن ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہماری عبادتوں اور ہمارے اعمال میں اخلاص ہے یا نہیں؟ کیونکہ اخلاص ہی وہ شے ہے جس کی بنا پر اعمال قبولیت کا درجہ حاصل کرتے ہیں، اگر نیتوں میں خلوص نہ ہو تو کوئی عبادت اور کوئی عمل عنداللہ مقبول نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اعمال کو نہیں دیکھتا، اعضا و جوارح کی حرکتوں کو نہیں جانچتا، وہ دلوں کو دیکھتا ہے، دلوں کے اخلاص کو دیکھتا ہے، وہ نیتوں کو پرکھتا اور جانچتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَ اَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ۔ (مسلم)

''اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا، وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کے اخلاص کو دیکھتا ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَائُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ۔ (حج)

''اللہ تعالیٰ کو (ان قربانیوں) کے نہ گوشت پہنچتے ہیں، نہ خون، اس کو تو صرف تمہارے

دلوں کی نیت پہنچتی ہے۔"

محترم دوستو! ہمارے اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہم کو ہمارے اعمال کا ثواب ہماری نیتوں کے اعتبار سے ہی ملتا ہے، اگر ہماری نیتوں میں خلوص ہوگا تو ہم اجر وثواب کے مستحق ہوں گے ورنہ ہمارا وہی عمل ہمارے لئے وبال جان بن جائے گا۔

بر زباں تسبیح و در دل گاؤ خر
ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

عہد نبوی میں ایک شخص نے ایک عورت سے منگنی کر رکھی تھی، اس عورت نے یہ شرط لگائی تھی کہ تم سے شادی اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ تم ہجرت کر کے مدینہ آجاؤ، اس شخص نے محض شادی کی خاطر ہجرت کی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ اس شخص کو ہجرت کا ثواب ملے گا؟ حضورؐ نے فرمایا:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰی فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَھِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُهٗ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُھَا اَوْ اِمْرَاَةٍ یَنْکِحُھَا فَھِجْرَتُهٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْهِ۔ (متفق علیہ)

"اعمال کا مدار نیت پر ہے اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہو، پس جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہوگی، اس کی ہجرت اللہ ورسول کے لئے ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لئے ہوگی، اس کی ہجرت اسی کے لئے ہوگی جس کے لئے اس نے ہجرت کی (یعنی اس کی ہجرت کا ثواب نہ ملے گا)۔

حضورؐ کے اس ارشاد کے بعد وہ شخص "مہاجر اُم قیس" کے نام سے مشہور ہوگیا کیونکہ وہ عورت جس سے شادی کرنے کے لئے اس نے ہجرت کی تھی، اس کا نام "اُم قیس" تھا۔

محترم بزرگو اور دوستو! اخلاص نیت کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا ہر عمل اور ہماری ہر عبادت صرف اللہ کی رضا جوئی اور خوشنودی کے لئے ہو، کسی اور کی رضا مقصود نہ ہو، اور اس میں ریاکاری اور دکھاوا بھی نہ ہو، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں،

مَنْ سَمَّعَ النَّاسَ بِعَمَلِهٖ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ اَسَامِعَ خَلْقِهٖ وَحَقَّرَهٗ وَ صَغَّرَهٗ۔

(بیہقی)

"جو دنیا میں اپنے اعمال لوگوں کو بتاتا پھرا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے عیوب لوگوں

کو بتائے گا اور اس کی ریاکاری کو ظاہر کر کے لوگوں کے سامنے اسے ذلیل ورسوا کرے گا۔"

ریاکاری اور دکھاوا بہت بری چیز ہے اور اس کا انجام بہت خوفناک ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے لائے جائیں گے، ایک شہید، دوسرا عالم، تیسرا مالدار، سب سے پہلے اللہ تعالیٰ شہید کو اپنی نعمتیں یاد دلائے گا، وہ ان نعمتوں کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ بتاؤ! میں نے تم جو نعمتیں دیں ان کا تم نے کیا حق ادا کیا؟ وہ کہے گا فَقَاتَلْتُ فِيكَ حَتّٰى اسْتُشْهِدْتُ (اے باری تعالیٰ! میں نے تیری راہ میں جہاد کیا، یہاں تک کہ شہید ہو گیا) اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِأَنْ يُّقَالَ جَرِيٌّ فَقَدْ قِيلَ۔

تم جھوٹے ہو، تم نے جہاد میرے لئے نہیں کیا تھا، تم نے جہاد اس لئے کیا تھا کہ تم بہادر کہلاؤ۔ لہٰذا دنیا میں بہادر کہے گئے، اب یہاں تمہارا کوئی اجر نہیں۔

چنانچہ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس ریاکار شہید کو منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دو، فرشتے فوراً حکم کی تعمیل کریں گے۔

اس کے بعد دوسرا شخص لایا جائے گا جو عالم دین ہوگا جس نے دنیا میں خود بھی علم دین سیکھا ہوگا اور دوسروں کو بھی سکھایا ہوگا، جس نے خود بھی قرآن پڑھا ہوگا، دوسروں کو بھی پڑھایا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی نعمتیں یاد دلائے گا وہ بھی سب نعمتوں کا اعتراف کرے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا (تم نے یہ نعمتیں پانے کے بعد کیا کیا؟) وہ جواب دے گا تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهُ وَقَرَأْتُ فِيكَ الْقُرْآنَ (میں نے علم دین سیکھا اور سکھایا اور تیرے واسطے قرآن پڑھا) اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے، تو جھوٹا ہے، تو نے علم دین اس لئے سیکھا تھا تاکہ تو عالم کہلائے تو نے قرآن اس لئے پڑھا تھا تاکہ قاری کہلائے، دنیا میں تیری تمنا پوری ہو چکی لوگوں نے خوب خوب تجھے عالم وحافظ وقاری کہا، اب یہاں تیرے لئے کچھ نہیں ہے۔

ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهِ حَتّٰى أُلْقِيَ فِي النَّارِ۔

پھر اسے بھی منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

پھر تیسرا شخص لایا جائے گا جسے اللہ نے ہر طرح کے مال ومنال سے نوازا ہوگا ہر قسم کی آسائشیں اور راحتیں عطا کی ہونگی، اسے بھی اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں یاد دلائے گا، وہ بھی ان نعمتوں کا اقرار کرے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے ان نعمتوں کا کیا شکریہ ادا کیا؟ وہ جواب دے گا مَا

تَرَكْتُ مِنْ سَبِيْلٍ تُحِبُّ اَنْ تُنْفَقَ فِيْهَا اِلَّا اَنْفَقْتُ فِيْهَا لَكَ (میں نے کوئی ایسی جگہ نہیں چھوڑی جہاں مال خرچ کرنا تجھے پسند ہو مگر میں نے تیری رضا کے لئے وہاں ضرور خرچ کیا) اللہ تعالیٰ فرمائے گا كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِيْلَ (تو جھوٹا ہے، تو نے مال اس لئے خرچ کیا تھا تا کہ لوگ کہیں فلاں بڑا سخی ہے) دنیا میں تیری تمنا پوری ہوگئی، تجھے سخی کہا گیا، اب یہاں تیرے لئے کچھ بھی نہیں ہے، اس کے بعد فرشتوں کو حکم دے گا کہ اس کو بھی منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں جھونک دو۔

محترم بزرگو اور دوست! یہ مسلم شریف کی روایت ہے۔ سوچئے کہ ریاکاری کے لئے اس میں کتنی سخت وعید بیان کی گئی ہے کہ بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جس نے لوگوں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا، جس نے لوگوں کو دکھانے کیلئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا، جس نے لوگوں کو دکھانے کے لئے صدقہ دیا اس نے شرک کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بِحَسْبِ امْرِئٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ يُّشَارَ اِلَيْهِ بِالْاَصَابِعِ فِيْ دِيْنٍ اَوْ دُنْيَا اِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ۔ (بیہقی)

''آدمی کے شر کے لئے یہ کافی ہے کہ کسی دینی یا دنیاوی معاملہ میں اسے انگلی سے اشارہ کر کے بتایا جائے، مگر وہ شخص جسے اللہ محفوظ رکھے۔''

جو لوگ اپنی عبادتوں کو چھپاتے ہیں، ہر کام خلوص نیت سے کرتے ہیں، ریاکاری اور دکھاوے سے بچتے ہیں، ایسے ہی لوگ اللہ کو پسند ہیں، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْاَبْرَارَ الْاَتْقِيَاءَ الْاَخْفِيَاءَ الَّذِيْنَ اِذَا غَابُوْا لَمْ يُتَفَقَّدُوْا وَاِنْ حَضَرُوْا لَمْ يُدْعَوْا قُلُوْبُهُمْ مَصَابِيْحُ الْهُدٰى يَخْرُجُوْنَ مِنْ كُلِّ غَبْرَاءَ مُظْلِمَةٍ۔ (ابن ماجه)

''اللہ تعالیٰ ایسے نیک، متقی، پوشیدہ حال بندوں کو پسند کرتا ہے جو لوگوں میں ایسے گمنام ہوں کہ اگر غائب ہوں تو انہیں تلاش نہ کیا جائے، (مگر اللہ کے نزدیک ان کا یہ مرتبہ ہے کہ) ان کا دل ہدایت کے چراغ ہیں اور وہ ہر مشکل سے صاف نکل جاتے ہیں۔''

ہم خدا خواہی وہم دنیائے دُوں
ایں خیال است و محال است و جنوں

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

سلام ومصافحہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ وَعَلَيْهِ نَتَوَكَّلُ وَبِهٖ نَسْتَعِيْنَ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ عَلٰى نَعْمَائِهٖ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ اَنْبِيَائِهٖ اَمَّا بَعْد۔

محترم حضرات!

روزانہ ہماری بہت سے لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے، کبھی کوئی ہمارے گھر آتا ہے، کبھی ہم کسی کے گھر جاتے ہیں، کبھی راستے میں آمنا سامنا ہوتا ہے، ہماری یہ روز روز کی ملاقاتیں، روز روز کا ملنا جلنا آپسی میل جول کا سبب ہے، آپسی محبت وتعلق میں اضافہ کا ذریعہ ہے، لیکن یہ محبت وتعلق، یہ میل جول اس وقت اور بھی زیادہ ہوجاتا ہے جب ہم اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں، اسلام نے ملاقات کا جو طریقہ بتایا ہے اس کا خیال کرتے ہیں، خدا اور رسولؐ کے حکموں پر چلتے ہیں۔ اسلام بتاتا ہے کہ ہماری آپسی محبت اس وقت زیادہ بڑھے گی جب ہم ایک دوسرے کو سلام کریں گے، مصافحہ کریں گے، ایک دوسرے کی خیریت پوچھیں گے اپنائیت اور مخلصانہ جذبات کا اظہار کریں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَاتَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا اَوَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ (مسلم)

تم لوگ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوسکتے جب تک کہ ایمان نہ لاؤ اور اس وقت تک مومن کامل نہیں ہوسکتے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرو، کیا میں تمہیں ایک ایسی بات نہ بتادوں؟ کہ جب تم اسے کروگے تو تم آپس میں محبت کرنے لگوگے سنو! آپس میں سلام کو فروغ دو۔"

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں بیمار پڑجائے تو اس کی عیادت کرے، انتقال ہوجائے تو جنازہ میں شریک ہو، جب وہ بلائے تو اس کی دعوت کو قبول کرے، جب ملاقات ہو تو سلام کرے، جب اس کو چھینک آئے تو یَرْحَمُكَ اللّٰه کہہ کر چھینک کا

جواب دے، غائب وموجود ہر صورت میں اس کا خیر خواہ رہے۔

سلام کرنے کے لئے ضروری نہیں کہ ہم اسے پہچانتے ہوں۔ سلام ہر ایک کو کرنا چاہیے خواہ ہم پہچانیں یا نہ پہچانیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ (کونسا اسلام سب سے بہتر ہے؟) حضورؐ نے فرمایا: تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرِئُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ (کھانا کھلانا اور سلام کرنا، اسے بھی جسے پہچانتے ہو اور اسے بھی جسے نہیں پہچانتے)۔

سلام میں پہل کرنے والا اللہ کی رحمت ومغفرت کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔ سلام میں پہل کرنا غرور وتکبر سے بری ہونے کی دلیل ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چھوٹا، بڑے کو سلام کرے، سوار پیدل کو، پیدل چلنے والا بیٹھے ہوؤں کو سلام کرے چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو سلام کرے۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول خدا ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوا اور یوں سلام کیا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ، آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا اسے دس نیکیاں ملیں، پھر دوسرا شخص آیا اس نے یوں سلام کیا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، حضورؐ نے اس کے سلام کا بھی جواب دیا پھر فرمایا اسے بیس نیکیاں ملیں، اتنے میں تیسرا شخص آیا اس نے اس طرح سلام کیا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ، حضورؐ نے اس کا بھی جواب دیا اور فرمایا اسے تیس نیکیاں ملیں، ایک دوسری روایت میں ہے کہ چوتھے شخص نے آکر یوں سلام کیا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ وَمَغْفِرَتُهٗ، حضورؐ نے اس کے سلام کا بھی جواب دیا اور فرمایا اسے چالیس نیکیاں ملیں۔ (ترمذی، ابوداؤد)

سلام کا جواب جس قدر ہوس کے اچھے سے اچھے طریقہ سے دینا چاہیے۔ ارشاد باری ہے:

وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا (نساء پ۵)

جب تمہیں کوئی سلام کرے تو تم اس سے زیادہ اچھے الفاظ میں سلام کرو یا ویسے ہی الفاظ کہہ دو۔"

ایک تابعی طفیل بن ابی بن کعبؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روزانہ صبح انہیں لے کر بازار جاتے اور بازار میں جو بھی چھوٹا بڑا دوکاندار، امیر وغریب ملتا سب سے سلام کرتے، کسی دوکان پر کبھی رکتے نہیں تھے، نہ کوئی سامان خریدتے، بس سلام کرتے ہوئے گزر جاتے، طفیل کہتے ہیں کہ اسی طرح ایک دن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ چلو بازار چلیں۔

میں نے کہا آپ کا بازار میں کیا کام؟ آپ نہ کسی دوکان پر رکتے ہیں نہ کوئی سامان خریدتے ہیں، نہ کوئی بھاؤ تاؤ کرتے ہیں، نہ بازار کی کسی مجلس میں بیٹھتے ہیں، پھر آپ بازار جا کر کیا کیجئے گا۔ آیئے یہیں ہمیں حدیث نبوی کا درس دیجئے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بازار اس لئے جاتا ہوں تا کہ جو ملے اسے سلام کروں۔ (مشکوٰۃ)

اللہ اکبر! اتنے بڑے صحابی اور روزانہ صبح سویرے بازار اس لئے جایا کرتے تھے تا کہ ہر ملنے والے کو سلام کر سکیں، ظاہر ہے کہ بازار میں جتنے لوگ اور جس جس قسم کے لوگ ملتے ہیں کسی اور جگہ کہاں ملیں گے، لہٰذا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ سماج کے ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد کو سلام کر کے زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کریں اور صرف اسی کام کے لئے روزانہ بازار جایا کرتے تھے۔

سلام کا ایک حصہ مصافحہ بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

تَمَامُ تَحِيَّاتِكُمْ بَيْنَكُمُ الْمُصَافَحَةُ۔

"تمہاری آپسی مبارکبادی اور سلام کی تکمیل مصافحہ سے ہوتی ہے۔"

ابوداؤد شریف کی روایت ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں اور ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے گناہ جھڑتے ہیں اور ان کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔

ایک دوسری حدیث میں رسول خدا ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

تَصَافِحُوْا يُذْهِبُ الْغِلَّ وَ تَهَادَوْا تَحَابُّوْا وَتَذْهَبُ الشَّحْنَاءُ۔

ایک دوسرے سے مصافحہ کیا کرو، یہ کینے کو دور کر دیتا ہے، ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو، اس سے محبت بڑھتی ہے اور دشمنی ختم ہو جاتی ہے۔"

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

باتوں سے بھی بدلی ہے کسی قوم کی تقدیر
بجلی کے چمکنے سے اندھیرے نہیں جاتے

طہارت

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْکِتَابَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَهٗ عِوَجًا وَجَعَلَهٗ نُوْرًا بِهٖ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ وَاَشْکُرُهٗ عَلٰی سَوَابِغِ اَنْعَامِهٖ وَتَرَادُفِ اٰلَائِهٖ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّهٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی سَائِرِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِیْنَ۔
اَمَّا بَعْدُ

صدر محترم، حاضرین جلسہ!

میں آج آپ حضرات کے سامنے پاکی اور طہارت کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، پاکی اور طہارت کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے، پاکی کو نصف ایمان کہا گیا ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں: اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ (طہارت نصف ایمان ہے)

ایمان کے ذریعہ ہم اپنے جسم کو کفر و شرک کی باطنی آلائش و نجاست سے پاک کرتے ہیں اور طہارت کے ذریعہ ظاہری نجاست یعنی پیشاب، پاخانہ اور دیگر گندگیوں سے ہم اپنے بدن کو پاک کرتے ہیں۔

ہمارے بہت سے بھائی طہارت اور پاکی کے اصولوں کا خیال نہیں کرتے استنجاء وغیرہ کو معمولی فعل سمجھتے ہیں، اس لئے اس میں احتیاط نہیں کرتے اور پیشاب کے چھینٹے بدن پر پڑ جاتے ہیں۔ حالانکہ پیشاب کے چھینٹوں سے بھی بچنا لازمی اور ضروری ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے اور فرمایا:

اِنَّهُمَا لَیُعَذَّبَانِ وَمَا یُعَذَّبَانِ فِیْ کَبِیْرٍ۔

ان دونوں کو عذاب قبر ہو رہا ہے، اور عذاب قبر کسی بہت بڑے معاملہ میں نہیں ہو رہا ہے۔

پھر حضورؐ نے فرمایا کہ ان دونوں میں سے ایک شخص چغل خوری کرتا تھا، اور دوسرا کَانَ لَا یَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ (پیشاب سے نہیں بچتا تھا)۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک بار حضور ﷺ ایک صالح صحابی کے دفن سے فارغ

ہوئے تو حضور کو بذریعہ وحی معلوم ہوا کہ وہ عذاب قبر میں مبتلا ہو گئے ہیں، حضور ﷺ ان صحابی کی بیوی کے پاس تشریف لائے اور دریافت کیا کہ وہ کیا کام کرتے تھے؟ بیوی نے جواب دیا:

كَانَ يَرْعَى الْغَنَمَ وَلَا يَتَنَزَّهُ مِنْ بَوْلِهِ۔

''وہ بکریاں چراتے تھے لیکن ان کے پیشاب سے بچتے نہیں تھے۔''

یہ سن کر حضور ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

اِسْتَنْزِهُوْا مِنَ الْبَوْلِ فَاِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ۔

''پیشاب سے بچو، کیونکہ عام طور پر قبر کا عذاب پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔''

محترم دوستو! اچھی طرح استنجا کرنا کہ پیشاب کے قطروں کا احتمال نہ رہے اور انسان اچھی طرح پاک رہے، کتنی فضیلت رکھتا ہے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ جب سورۂ توبہ کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

﴿فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ﴾

قبا میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو خوب پاکی حاصل کرنا پسند کرتے ہیں اور اللہ خوب پاکی حاصل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

حضور ﷺ نے قبا کے انصار کو بلایا اور فرمایا،

يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَثْنٰى عَلَيْكُمْ فِي الطُّهُوْرِ فَمَا طُهُوْرُكُمْ۔

''اے گروہ انصار! اللہ نے تمہارے طہارت حاصل کرنے کے طریقے کی تعریف کی ہے۔ تمہارے طہارت حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟''

انہوں نے جواب دیا کہ ہم نماز کے لئے اچھی طرح وضو کرتے ہیں، حالت جنابت میں اچھی طرح غسل کرتے ہیں اور استنجا پانی سے کرتے ہیں، یعنی صرف ڈھیلے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ پانی کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

فَهُوَ ذَاكَ فَعَلَيْكُمُوْهُ۔

''یہی بات ہے، پس تم ایسا ہی کرتے رہو۔''

طہارت کے اصولوں میں یہ بھی ہے کہ آدمی جب سو کر اُٹھے تو پانی کے برتن میں ہاتھ نہ ڈالے، جب تک ہاتھ کو دھو نہ لے، حضور ﷺ فرماتے ہیں:

اِذَا اسْتَيْقَظَ اَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهٖ فَلَا يَغْمِسْ يَدَهٗ فِي الْاِنَاءِ حَتّٰى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا فَاِنَّهٗ لَا يَدْرِيْ اَيْنَ بَاتَتْ يَدُهٗ۔

''جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ برتن میں نہ ڈالے، یہاں تک کہ اسے تین مرتبہ دھو لے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گزاری ہے۔''

حاضرین جلسہ!

مختصر بات یہ ہے کہ ہم کو طہارت کے اصولوں کی پابندی کرنی چاہیں پیشاب کے چھینٹوں سے بچنا چاہیے۔ حضور ﷺ نے طہارت واستنجا کے سلسلے میں ہم کو جو ہدایات دی ہیں ان پر عمل کرنا چاہیے، تاکہ ہم دنیا و آخرت میں کامیاب ہوں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

رُخ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزم خیال میں، نہ دوکان آئینہ ساز میں

ملکی مسائل کا حل

تعلیمات رسولؐ کی روشنی میں

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ اَمَّا بَعْدُ۔

عذاب دانش حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثل خلیلؑ

صدر محترم حاضرین جلسہ!

ہمارا وطن جو ساری دنیا میں ہندوستان جنت نشان کا نام سے مشہور ہے۔ آج طرح طرح کے مسائل سے دو چار ہے۔ مختلف تہذیبوں کا گہوارہ، مختلف قوموں کا مسکن، بھانت بھانت کی بولیاں بولنے اور قسم قسم کا طرز زندگی اپنانے والوں کا یہ وطن سرسبز و شاداب باغوں، من موہن جھیلوں اور آبشاروں، بل کھاتی ہوئی ندیوں نالوں، بلند و بالا پہاڑوں اور وسیع و عریض صحراؤں کا یہ دیش، آج ایسے مسائل میں گرفتار ہے کہ قائدین کی قیادت، رہنماؤں کی رہنمائی، مدبروں کی تدبیریں داناؤں کی دانائی اور عقلمندوں کی عقلیں بھی حیران و پریشان اور حل تلاش کرنے میں ناکام ہیں۔

وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ ہم اپنا مطمح نظر دنیا کو بنالیا اور دنیاوی اصولوں کے مطابق ہی ہم ان مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں، حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیاوی اصول اور ضابطے انسانوں کے اپنے ہاتھ کے بنائے ہوئے ہیں اور انسانوں کے بنائے ہوئے اصول زندگی کے ہر مرحلے اور ہر موڑ پر رہنمائی کی صلاحیت نہیں رکھتے اور نہ انہیں وہ مذہبی تقدس حاصل ہوتا کہ آدمی اُن پر اجر و ثواب سمجھ کر عمل کرے۔

ہمیں اپنے وطن سے محبت ہے، اس کے ذرہ ذرہ سے پیار ہے، وطن کی مشکلات وطن کے مسائل اور دشواریوں کا ہمیں دکھ اور درد ہے اور ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہمارے ملک کے بڑھتے ہوئے مسائل اسی وقت حل ہو سکتے ہیں جب ہم خود ساختہ قوانین کو چھوڑ کر سید الاولین آخرین محمد عربی ﷺ کی تعلیمات کو گوش حق نیوش سے سنیں، دل صداقت شعار

سے قبول کریں، اور اپنے اقوال و افعال اور اپنی حرکات و سکنات کو انہیں تعلیمات کا پابند بنالیں۔

ہمارے ملک کا سب سے بڑا مسئلہ تعصب اور فرقہ پرستی کا ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ یہ آگ جب فسادات کی شکل میں لگتی ہے تو شہروں، آبادیوں کو تہس نہس کر ڈالتی ہے۔ انسان ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے، انسانیت کی جگہ حیوانیت اور درندگی لے لیتی ہے۔ شیطنت رقص کرتی ہے، آدمیت کا جنازہ نکل جاتا ہے، فرقہ پرستی اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ ایک مذہب والا دوسرے مذہب والے کو گالیاں دیتا ہے اس کے مذہبی مقامات و مراسم کی توہین کرتا ہے، مگر محمد عربی ﷺ پر نازل شدہ قرآن مقدس فرقہ پرستی کی اس جڑ کو اکھاڑ پھینکتا ہے اور فرماتا ہے:

﴿وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾

(انعام)

''اور انہیں برا نہ کہو جن کی یہ لوگ اللہ کے علاوہ عبادت کرتے ہیں ورنہ وہ نادانستگی میں اللہ کو برا کہیں گے۔''

فرقہ پرستی اور عصبیت کے درخت پر رسول اللہ ﷺ یوں تیشہ چلاتے ہیں:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰى عَصَبِيَّةٍ وَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلٰى عَصَبِيَّةٍ۔

(ابو داؤد)

''وہ ہم میں سے نہیں جس نے عصبیت کی طرف بلایا وہ ہم میں سے نہیں جس نے عصبیت کی بنیاد پر جنگ کی وہ ہم میں سے نہیں جس کی موت عصبیت پر ہوئی۔''

قرآن کہتا ہے:

﴿وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾

(مائدہ)

''کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اس کے معاملہ میں انصاف کا دامن چھوڑ دو۔ انصاف سے کام لو یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔''

ہمارے ملک کا اہم مسئلہ اونچ نیچ ظلم و بربریت بھی ہے۔ طاقتور کمزور پر ظلم کرتا ہے۔ بڑی قومیں چھوٹی قوموں کو ستاتی ہیں، انہیں ذلیل و حقیر سمجھتی ہیں، لیکن تعلیمات رسول ہمیں بتاتی ہیں کہ ظلم خواہ کوئی کرے، کسی حال میں کریں، ہرگز گوارہ نہیں کیا جاسکتا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جس نے جان بوجھ کر ظالم کی مدد کی وہ اسلام سے نکل گیا۔ ایک دوسرے موقع پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے

رسولؐ! مظلوم کی مدد کرنا تو سمجھ میں آتا ہے، مگر ظالم کی مدد کیسے کریں؟ آپؐ نے فرمایا تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ فَذَالِكَ نَصْرُكَ اِيَّاهُ (اسے ظلم سے روکو یہی تمہاری اس کی مدد ہے)۔

آج ہمارا ملک اخلاقی بحران کا شکار ہے، کبھی کبھی ایسا بھی مرحلہ آجاتا ہے کہ محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے ملک میں کردار اور کیرکٹر نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی، سائنسی وٹیکنالوجی میں ہمارا ملک برابر ترقی کر رہا ہے مگر اخلاقی پستی اور اخلاقی زوال بھی ملک کا مقدر بن چکا ہے۔ ان حالات میں ہمیں اخلاق وکردار کی دولت وہاں سے ملے گی جس کی زندگی اخلاق وکردار کا سب سے اعلیٰ وارفع نمونہ تھی، جس نے اپنی آمد کا مقصد ہی یہ بتایا ہے کہ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ (میں اس لئے مبعوث کیا گیا ہوں تاکہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں) جس نے بتایا کہ انسان کو جو سب سے اچھی چیز عطا کی گئی ہے وہ حسن اخلاق ہے۔ جس کا ارشاد ہے کہ لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ (اللہ اس پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہ کرے) جس نے ساری مخلوق کو اللہ کا کنبہ کہا ہے اور اللہ کے کنبے کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والے کو اللہ کا سب سے زیادہ محبوب بتایا، جس نے حیا وشرم کو ایمان کا شعبہ قرار دے کر ساری دنیا کو غیرت نفس اور عزت وخودداری سے سرفراز کیا۔

ملک کے مسائل کو گنتے جایئے، حساب لگاتے جایئے کوئی ایسا مسئلہ نہ ملے گا جس کا حل تعلیمات رسولؐ میں نہ موجود ہو، بلکہ میں تو بڑھ کر کہتا ہوں کہ ملکی مسائل تو معمولی بات ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات میں ساری دنیا کے مسائل کا حل موجود ہے۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ دنیا نے جب جب اپنی مشکلات کا حل ارشادات رسولؐ میں تلاش کیا، وہ کامیابی وکامرانی سے ہم کنار ہوئی، اور آج بھی ہمارے ملک سمیت ساری دنیا کو اپنے مسائل کے لئے انہیں تعلیمات پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

توبہ

اَلْحَمْدُ لِاَهْلِهٖ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَهْلِهَا اَمَّا بَعْدُ

محترم بزرگو اور دوستو!

انسان خطا اور نسیان سے مرکب ہے، کوئی انسان یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس سے کوئی غلطی نہیں ہو سکتی، کسی قسم کے گناہ کا صدور نہیں ہو سکتا، انبیائے کرام علیہم السلام کے سوا کوئی انسان معصوم نہیں، غلطیاں، چوک، گناہ ہر ایک سے ہو سکتے ہیں اور ہو جاتے ہیں، گناہ ہو جانا حیرت انگیز نہیں، لیکن گناہوں پر اصرار اور گناہوں پر اڑے رہنا حیرت انگیز بھی اور بہت بڑی معصیت بھی، انسان سے جونہی کوئی گناہ ہو خواہ جان بوجھ کر یا غفلت و لاپروائی سے، اس پر لازم ہے کہ فوراً نادم ہو، توبہ واستغفار کرے اور اس گناہ کا ارتکاب نہ کرنے کا عہد کرے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ بَنِيْ اٰدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ۔ (ترمذی)

''حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر انسان خطا کار ہے اور سب سے اچھے خطا کار وہ لوگ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔''

سورہ تحریم میں ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾

''اے ایمان والو! اللہ سے خالص توبہ کرو، امید ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں۔''

جب بندہ کوئی گناہ کر لے، پھر اس کا اعتراف کرتے ہوئے توبہ واستغفار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے، اور کسی بھی بندہ کے لئے یہ بہت ہی سعادت و نیک بختی ہے کہ اس کے نامہ اعمال میں زیادہ سے زیادہ توبہ واستغفار ہو۔

محترم حضرات! توبہ کے بعد پھر وہی گناہ ہو جائے تو پھر توبہ کرنا چاہیے، بار بار گناہ ہو جائے تو بار بار توبہ کرنا چاہیے۔ اور کبھی بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے اور یہ نہیں سوچنا چاہیے

کہ توبہ کرتا ہوں، پھر گناہ کر بیٹھتا ہوں اب بھلا اللہ تعالیٰ معاف کرے گا۔ ایسا سوچنا حرام ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی کفر ہے۔

لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔

''اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو۔''

جب توبہ کی جائے، خالص توبہ کی جائے، آئندہ گناہ نہ کرنے کا پورا عزم ہو، لیکن اگر خدانخواستہ نفس کے بہکاوے میں آکر پھر گناہ ہو جائے تو چپ نہ بیٹھے، پھر توبہ کرے اور جب جب ایسا ہو تب تب توبہ کرے، اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہے، اللہ غفور رحیم ہے، وہ گناہوں کو بخش دے گا، بار بار بخشے گا، خواہ گناہوں کی مقدار آسمان وزمین کی وسعت کے برابر ہو جائے، اور خوش بھی ہوگا کہ میرا بندہ میری بخشش ومغفرت کا امیدوار ہے اور جانتا ہے کہ میں غفور رحیم ہوں، میں ہی گناہوں کو بخشتا ہوں۔

عَنْ اَبِیْ بَکْرِ نِ الصِّدِّیْقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا اَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَاِنْ عَادَ فِی الْیَوْمِ سَبْعِیْنَ مَرَّةً۔ (ابو دانود)

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس نے گناہوں پر اصرار نہیں کیا جس نے استغفار کر لیا؛ اگرچہ دن میں ستر مرتبہ ایسا ہوا ہو۔''

مسلم شریف کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے لوگو! اللہ سے توبہ کرو، اس لئے کہ میں ہر دن میں سو مرتبہ اللہ سے توبہ کرتا ہوں۔

سوچنے کا مقام ہے رسول خدا ﷺ تو گناہوں سے معصوم ہونے کے باوجود ایک ایک دن میں سو سو مرتبہ توبہ واستغفار کریں، اور ہم جیسے گنہگار، خطاؤں میں غرق، معصیت میں ڈوبے ہوئے توبہ کی بات بھی نہ سوچیں۔ جبکہ توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے، اللہ کی رحمت ومغفرت ہمارا انتظار کر رہی ہے مگر ہم ہیں کہ اللہ کی رحمت ومغفرت سے دامن بھرنے کے لئے آگے نہیں بڑھتے۔

حدیث میں ہے کہ جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے، پھر اگر توبہ واستغفار کرے تو دھبہ صاف ہو جاتا ہے اور دل چمکنے لگتا ہے لیکن اگر توبہ نہ کرے اور گناہ پر گناہ کرتا چلا جائے تو وہ دھبہ بھی بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے گناہ کو یوں سمجھے کہ پہاڑ کے نیچے کھڑا ہے اور ڈر ہے کہ پہاڑ اس پر گر نہ پڑے اور کافر وفاسق گناہ کو یوں سمجھتا ہے کہ جیسے ناک پر مکھی بیٹھی ہو۔

بزرگو اور دوستو! توبہ واستغفار دنیا کے غموں کا علاج اور کشائش رزق کا سبب ہے، اس سے دین بھی بنتا ہے اور دنیا بھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَخْرَجًا وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَ رَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔

''جس نے استغفار کو لازم کرلیا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ بنائے گا اور ہر غم سے کشادگی پیدا کرے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیگا جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہوگا۔''

اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو اپنی مرضیات پر چلائے، گناہوں اور خطاؤں سے محفوظ رکھے اور صدق دل سے توبہ واستغفار کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

خدا وہ درد محبت ہر ایک کو بخشے
کہ جس میں روح کی تسکین پائی جاتی ہے
(جگر مرادآبادی)

بھیک مانگنا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَہُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی لَہُ الْحَمْدُ کَمَا یَنْبَغِیْ لِجَلَالِ وَجْھِہٖ وَعَظِیْمِ سُلْطَانِہٖ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَفْوَۃِ رُسُلِہٖ وَخَاتَمِ اَنْبِیَائِہٖ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

بزرگان ملت اسلامیہ!

جو تو حق و صداقت کے لئے تیار ہو جائے
نگاہیں تیر بن جائیں زباں تلوار بن جائے

بھیک مانگنا، لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا، غیرت وحمیت کے خلاف ہے اس سے خودداری ختم ہو جاتی ہے، شرم وحیا جاتی رہتی ہے، انسان کاہل اور کام چور ہو جاتا ہے، سب کی نگاہوں میں ذلیل وخوار ہو جاتا ہے، وہ مانگتا ہے خوشامد کرتا ہے، کوئی دیتا ہے، کوئی نہیں، کوئی خوشی سے دیتا ہے، کوئی منہ بگاڑ کر، کوئی نرمی سے انکار کرتا ہے، کوئی جھڑک کر، مانگنے والے کو سب سہنا ہے۔ کیونکہ اس کا ہاتھ مانگنے والے کا ہاتھ ہے، مانگنے والے کا ہاتھ نیچے ہوتا ہے، نیچا بن کر رہنا ہے۔ دینے والے کا ہاتھ اوپر ہوتا ہے اوپر والا اونچا مانا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی وَالْیَدُ الْعُلْیَا ھِیَ الْمُنْفِقَۃُ وَالسُّفْلٰی ھِیَ السَّائِلَۃُ۔ (بخاری ومسلم)

''اوپر کا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے، اوپر کا ہاتھ خرچ کرنے والا ہے اور نچلا ہاتھ مانگنے والا ہے۔''

بہت سے لوگ مانگنے کا پیشہ اختیار کر لیتے ہیں، گھر بھرا ہوتا ہے، کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی، اللہ کا دیا سب کچھ ہوتا ہے، مگر عادت پڑ گئی ہے، مانگیں گے ضرور، شرم وحیا کو طاق پر رکھ کر، عزت نفس کو بیچ کر، ڈانٹ پھٹکار سن کر جھڑکیاں برداشت کر کے مانگے جائیں گے، ہاتھ پھیلائے جائیں گے۔ جسم تندرست وتوانا ہوگا ہاتھ پاؤں میں کمانے کی طاقت ہوگی مگر بھیک مانگنا

بند نہ ہوگا، جھوٹے سچے بہانے کر کے، روپ بدل کر، خود کو بیمار واپاج، ظاہر کر کے، مختلف حیلوں اور تدبیروں سے بھیک مانگنے کا سلسلہ جاری رہے گا۔ خود بھی شامل رہیں گے اور بیوی بچوں حتیٰ کہ معصوم ننھے منے بچوں کو بھی بے غیرت بنادیں گے۔

بعض بھیک مانگنے والے یہ کہنے سے بھی نہیں چوکتے کہ ہم کیوں نہ مانگیں، یہی ہمارا پیشہ ہے، یہی ہماری روزی ہے، ہم فلاں برادری سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے مانگنا ہمارا پیدائشی حق ہے، جبکہ شرعاً بھیک مانگنے کا تعلق کسی ذات برادری اور خاندان وقبیلہ سے ہرگز نہیں، اس کا تعلق ضرورت وحاجت سے ہے، بغیر ضرورت وحاجت جو مانگے گا وہ مانگ مانگ کر جہنم کی آگ اکٹھا کرے گا، اپنی جھولی، اپنے کشکول میں انگارے بھرے گا۔

ارشاد نبویؐ ہے:

مَنْ سَأَلَ النَّاسَ أَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا فَإِنَّمَا يَسْأَلُ جَمْرًا فَلْيَسْتَقِلَّ أَوْ يَسْتَكْثِرْ۔

(مسلم)

''جس نے لوگوں سے ان کا مال زیادہ جمع کرنے کی نیت سے مانگا، وہ آگ کے انگارے مانگ رہا ہے، پس کم مانگے یا زیادہ۔''

حجۃ الوداع کے موقع پر دو شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے آپؐ اس وقت صدقہ تقسیم کر رہے تھے، ان دونوں نے بھی مانگا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک نظر دونوں پر ڈالی، دیکھا کہ تندرست وتوانا ہیں، کمانے کے لائق ہیں، آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''اگر میں چاہوں تو اس میں سے تم دونوں کو بھی دے سکتا ہوں، لیکن سن لو کہ اس میں کسی مالدار اور کمانے کے لائق تندرست وتوانا کا کوئی حصہ نہیں۔'' (ابوداؤد)

دوسری روایت میں ہے کہ صحیح الاعضاء کے لئے مانگنا جائز نہیں۔ (ترمذی)

مانگنا ایسے شخص کے لئے ہی جائز ہے جو کنگال وفقیر ہو یا سخت پریشان حال مقروض ہو، یا کسی کی ضمانت کے پیسوں کا انتظام اس کے پاس نہ ہو، اور جو لوگ ان حالات کے بغیر مانگتے رہتے ہیں ان کے منہ پر گوشت کی ایک بوٹی بھی نہ ہوگی، سارا چہرہ زخموں سے بھرا ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

دنیا میں انہوں نے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا پھیلا کر اپنے چہرہ کو بے غیرت کیا، منہ کی رونق ختم کی، لہٰذا میدان حشر میں بھی ان کا چہرہ بے رونق، بدصورت اور کریہہ المنظر دکھائی دے گا۔

سہیل بن حنظلہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے سوال کیا اور اس کے پاس اس قدر مال ہے جو اس کو غنی کر دے تو وہ اس سوال کے ذریعہ آگ کی کثرت

طلب کر رہا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا "غناء کی حد کیا ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے سوال کرنا جائز نہیں۔" آپ نے ارشاد فرمایا:

قَدْرَ مَا يُغَدِّيْهِ اَوْ يُعَشِّيْهِ۔

"اس قدر جو اس کے لئے صبح و شام کی غذا کا کام دے سکے۔"

دوسری روایت میں ہے شِبْعُ يَوْمٍ اَوْ لَيْلَةٍ وَيَوْمٍ (ایک دن یا ایک رات اور ایک دن پیٹ بھرنے کے لئے کافی ہو) ابوداؤد۔

زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی رسی لے کر لکڑی کا گٹھا اپنی پشت پر اٹھا کر لائے اور اس کو فروخت کرے اور اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کی آبرو بچالے، یہ اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے، وہ اس کو دیں یا نہ دیں۔

(بخاری)

حدیث میں ہے کہ جو شخص مانگنے اور سوال کرنے سے بچتا ہے، اللہ اس کو بچاتا ہے، جو لوگوں کے مال سے بے پروائی ظاہر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بے پروا بنا دیتا ہے، جو صبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو صبر عطا کرتا ہے، اور کسی شخص کو صبر سے بہتر اور فراخ عطیہ کوئی نہیں ملا۔

لالچ کے ساتھ مال کو لینا بے برکتی پیدا کرتا ہے، گویا کھاتا جا رہا ہے لیکن پیٹ بھرنے کا نام نہیں لیتا، اسی طرح مانگنے کا حریص، ہاتھ پھیلانے کا عادی شخص خواہ کتنا ہی پا جائے، اسکی حرص نہیں جاتی، ہر وقت اور اور کی طلب رہتی ہے۔ بے غیرتی کا یہ عالم ہو جاتا ہے کہ پیچھے پڑ کر لیتا ہے، جھڑکیاں سہہ کر لیتا ہے، ڈانٹ پڑتی ہے مگر باز نہیں آتا، رسوائی ہوتی ہے، ذلیل و خوار کیا جاتا ہے مگر بھیک مانگنے کا سلسلہ بند نہیں کرتا۔

حقیقت یہ ہے کہ مانگنے سے جو ملتا ہے اس میں برکت نہیں ہوتی، محتاج سمجھ کر کوئی خود سے دے دے، بے طلب مدد کرے، اس میں برکت ہوتی ہے۔ (مسلم)

عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَصَابَتْهُ فَاقَةٌ فَاَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهٗ وَ مَنْ اَنْزَلَهَا بِاللّٰهِ اَوْشَكَ اللّٰهُ لَهٗ بِالْغِنٰى اِمَّا بِمَوْتٍ عَاجِلٍ اَوْ غِنًى اٰجِلٍ۔ (ترمذی، ابوداؤد)

"جس شخص کو فاقہ پہنچے اور وہ لوگوں پر اس کو ظاہر کر دے، اس کی ضرورت پوری نہ کی جائیگی اور جو اللہ تعالیٰ سے ہی فریاد کرے قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی حاجت کو غنا کے ذریعہ پوری فرما دے۔ کسی کے جلد مر جانے سے یا دیر تونگری سے۔"

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''لوگو! جان لو کہ لالچ اور طمع فقر و غربت ہے اور ناامید و مایوس ہونا غناء اور لاپروائی ہے، آدمی جس چیز سے ناامید ہو جاتا ہے اس سے لاپروا ہو جاتا ہے۔ (رزین)

لہٰذا لوگوں کے مال سے بے نیاز اور لاپرواہ رہا کرو، مایوس اور ناامید رہا کرو تا کہ تمہارے اندر غنا کی صفت پیدا ہو اور بھیک مانگنے کی عادت نہ پڑے۔

وہ شبنم کا سکوں ہو یا کہ پروانے کی بے تابی
اگر اڑنے کی دھن ہو گی تو ہوں گے بال و پر پیدا

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کون مجھے اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ وہ لوگوں سے کبھی کوئی سوال نہیں کرے گا، میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں، حضرت ثوبان کھڑے ہوئے اور عرض کیا: ''میں ضمانت دیتا ہوں'' اس کے بعد حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ کبھی کسی سے کسی چیز کا سوال نہیں کرتے تھے۔ (ابوداؤد، نسائی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ مسکین وہ نہیں ہے جو ایک ایک دو دو لقموں کے لئے در در کی ٹھوکریں کھائے، صدائیں لگائے، حقیقت میں مسکین وہ ہے جو اپنا کام چلانے کے لئے کچھ بھی نہ پائے اور لوگ بھی سمجھ نہ پائیں کہ خود ہی دے دیں اور اس کی خودداری کا یہ حال ہو کہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانے کے لئے کھڑا بھی نہ ہو۔ (بخاری و مسلم) یہی مسکین ہے، یہی صدقہ و خیرات کا اصل مستحق ہے، اس کی امداد و اعانت کرنی چاہیے، ڈھونڈھ کر اور تلاش کر کے ایسے لوگوں کو دینا چاہیے، کیونکہ ایسے لوگوں کی مدد سراسر اجر و ثواب ہے، کار خیر ہے۔ حصول جنت کا ذریعہ ہے۔

سورۂ بقرہ میں ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ○ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾ (بقرہ ۲۷۲ و ۲۷۳)

''تم جو مال بھی خرچ کرتے ہو اس کا پورا پورا ثواب تم کو مل جائے گا اور تمہارے لئے اس میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ صدقات میں اصل حق ان حاجت مندوں کا ہے جو اللہ کے راستے میں محدود ہو گئے ہیں اسی وجہ سے وہ لوگ کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا عادۃً امکان

نہیں رکھتے، سوال سے بچنے کی وجہ سے، ناواقف انہیں تونگر سمجھتا ہے، تم ان کو ان کے طرز سے پہچان سکتے ہو (کیونکہ فقر وفاقہ سے چہرہ پر اثر ضرور آجاتا ہے) وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے، اور تم جو مال بھی خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ کو اس کی خوب اطلاع ہے۔"

بزرگان محترم! آپ حضرات کے سامنے جو باتیں بیان کی گئیں، ان سے بخوبی واضح ہوگیا کہ اسلام میں بھیک مانگنا منع ہے، دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی اجازت نہیں، وہ محنت ومزدوری کر کے کمانے کھانے پر زور دیتا ہے دوسروں کے آگے دست سوال دراز کرنے کی اجازت بدرجہ مجبوری ہے، پیشہ ورانہ بھیک مانگنے اور خاندانی حق سمجھنے کی قطعاً گنجائش نہیں۔

عہد رسالت کے ایک واقعہ سے ہماری مزید تائید ہوگی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپؐ سے سوال کیا، آپؐ نے ارشاد فرمایا: "تمہارے گھر میں کوئی چیز ہے؟ جواب دیا ہاں! ایک ٹاٹ ہے جس کے کچھ حصہ کو ہم پہنتے اور اوڑھتے ہیں، کچھ کو بچھاتے ہیں، اور ایک پیالہ ہے جس میں ہم پانی پیتے ہیں۔" آپؐ نے فرمایا دونوں چیزیں لے آؤ، وہ دونوں چیزیں لے کر آئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا مَنْ يَّشْتَرِيْ هٰذَيْنِ (انہیں کون خریدتا ہے؟) ایک شخص نے کہا: میں ان دونوں کو ایک درہم میں خریدتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا مَنْ يَّزِيْدُ عَلٰى دِرْهَمٍ (ایک درہم سے زیادہ کون دیتا ہے؟) آپؐ نے یہ بات دو یا تین مرتبہ فرمائی، گویا آپؐ نیلام فرما رہے تھے۔ ایک دوسرے آدمی نے کہا اَنَا اٰخُذُهُمَا بِدِرْهَمَيْنِ (میں ان دونوں کو دو درہم میں خریدتا ہوں) آپؐ نے بولی اسی پر ختم کردی، سامان اس آدمی کو دے دیا اور اس سے دو درہم لے کر انصاری صحابی کو دے دیئے اور فرمایا: "ایک درہم کا کھانا وغیرہ خرید کر گھر والوں کو دے دو، اور دوسرے درہم کا تیشہ (کلہاڑی کا پھل) خرید کر میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ انہوں نے آپ کی ہدایت پر عمل کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس میں لکڑی کا دستہ اپنے دست مبارک سے لگایا اور فرمایا:

اِذْهَبْ فَاحْتَطِبْ وَبِعْ وَلَا اَرَيَنَّكَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا۔

"جاؤ! لکڑیاں کاٹ کر لاؤ اور بیچو، اور دیکھو! پندرہ دن تک میں تمہیں نہ دیکھوں (پندرہ دن تک لگاتار محنت کرتے جاؤ)۔"

چنانچہ وہ جنگل سے لکڑیاں لالا کر فروخت کرتے رہے، جب پندرہ دن پورے ہوئے تو وہ

دس درہم کما چکے تھے، کچھ کا کپڑا خریدا، کچھ کا کھانا، آپؐ نے ان کی محنت ومزدوری کی یہ کمائی دیکھ کر فرمایا:

هٰذَا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ اَنْ تَجِيْءَ الْمَسْئَلَةُ نُكْتَةً فِيْ وَجْهِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

''یہ تمہارے لئے اس بات سے بہتر ہے کہ قیامت کے دن مانگنے کی وجہ سے تمہارے چہرہ میں برانشان ہو۔''

پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سوال کرنا، تین شخصوں کے سوا کسی کے لئے جائز نہیں، ایسا محتاج جس کی بیچارگی نے اسے زمین پر ڈال دیا ہے۔ ایسا شخص جس کے ذمہ بھاری قرض ہے جس کے اتارنے کی اسے طاقت نہیں، یا کسی خون والے کے لئے (خون بہا ادا کرنے کے لئے) جس کی ادائیگی اس کے لئے سخت مشقت اور تکلیف کا سبب ہو۔ (ترمذی، ابوداؤد)

بزرگو اور دوستو!

کتنے افسوس کی بات ہے کہ جس دین نے بھیک مانگنے سے سب سے زیادہ منع کیا ہو، محنت سے کمانے کھانے اور کوشش وجدوجہد سے روزی حاصل کرنے پر سب سے زیادہ زور دیا ہو، اسی مذہب کے نام لیواؤں میں بھکاریوں کا تناسب سب سے زیادہ ہو، ہر چوراہے، گلی کوچے اور مسجد کی سیڑھیوں اور دروازوں پر بھیک مانگنے والوں کی بھیڑ دکھائی دے، قطار لگی نظر آئے۔

اپنے خورشید پہ پھیلا دیئے سائے ہم نے
مانگتے پھرتے ہیں اغیار سے مٹی کے چراغ

ہمیں ایک نیا سماج بنانے کی ضرورت ہے، ایسا سماج جس میں بھیک مانگنے والے نہ ہو، محنت کر کے کمانے والے ہوں، دوسروں کے آگے دست سوال دراز کرنے والے نہ ہوں، کسب حلال کی روزی کمانے والے ہوں، بھکاریوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی ترغیب دی جائے، ان کی مدد کر کے انہیں روزی روٹی سے لگا دیا جائے، پیشہ ور فقیروں، برادری کے نام پر مانگنے والوں اور ایسے لوگوں کو بھیک ہرگز نہ دی جائے جو تندرست وتوانا ہوں. کمانے کھانے کے لائق ہوں، گھر بھرا ہو، کسی طرح کی محتاجگی نہ ہو پھر بھی مانگتے پھریں، یہ لوگ اسلام کی پیشانی پر کلنک کا داغ ہے، اس داغ اور دھبے کو صاف کرنا مسلمانوں کی اہم ذمہ داری ہے۔

بھنور سے لڑو، تند لہروں سے الجھو
کہاں تک چلو گے کنارے کنارے

وماعلینا الا البلاغ

خودکشی حرام ہے

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَجَعَلَ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدَرًا وَّ اَجَلًا مُطَابِقًا بِعِلْمِہٖ وَحِکْمَتِہٖ وَھُوَالْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ فِی الْاُلُوْھِیَّۃِ وَالْخَلْقِ وَالتَّدْبِیْرِ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَلْبَشِیْرُ وَالنَّذِیْرُ وَالسِّرَاجُ الْمُنِیْرُ امابعد

جو غم میں گھبرا رہے ہیں شاعر کوئی یہ اے کاش ان سے پوچھے
اگر سمجھتا ہے زندگی کو تو زندگی سے فرار کیوں ہے؟

محترم بزرگو اور دوستو!

جان کتنی پیاری چیز ہے، جان قدرت کا کتنا بہترین عطیہ ہے، جان ہو تو زندگی ہے، جان نہ ہو تو زندگی نہیں۔ اس جان اور زندگی کے لئے آدمی کیا کیا جتن کرتا ہے، کیا کیا کوششیں کرتا ہے، جان ہر ایک کو عزیز ہوتی ہے، جان ہر ایک کو پیاری ہوتی ہے، کوئی مرنا نہیں چاہتا، کوئی جان سے جانا نہیں چاہتا، مگر یہ ساری باتیں عقل و ہوش کی ہیں، فہم و فراست کی ہیں، اس وقت کی ہیں جب عقل گم نہ ہو، حواس قابو میں ہوں۔

لیکن ہوتا یہ ہے کہ کبھی کبھی آدمی عقل سے بیگانہ ہو جاتا ہے، ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے، سمجھ بوجھ کی صلاحیت اور اچھائی برائی کی استعداد سے محروم ہو جاتا ہے۔ تب جان جیسی عزیز و پیاری چیز بھی اس کے نزدیک عزیز نہیں رہتی، زندگی جیسی نعمت و دولت بھی اس کی نظر میں بے وقعت ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے ہاتھ سے اپنی جان دے دیتا ہے، اپنا گلا گھونٹتا ہے، دریا میں چھلانگ لگاتا ہے، کسی بلڈنگ سے کود جاتا ہے، ریل کی پٹری پر لیٹ جاتا ہے، زہر پی لیتا ہے، چھرا گھونپ لیتا ہے، گولی مار لیتا ہے۔

کس لئے؟ ذہنی سکون کے لئے؟ دنیا کی نگاہوں سے بچنے کے لئے؟ ندامت و شرمندگی کی وجہ سے، کسی مرحلہ میں ناکام ہو جانے کی وجہ سے، کسی معاملہ میں ذلیل و رسوا ہو جانے کے خوف سے؟ کسی جذبات میں آکر، دنیا والوں کی نگاہوں میں سرخ رو ہونے اور بہادر گنے جانے کے

لئے؟

حالانکہ ایسے شخص کو ان میں سے کچھ نہیں ملتا، نہ سکون ملتا، نہ رسوائی سے نجات ملتی، نہ وہ بہادر گنا جاتا، نہ سماج میں اس کا مقام بلند ہوتا۔ بلکہ مزید رسوائی اور بدنامی ہاتھ آتی ہے، ذلیل وخوار ہوتا ہے، لوگ اس کا نام برائی سے لیتے ہیں، وہ حرام موت کا مرتکب ہوتا ہے، لوگ اس کے کفن اور نماز جنازہ میں شریک ہونے سے بھی کتراتے ہیں۔ یعنی مرنے کے بعد دنیا کا آخری مرحلہ جو تجہیز وتکفین کا ہوتا ہے، کفنانے اور دفنانے کا ہوتا ہے، نماز جنازہ پڑھنے اور دعائے مغفرت کا ہوتا ہے اس میں بھی لوگ بے دلی سے ہی شرکت کرتے ہیں، غم اور افسوس کم ہوتا ہے، نفرت پائی جاتی ہے۔ آنسو کم نکلتے ہیں کراہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس کے بالکل قریبی اعزا، اولاد، بیوی، والدین، بہن بھائی بھی کدورت ہی محسوس کرتے ہیں، غم واندوہ کی وہ کیفیت بالکل نہیں ہوتی جو طبعی موت کے نتیجے میں ہوتی ہے۔ مرنے والوں سے وہ لگاؤ، تعلق اور محبت ذرا بھی نہیں لگتی جو فطری اور عام حالات میں موت ہونے سے لگتی ہے۔ سب جلد از جلد اس کے آخری مراسم ادا کرنا چاہتے ہیں۔ جلد از جلد اس کی لاش کے بوجھ سے چھٹکارا پانا چاہتے ہیں، گھر کو اس کے وجود سے پاک وصاف کر دینا چاہتے ہیں۔

بزرگو اور دوستو! ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ اس نے خودکشی کی ہے، حرام موت مرا، اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، حکم شریعت کا مذاق اڑایا، فرمان خداوندی کو پس پشت ڈالا، اللہ نے جس چیز کا اختیار اسے نہیں دیا تھا، وہ اس نے کر ڈالا، ایسا کام کیا جو قرآن کے بھی خلاف ہوا۔ حدیث کے بھی خلاف، مزاج شریعت کے بھی خلاف، اور دنیاوی قانون وسماج کے بھی خلاف۔ اور ہر ایک کے نزدیک قابل سزا جرم ہے۔

حادثات وقت ہم سے کر رہے ہیں اک سوال
کس گھڑی ظرف بشر کا امتحاں ہوتا نہیں

موت اور زندگی انسان کی اختیاری نہیں، موت وزندگی کا مالک اللہ ہے۔ خودکشی کرنے والا اللہ کی ملکیت میں دخل دیتا ہے، اس پر غاصبانہ قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ موت وحیات اگر انسان کی اختیاری چیز ہوتی تو انسان جب چاہتا مر جاتا، جب چاہتا مرنے سے بچ جاتا، لیکن ہمارا مشاہدہ ہے کہ بہت سے خودکشی کرنے والے، موت کو دعوت دینے والے، اپنے آپ کو موت کے حوالہ کرنے والے موت سے بچ جاتے ہیں، مر نہیں پاتے، اور بہت سے موت سے بچنے کی کوشش کرنے والے موت سے بچ نہیں پاتے۔

معلوم ہوا کہ موت وحیات انسان کی چیز نہیں، انسان کی ملکیت نہیں، موت وحیات کا مالک اللہ ہے، وہ جب چاہتا ہے مارتا ہے، جب چاہتا ہے موت سے بچالیتا ہے، زندگی، انسان کے لئے اللہ کا عطیہ ہے، امانت ہے، وہ اس سے فائدہ اٹھائے، لیکن اس میں تصرف نہ کرے، اپنی مرضیات نہ چلائے، مالکانہ اختیار کا دعویدار ہوکر اسے بنانے اور بگاڑنے کی کوشش نہ کرے، زندگی سے کھیل نہ کرے، اس عطیہ خداوندی اور نعمت الٰہی کو اسی کے مطابق گزارے جو حکم الٰہی ہے، جو منشائے خداوندی ہے۔

قرآن کہتا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ۔ (نساء ۲۹)

''اپنے نفسوں کو قتل نہ کرو۔''

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ خود کو مار ڈالنا یا مار ڈالنے کی کوشش کرنا درکنار، موت کی تمنا بھی نہ کرو، موت کی چاہت بھی نہ رکھو، زندگی جو اللہ نے دی ہے اس کی قدر کرو، اسے عزیز رکھو، اس سے محبت رکھو، اس سے پیار کرو۔ جاں کنی کی تکلیف سے ڈرو۔

لَا تَمَنَّوُا الْمَوْتَ فَاِنَّ هَوْلَ الْمُطَّلَعِ شَدِيْدٌ وَاِنَّ مِنَ السَّعَادَةِ اَنْ يَطُوْلَ عُمْرُ الْعَبْدِ وَيَرْزُقُهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اَلْاِنَابَةَ۔ (مسند احمد)

''موت کی آرزو نہ کرو، بے شک جاں کنی کا ہول سخت ہے، بندے کی نیک بختی یہ ہے کہ عمر لمبی ہو اور اللہ تعالیٰ اسے طاعت نصیب کرے۔''

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، آپ نے ہمیں نصیحت فرمائی اور ہمارے دل نرم کئے، حاضرین میں حضرت سعد بن ابی وقاص بھی تھے وہ رو پڑے اور بہت زیادہ روئے اور کہا یَا لَیْتَنِیْ مِتُّ (اے کاش میں مرجاتا) حضور ﷺ نے فرمایا اے سعد! میرے پاس بیٹھ کر تم موت کی تمنا کرتے ہو؟ آپؐ نے یہ کلمات تین بار دہرائے۔ پھر فرمایا:

اِنْ كُنْتَ خُلِقْتَ لِلْجَنَّةِ فَمَا طَالَ عُمْرُكَ وَحَسُنَ مِنْ عَمَلِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ۔ (مسند احمد)

''اے سعد! اگر تم جنت کے لئے پیدا کئے گئے ہو تو جس قدر تمہاری عمر لمبی ہوگی اور تمہارا عمل اچھا ہوگا تمہارے لئے بہتر ہے۔''

دوسری روایت میں ہے:

لَا یَزِیْدُ الْمُؤْمِنَ عُمْرُہٗ اِلَّا خَیْرًا۔ (مسلم)

''مومن کے لئے مومن کی عمر بھلائی میں ہی اضافہ کرتی ہے۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ تم میں سے کوئی موت کی آرزو نہ کرے کیونکہ اگر وہ نیک ہے تو شاید وہ نیکی اور زیادہ کر لے اور اگر برا ہے تو ممکن ہے وہ توبہ کرے اور اللہ کی رضا حاصل کرے۔

ڈرو نہ غم کی رات سے تموجِ حیات سے
بلا سے سخت ہی سہی یہ امتحاں چلے چلو

مصائب و آلام میں گھرا ہوا شخص جو اپنی زندگی کو بے فائدہ سمجھ رہا ہو، زندگی سے مایوس اور بیزار نظر آتا ہو، حد سے حد یہ جملہ کہہ سکتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مَا کَانَتِ الْحَیٰوۃُ خَیْرًا لِّیْ وَتَوَفَّنِیْ اِذَا کَانَتِ الْوَفَاۃُ خَیْرًا لِّیْ۔ (بخاری و مسلم)

''اے اللہ! مجھ کو زندہ رکھ جب تک زندہ رہنا میرے لئے بہتر ہے اور مجھ کو مار، جس وقت مرنا میرے لئے بہتر ہو۔''

محترم حضرات! غور کا مقام ہے، جب موت کی آرزو اور تمنا کرنا بھی حرام ہے، اس کی چاہت و خواہش بھی حرام، اس کی طلب اور لپک بھی حرام، پھر بھلا خود کو موت کے آغوش میں دھکیلنا، موت کے منہ میں ڈالنا، موت کے لئے پیش کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے، اسی لئے خودکشی حرام ہے اور خودکشی کو حرام موت کہا جاتا ہے، ایسی موت جو قابل نفرت ہے، باعث ننگ ہے۔ ایسی موت جو جہنم میں لے جانے والی ہے، دوزخ کا ایندھن بنانے والی ہے، جو اسلام میں بھی حرام ہے اور دنیاوی قانون میں بھی حرام اور قابل سزا ہے۔

جس خودکشی کرنے والے نے جس اذیت سے گزر کر موت کو گلے لگایا ہوگا اسی اذیت سے جہنم میں بھی گزرتا ہوگا، زہر کا پیالہ پینے والا زہر کا پیالہ پیتا رہے گا، چاقو مارنے والا چاقو مارتا رہے گا، چاقو مارنے والا چاقو مارتا رہے گا، کنویں میں چھلانگ لگانے والا جہنم کے کنویں میں چھلانگ لگاتا رہے گا، پستول مارنے والا پستول مارتا رہے گا۔ غرضیکہ وہ مسلسل اسی اذیت اور کرب سے گزرتا رہے گا جس طریقے سے اس نے خودکشی کی ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ تَرَدّٰی مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَہٗ فَھُوَ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ یَتَرَدّٰی فِیْھَا خَالِدًا مُّخَلَّدًا فِیْھَا اَبَدًا وَمَنْ تَحَسّٰی سَمًّا فَقَتَلَ نَفْسَہٗ فَسَمُّہٗ فِیْ یَدِہٖ یَتَحَسّٰہُ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ

خَالِدًا مُّخَلَّدًا فِيْهَا اَبَدًا وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهٗ بِحَدِيْدَةٍ فَحَدِيْدَتُهٗ فِيْ يَدِهٖ يَتَوَجَّاهَا فِيْ بَطْنِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُّخَلَّدًا فِيْهَا اَبَدًا۔

(بخاری ومسلم)

''جو شخص پہاڑ سے گرا اور اپنی جان کو قتل کر ڈالا وہ دوزخ کی آگ میں گرتا رہے گا، اور اس میں ہمیشہ ہمیش رہے گا، جس نے زہر پیا اور اپنی جان کو قتل کر ڈالا، اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا اور دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ہمیش پیتا رہے گا، جس نے اپنی جان کو کسی تیز ہتھیار سے قتل کیا، اس کا ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا۔ وہ اس کو اپنے پیٹ میں گھونپے گا اور دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔''

دوسری حدیث میں ہے:

جو شخص گلا گھونٹ کر اپنی جان کو مار ڈالتا ہے، وہ دوزخ میں اس کو گھونٹے گا۔ اور جو نیزہ مار کر اس کو قتل کرتا ہے، دوزخ میں اس کو نیزہ مارتا رہے گا۔ (بخاری)

اپنے دامن کے لئے چنے خود ہم نے
اب یہ چبھتے ہیں تو پھر اس میں شکایت کیا ہے

حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں پہلے لوگوں میں ایک شخص تھا، اس کے ہاتھ پر زخم آ گیا اس نے چھری لی اور اپنے ہاتھ کو کاٹ دیا، اس کا خون بہنا شروع ہوا اور بہتا ہی رہا۔ یہاں تک کہ وہ مر گیا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ''میرے بندے نے اپنے نفس کے ساتھ مجھ سے جلدی کی، میں نے اس پر جنت حرام کر دی۔

(بخاری ومسلم)

ایسے ہی ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ چنانچہ شریعت کا حکم یہی ہے کہ خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ میں اہم افراد شرکت نہ کریں، بس چند لوگوں کے ذریعہ معمولی طور پر اس کی نماز جنازہ پڑھ لی جائے تاکہ دوسروں کے لئے عبرت ہو اور سبق ملے۔

بزرگو اور دوستو! خودکشی کی ایک اور قسم ہے جسے لوگ خودکشی نہیں سمجھتے، خودکشی نہیں کہتے، جبکہ وہ بھی خودکشی ہے اور وہ ہے ''مرن برت'' یہ چیز بھی بہت عام ہو رہی ہے، یہ ایک سیاسی ہتھیار کے طور پر کسی پر دباؤ ڈالنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اسے سلو ڈیتھ (سست روی سے مرنا) کہا جا سکتا ہے۔ یہ بھی اسلام میں اسی طرح حرام اور ناجائز ہے جس طرح خودکشی کی دوسری قسمیں حرام

ہیں۔تا مرگ ہڑتال اور خودکشی میں کوئی فرق نہیں۔

یاد رکھئے! کوئی واقعہ کتنا ہی دردناک ہو، کتنا ہی اذیت ناک ہو، مصائب سے پر ہو، وہ ہمیشہ اسی طرح نہیں رہتا، وقت کے گزرنے کے ساتھ اس کی اہمیت، اس کی ہولناکی، اس کا کرب ختم ہو جاتا ہے، خودکشی کا ارادہ کرنے والا اگر اس بات کو ذہن میں رکھے اور خود سے سوال کرے۔

''یہ واقعہ جو آج مجھے اس قدر پریشان اور دکھی کئے ہوئے ہے، کیا آج سے ایک دن یا ایک ہفتہ یا ایک ماہ بعد بھی اس کی اہمیت اس قدر رہے گی؟''

ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی میں ملے گا۔دردناک سے دردناک اور تکلیف دہ سے تکلیف دہ واقعہ بھی دردناکی اور تکلیف وقت کے ساتھ کم ہو جاتی ہے، اس کا احساس بہت ہی معمولی رہ جاتا ہے۔

حادثوں کا کیا ہے یہ تو زندگی کے ساتھ ہیں
ایک سے بچ کر چلو گے دوسرا مل جائے گا

وقت ہر زخم کا مرہم ہے۔زندگی جیسی قیمتی چیز کے بدلے اگر کسی کو دکھ کے چند دن اور چند ماہ بھی گزارنا پڑیں تو یہ سودا مہنگا نہیں۔ایسے لوگوں کو بار بار اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھنا چاہیے اور دعا مانگتے رہنا چاہیے۔

اَللّٰھُمَّ اْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَ اَخْلِفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْھَا۔

''اے اللہ! میری مصیبت میں اجر عطا فرما اور مجھے اس کا بدل عنایت فرما۔''

یہ وہ ہتھیار ہے جو ہر درد کا درماں ہے، ہر مصیبت کا علاج ہے، ہر زخم کا مرہم ہے، ہر رنج و غم کا مداوا ہے۔

تری بندہ پروری سے مرے دن گزر رہے ہیں
نہ گلہ ہے دوستوں کا نہ شکایت زمانہ

حوادث زمانہ اسلام کی راہ میں حائل نہیں ہوتے

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ وَعَدَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِالنَّصْرِ وَالتَّاْیِیْدِ وَ دَافَعَ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کَیْدَ کُلِّ کَفَّارٍ عَنِیْدٍ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ الَّذِیْ جَاهَدَ فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ لِاِعْلَاءِ التَّوْحِیْدِ۔ اَمَّا بَعْدُ

رہِ حیات میں مرگ سکوں سے ڈرتا ہوں
نہ حادثات میں گزرے وہ زندگی کیا ہے؟

بزرگو اور دوستو!

آج ہر ایک کی زبان پر مسلمانوں کی پستی اور کم ہمتی کا رونا ہے، مسلمانوں کے انحطاط اور زوال کی کہانی ہے۔ زندگی کے ہر میدان میں مسلمانوں کی ناکامی کے چرچے ہیں، پیچھے رہ جانے کا تذکرہ ہے۔ معاشی، اقتصادی، تہذیبی، ثقافتی، اخلاقی روحانی ہر قسم کا انحطاط، ہر قسم کی کمزوریاں مسلمانوں میں موجود ہیں، مسلمانوں کی پستی کا رونا رونے اور آنسو بہانے والے غلط نہیں کہتے، ان کی باتیں اخلاص پر بھی مبنی ہیں اور حق وصداقت پر بھی۔ مگر بزرگان ملت! مجھے اس مسئلہ کو دوسرے رخ سے دیکھنا ہے۔ میں آج تصویر کا دوسرا پہلو لے کر آپ کے سامنے آیا ہوں۔ ایسا پہلو جو روشن و تابناک ہے، خوشگوار و خوش منظر ہے۔ ملت اسلامیہ کی بہتری کی ضمانت ہے، اس کے عالی شان مستقبل کا پرتو ہے۔

بزرگو اور دوستو! مجھے کہنے دیجئے کہ اسلام اور مسلمان دو چیزیں ہیں، مسلمانوں کے زوال سے اسلام کو زوال نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں کی کمزوری سے اسلام کمزور نہیں ہو سکتا، مسلمانوں کا انحطاط، اسلام کے انحطاط کی دلیل نہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کے عملی مظاہر مسلمان ہیں۔ اسلام کی جلوہ سامانیاں، مسلمانوں کی زندگیوں سے ہی اجاگر ہوتی ہیں۔ اس کے باوجود یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی پستی اور انحطاط کا ذمہ دار، اسلام نہیں، مسلمانوں کی بدعملی ہے۔ ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جانے کا سبب، اسلام نہیں، خود مسلمان ہیں۔ وہ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا نہیں اس لئے پیچھے ہو گئے، وہ اسلامی تعلیمات کے متبع نہیں، اس لئے کامیاب نہ ہو سکے۔

اسلامی تاریخ کے سنہرے واقعات ہماری دلیل کے لئے کافی ہیں، اوراق ماضی الٹئے اور اسلاف کی داستان پارینہ کا مطالعہ کیجئے اور سوچئے! دل کی گہرائیوں سے دماغ کی وسعتوں سے، آخر وہ کامیاب کیونکر ہوئے؟ زندگی کی ہر شاہراہ اور ہر محاذ پر کامرانی اور فتح مندی نے ان کے قدم کیوں چومے؟ اس کی صاف وجہ ہے کہ وہ نام کے مسلمان نہ تھے، سچے پکے مسلمان تھے، وہ اسلام کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ ان کی زندگیوں میں اسلام چلتا پھرتا نظر آتا تھا، ان کے ہوتے ہوئے یہ بتانے کی ضرورت نہیں رہتی تھی کہ اسلام اسے کہتے ہیں، دنیا انہیں کو دیکھ کر اسلام کو سمجھ لیتی تھی، ان کے عادات واطوار، اخلاق وکردار، رہن سہن اور وبود وباش سے پتہ چل جاتا تھا کہ اسلام کیا ہے؟ اسلام کی تعلیم کیا ہے؟ ان سے معاملہ کرنے والا، اسلام کی معاملاتی تعلیم سے واقف ہو جاتا تھا، ان سے خرید وفروخت کرنے والا، اسلام کے خرید وفروخت کے اصول جان لیتا تھا، ان سے صلح وجنگ کرنے والا، اسلام کے آئین صلح وجنگ سے آگاہ ہو جاتا تھا۔ ان کے سماج ومعاشرہ کو دیکھنے والا، اسلام کے سماجی ومعاشرتی نظام سے مطلع ہو جاتا تھا۔ وہ اسلام کی چلتی پھرتی تصویر تھے ان کا عمل سے بھرپور زندگیاں، اسلام کی تبلیغ کا حق ادا کر دیتی تھیں۔ لٹریچر اور تقریر کی ضرورت باید وشاید ہی کبھی پڑی ہو۔

اگر آنکھیں کھلی ہوں، دل دیکھتا ہوں، دماغ ہوش وحواس میں ہو تو ہر شخص یہ ماننے پر مجبور ہے کہ اسلام انسانیت کے لئے کامیابی کا ضامن ہے۔ دنیا میں بھی، آخرت میں بھی، وقتی زخم، وقتی حوادث، اس کی راہ میں حائل نہیں ہوتے، وہ دشواریوں کو حل کرتا ہوا، حوادث روزگار سے مورچہ لیتا اور نبرد آزما ہوتا ہوا اپنی راہ بناتا جاتا ہے، آگے بڑھتا جاتا ہے، آخر کار سربلندی، سرفرازی اس کا مقدر ہوتی ہے۔

﴿وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾

(آل عمران ۱۴۰)

ہمت نہ ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہو گے اگر تم پورے مومن رہے۔ اگر تم کو زخم پہنچ جائے تو اس قوم کو بھی ویسا ہی زخم پہنچ چکا ہے اور ہم ان ایام کو لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں۔"

اسلام کی تاریخ گواہ ہے کہ اسلام نہ فتنہ تاتار سے مغلوب ہو سکا، نہ اندلس کے عیسائی حکمرانوں کے ظلم وستم سے، نہ روس کے ستر سالہ کمیونزم کے سرخ اندھیروں سے، نہ چین کی جارحیت

سے، نہ کسی ملک کی سامراجیت، نہ کسی ملک یا قوم کی مسجدوں و مدرسوں پر یورش و یلغار سے، نہ اور کسی نظام جبر سے۔

زمانہ داستان عزم جب ترتیب دیتا ہے
سرفہرست آجاتے ہیں دیوانوں کے نام اکثر

بالفاظ دیگر حقیقت یہ ہے کہ:

سمندر کانپ جاتا ہے مری کشتی کی جرأت پر
کبھی گرداب سے الجھی، کبھی ساحل سے ٹکرائی

اسی لئے سارے حوادثات اور مصائب وآلام کی یلغار کے باوجود اسلام ہندوستان سمیت ساری دنیا میں پوری آب وتاب کے ساتھ زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔ بابری مسجد کی شہادت جیسے ہزاروں واقعات بھی اسلام کے قدم نہیں روک سکتے، اسے زندگی سے محروم نہیں کر سکتے۔

طوق و دار کی ساری منزلوں کو طے کر کے
اے اجل تجھے لینے خود حیات آئی ہے

اسلام کے دشمن منہ کی کھاتے رہیں گے، مٹانے والے خود مٹ جائیں گے مگر اسلام بڑھتا جائے گا، پھیلتا جائے گا۔ دلوں پر چھاتا جائے گا۔

یہ تو ممکن ہے کہ مسلمان ختم کر دیئے جائیں، قتل کر دیئے جائیں، تباہ و برباد کر دیئے جائیں، ان کا اثاثہ لوٹ لیا جائے، گھر سے بے گھر کر دیئے جائیں، در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو جائیں، انہیں دار پر کھینچا جائے، تہ تیغ کیا جائے، انہیں پابند طوق وسلاسل کر دیا جائے، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، پیروں میں بیڑیاں ہوں، زبانوں پر مہر سکوت لگا دی جائے، اپنی دانست میں مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے سارے حربے استعمال کر ڈالے جائیں، مگر پھر بھی اسلام ختم نہیں ہو سکتا، مسلمانوں کی بربادی، اسلام کی بربادی کو مستلزم نہیں، مسلمانوں کا ختم ہو جانا، اسلام کے ختم ہو جانے کو لازم نہیں کرتا۔

حادثات زندگی میں ہے پیام زندگی
برق سے کھیلیں گے طوفاں سے ٹکرائیں گے ہم

اللہ کو اسلام کی بقا منظور ہے، اسلام باقی رہے گا۔ ہم جیسے بے عمل اور نام نہاد مسلمان ختم ہو سکتے ہیں، اسلام نہیں، اللہ تعالیٰ ہماری جگہ دوسرے باعمل مسلمان پیدا کر دے گا، بلکہ عین ممکن ہے کہ مسلمان دشمن قوموں کو ہی اسلام کی دولت سے مشرف کر دے اور انہیں کو اسلام کے تحفظ و بقا کا

اریہ بنادے، وہی اسلام کے لئے کھڑے ہو جائیں، سینہ سپر ہو جائیں۔

یہ کوئی انہونی یا عجوبہ کی بات نہیں، تاریخ گواہ ہے کہ ایسا بار بار ہوا ہے۔ اور فتنہ تاتار میں اس وقت سب سے بڑی دشمن اسلام قوم تاتاریوں کا مسلمان ہو جانا، تاریخ کی ایک روشن مثال ہے۔ وہی جو اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لئے سردھڑ کی بازی لگا رہے تھے، ایک دوسرے سے سبقت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جس کے افسر مسلمانوں کی کھوپڑیوں کے اونچے اونچے مینار بنا کر خود کو دوسرے سے بڑا دشمن اسلام ثابت کرنے کا مقابلہ کر رہے تھے، دین اسلام کے مبلغ بن گئے، اسلام کے پھیلانے والے، ترویج دینے والے ہو گئے، چنگیز و ہلاکو اور اس کا خاندان اسلام کا پاسباں اور محافظ بننے کے لئے مضطرب ہو گیا، بلکہ خود کو اسلام اور مسلمانوں کا خادم قرار دے کر خوشی و مسرت محسوس کیا، اسی خاندان میں محی الدین اورنگ زیب عالمگیر جیسا ولی صفت عالم باعمل بادشاہ پیدا ہوا۔ بقول علامہ اقبال:

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

قرآن کہتا ہے اے مسلمانو! تم اگر بدعملی کی زندگی گزارنا بند نہیں کرو گے ہماری اطاعت اختیار نہیں کرو گے، ہمارے حکموں پر نہیں چلو گے تو ہمیں تمہاری ضرورت نہیں، تم ہمارے کام کے نہیں، ہم تمہیں مٹا دیں گے، اور دوسروں کو اسلام کے لئے کھڑا کر دیں گے، ہم اسلام کے لئے تمہارے محتاج نہیں، یہ کام ہم دوسروں سے لے سکتے ہیں اور لیں گے، ہم نے تم کو اسلام کے لئے چنا، یہ تم پر احسان کیا۔ تم مسلمان بنے، اپنے فائدے کے لئے تمہارا ہم پر کوئی احسان نہیں۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

تم اسلام پر قائم رہو یا نہ رہو، ہمیں تمہاری پرواہ نہیں، اگر تم اسلام پر قائم رہو گے تو تمہیں حیات سرمدی عطا کریں گے۔ پاکیزہ خوشگوار زندگی سے نوازیں گے۔

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (نحل ۹۷)

''جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو، ہم اسے پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر دیں گے۔''

اور اگر تم اسلام پر قائم نہ رہے تو ہمارے کام کے لئے بہت سے لوگ موجود ہیں، ہم اپنا کام دوسروں سے لے لیں گے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾

(مائدہ ۵۴)

''اے ایمان والو! جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم پیدا کر دے گا جس سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی اور اس قوم کو اللہ سے محبت ہوگی۔ وہ مسلمانوں پر مہربان ہوگی اور کافروں پر تیز ہوگی۔ اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوں گے وہ کسی ملامت کرنے والے کو ملامت کی پروا نہیں کریں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا جاننے والا ہے۔''

گویا اسلام کی دولت مل جانا، اللہ کا خصوصی فضل ہے، اللہ جسے چاہتا ہے اس فضل سے نواز دیتا ہے۔ اگر کوئی اس فضل کی ناقدری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی جگہ ایسے لوگوں کو یہ دولت دے دیتا ہے جو اس کے قدرداں ہوتے ہیں۔

﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ﴾

''اگر تم روگردانی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کر دے گا، پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔''

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ﴾ (انعام ۱۳۳)

''اگر وہ چاہے تو تم سب کو اٹھا لے اور تمہارے بعد جس کو چاہے تمہاری جگہ آباد کر دے۔''

بزرگانِ محترم! اسلام دنیا سے فنا نہیں ہو سکتا، حوادثات زمانہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، وہ قیامت تک باقی رہنے کے لئے ہے اور قیامت تک باقی رہے گا۔ کیونکہ یہی دین اللہ کو پسند ہے، یہی دین، اللہ کا دین ہے، اس کے سوا کوئی دین، کوئی مذہب اللہ کو قبول و منظور نہیں۔

﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (آل عمران : ۱۹)

''بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔''

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (آل عمران : ۸۵)

''جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کو طلب کرے گا وہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ والوں میں ہوگا۔''

اسلام اللہ کا دین ہے، اللہ کا پسندیدہ دین ہے، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ روئے زمین پر اگر کسی کو دین کہا جاسکتا ہے تو صرف اسلام کو۔ اسلام کے سوا کوئی مذہب، کوئی دھرم دین نہیں، نہ عیسائیت دین ہے، نہ یہودیت، نہ مجوسیت، نہ ہندوازم، نہ بدھسٹ، دین تو صرف ایک ہے، اور وہ ہے اسلام۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ میں کلمۂ حصر کے ذریعہ اس حقیقت کو واشگاف کر دیا ہے۔ لہٰذا نہ اسلام سے جائے فرار کی گنجائش ہے، نہ اسلام کو چھوڑ کر نجات کا کوئی راستہ ہے۔

﴿اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ﴾ (آل عمران ۸۳)

''کیا اللہ کے دین کے سوا کوئی اور طریقہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ اس کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہیں وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں خوشی اور بے اختیاری سے۔ اور سب اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائینگے۔''

اسلام کا چراغ روشن ہے اور روشن رہے گا۔ دشمنان اسلام کی پھونکیں اسے بجھا نہ سکیں گی اور کبھی نہ بجھا سکیں گی۔ اسلام دنیا کے چپے چپے میں پھیلے گا۔ اس کی دعوت خشکی اور تری کے ہر حصے اور انسانی آبادی کے ہر گوشے تک پہنچے گی۔

حضرت مقداد سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا يَبْقٰى عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ بَيْتُ مَدَرٍ وَّلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ كَلِمَةَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِيْزٍ اَوْ ذِلِّ ذَلِيْلٍ اِمَّا يُعِزُّهُمُ اللّٰهُ فَيَجْعَلُهُمْ اللّٰهُ مِنْ اَهْلِهَا اَوْ يُذِلُّهُمْ فَيَدِيْنُوْنَ لَهَا قُلْتُ فَيَكُوْنُ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (مسند احمد)

''زمین کی پشت پر کوئی مٹی کا بنا ہوا گھر یا خیمہ باقی نہیں رہے گا مگر اللہ تعالیٰ اس میں اسلام کو داخل کر دے، عزت دار کے عزت دینے اور ذلیل کے ذلت دینے کے ساتھ یا اللہ ان کو عزت دے گا پس انہیں اس کلمہ والوں میں سے بنا دے گا یا ان کو ذلیل کرے گا پس وہ اس کے تابعدار بن جائیں گے، مقداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا پس تمام دین اللہ کے

لئے ہو جائے گا۔"

شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

حوادث زمانہ، اسلام دشمن عناصر، فرقہ پرست طاقتیں، متعصب، مورخین، مفاد پرست سیاست داں، لادینی طاقتیں، کینہ پرور حاسدین، خواہ کتنی ہی کوشش کر ڈالیں، اسلام کے غلبہ کو روک نہیں سکتے۔

اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی۔

"اسلام غالب ہی رہتا ہے، مغلوب نہیں ہوتا۔"

ارشاد ربانی ہے:

﴿یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ یَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ (توبہ ۳۲۔۳۳)

"وہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (اسلام) کو اپنے منہ سے بجھا دیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے نور کو کمال تک پہنچائے بغیر نہیں مانے گا خواہ کافر کتنا ہی ناخوش ہوں۔ وہی وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت کا سامان (قرآن) اور سچا دین دے کر بھیجا ہے۔ تاکہ اس کو سارے دینوں پر غالب کر دے، خواہ مشرک کتنا ہی ناخوش ہوں۔"

قدم جو آگے کو اٹھتے ہیں پھر نہیں سکتے
کنار بحر پہ ہم کشتیاں جلا آئے

جنت کے راستے

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِالْمُرْسَلِیْنَ اَمَّا بَعْدُ

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

محترم بزرگو اور دوستو!

دنیا میں نیک عمل کرنے والے آخرت میں جنت کے مستحق ہونگے نعمتوں، راحتوں اور ہر قسم کی لازوال آسائشوں سے بھری جنت ایمان والوں کے لئے ہے، رب کائنات کی طرف سے بندگانِ خدا کا یہ وہ اعزاز ہے جس سے بڑھ کر کوئی اعزاز نہیں، یہ وہ اکرام ہے جس سے بڑھ کر کوئی اکرام نہیں۔

﴿اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ﴾

(قمر ۵۴-۵۵)

''پرہیزگار لوگ باغوں اور نہروں میں ہوں گے، ایک عمدہ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس ہوں گے۔''

اس اعزاز و اکرام کے لئے مقابلہ کرنا چاہیے، اس کو حاصل کرنے کا حریص بننا چاہیے۔

﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۝ عَلَی الْاَرَآئِكِ یَنْظُرُوْنَ ۝ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِیْمِ ۝ یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ ۝ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ وَّفِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾ (المطففین ۲۲-۲۶)

''نیک لوگ بڑی آسائش میں ہونگے، مسہریوں پر بیٹھے بہشت کے عجائبات دیکھتے ہونگے تم ان کے چہروں میں آسائش کی بشاشت دیکھو گے، ان کو پینے کے لئے شراب خالص سربمہر جس پر مشک کی مہر ہوگی، ملے گی، حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنی چاہیے۔''

یہ اعزاز و اکرام، یہ عزت افزائی نیکوکاروں کے لئے ہے، عبادت الٰہی میں راتوں کو جاگنے

والوں کے لئے ہے، توبہ واستغفار کرنے والوں کے لئے ہے۔

﴿اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ○ آخِذِیْنَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِیْنَ ○ كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ ○ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ (ذریت ۱۵ تا ۱۸)

"بے شک متقی لوگ بہشتوں اور چشموں میں ہوں گے، ان کے رب نے انہیں جو ثواب عطا کیا ہوگا اس کو خوشی خوشی لے رہے ہوں گے وہ لوگ اس سے قبل دنیا میں نیکوکار تھے، وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے، اور اخیر شب میں استغفار کیا کرتے تھے۔"

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

اللہ تعالیٰ نے جنت کے بیشمار راستے بتائے ہیں، اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ایمان والا کسی نہ کسی طرح جنت کا حقدار ہو جائے، کوئی راستہ چن لے کسی پر تو عمل کر لے، فارسی مثل ہے۔

"رحمت خداوندی بہانہ می جوید"

اللہ تعالیٰ کی رحمت بہانہ تلاش کرتی ہے، مغفرت کا، گناہوں کے بخشنے کا، جنت میں پہنچانے کا۔

فرزندانِ ملت اسلامیہ!

راستہ سے تکلیف دہ چیز اینٹ، پتھر، شیشہ کا ٹکڑا، کانٹا کیلے کا چھلکا ہٹا دینا بھی ایمان کا شعبہ ہے، جنت کا ذریعہ ہے، راستہ میں چلنے میں نگاہیں نیچی رکھنا، دوسروں کو دھکا دینے اور تکلیف پہنچانے سے بچنا، سلام کرنا، سلام کا جواب دینا، بھٹکے ہوئے کو راستہ بتانا، گمشدہ کی رہنمائی کرنا محتاج کی مدد کرنا، کسی کا بوجھ اٹھوا دینا، کسی کا سامان اتار دینا، بیچ راستہ میں بیٹھ کر باتیں کرنے سے پرہیز کرنا، راستہ، درخت کے سایہ دھوپ حاصل کرنے کی جگہ یا گھاٹ پر بول و براز کرنے سے بچنا۔ اگرچہ یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں اور معمولی باتیں لگتی ہیں مگر سب ترقی درجات کا باعث اور حصول جنت کے ذرائع ہیں، احادیث کریمہ میں ان سب کی تاکید آئی ہے

ایک مرتبہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نصیحت کی خواہش کی، آپ نے فرمایا تقویٰ اختیار کرو، یہ تمہارے سارے کاموں کو مزین کر دے گا، تلاوت قرآن اور اللہ کا ذکر کرو، تمہارا ذکر آسمان میں ہوگا، اور یہ تمہارے لئے زمین میں نور، بنے گا، زیادہ تر خاموش رہا کرو، خاموشی، شیطان کو بھگا دینے کا ذریعہ اور تمہارے دینی کاموں میں مددگار بنے گی، زیادہ ہنسنے سے

بچو، زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔ اور چہرہ کا نور چلا جاتا ہے، ہمیشہ حق بات کہا کرو، اگر چہ کڑوی ہو، اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرو، اپنے عیوب پر برابر نظر رکھو، تا کہ دوسروں کے عیوب کے چکر میں پڑنے سے بچ سکو۔ (بیہقی)

بخاری و مسلم میں ہے،

تَدَعُ النَّاسَ مِنَ الشَّرِّ فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ۔

''لوگوں کے ساتھ شر کرنا چھوڑ رکھو، یہ بھی صدقہ ہے۔''

ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا عَلِّمْنِیْ عَمَلًا یُّدْخِلُنِی الْجَنَّةَ (مجھے وہ عمل بتایئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے) آپؐ نے اسے جنت کے کئی کام بتائے، انہیں میں فرمایا:

وَالْمِنْحَةُ الْوَلُوْفُ وَالْفَیْءُ عَلٰی ذِی الرَّحِمِ الظَّالِمِ فَإِنْ لَّمْ تُطِقْ ذَالِكَ فَاَطْعِمِ الْجَائِعَ وَاسْقِ الظَّمْاٰنَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ فَإِنْ لَّمْ تَطِقْ ذَالِكَ فَكُفَّ لِسَانَكَ اِلَّا مِنْ خَیْرٍ۔

''تھوڑا تھوڑا عطیہ، ظالم رشتہ دار کے ساتھ حسن سلوک، اگر تم اس کی طاقت نہ رکھو تو بھوکے کو کھانا کھلاؤ، پیاسے کو پانی پلاؤ، نیکی کا حکم دو، برائی سے روکو، اگر اسکی بھی طاقت نہ ہو تو اپنی بان روکے رکھو، بولو تو صرف بھلی بات بولو۔''

بزرگو اور دوستو! ہم روزانہ کوئی نہ کوئی کام کرتے رہتے ہیں، عام طور پر ہم اپنے کام کو اچھا سمجھتے ہیں، ہمارا خیال ہوتا ہے کہ ہم نے جو کیا ہے وہ صحیح کیا ہے، لیکن کیا ہمارا اپنے کام کو ٹھیک اور اچھا سمجھنا ہمارے کام کو ٹھیک اور اچھا بنا دے گا۔ پھر آخر کیا معیار ہو؟ جس سے یہ پتہ چل سکے کہ ہمارا کیا ہوا کام اچھا ہوا کہ خراب ٹھیک ہوا یا غلط۔

یہی سوال ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا:

كَیْفَ لِیْ اَنْ اَعْلَمَ اِذَا اَحْسَنْتُ اَوْ اِذَ اَسَأْتُ۔

''کیسے میں جانوں گا کہ میں نے اچھا کام کیا اور کیسے جانوں گا کہ میں نے برا کام کیا۔''

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اِذَا سَمِعْتَ جِیْرَانَكَ یَقُوْلُوْنَ اَحْسَنْتَ فَقَدْ اَحْسَنْتَ وَاِذَا سَمِعْتَهُمْ یَقُوْلُوْنَ قَدْ اَسَأْتَ فَقَدْ اَسَأْتَ۔ (ابن ماجه)

''جب تم اپنے پڑوسیوں کو سنو کہ وہ کہتے ہیں کہ تم نے اچھا کام کیا تو تم نے اچھا کام کیا۔ اور جب سنو کہ وہ کہتے ہیں کہ تم نے برا کام کیا تو تم نے برا کام کیا۔''

اس حدیث سے پتہ چلا کہ پڑوسیوں کا اچھا یا برا کہنا، اچھائی یا برائی پہچاننے کا بہت بڑا معیار ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اس معیار پر پورا اترنے اور مستحق جنت بننے کے لئے بھرپور کوشش کرنی چاہیے، یہ مقابلہ آرائی کی چیز ہے، اس میں مقابلہ ہونا چاہیے۔ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ۔

سورۂ توبہ میں ارشاد باری ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ أَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (آیت ۷۲)

''اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ کر رکھا ہے جس کے نیچے سے نہریں چلتی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نفیس مکانوں کا وعدہ کیا ہے جو ان ہمیشگی کے باغوں میں ہونگے اور ان نعمتوں کے ساتھ اللہ کی رضامندی سب نعمتوں سے بڑی چیز ہے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

شوق منزل نہ ذوق راہ گزر
محوِ آرام ہو گئے ہم لوگ

مکتبہ خلیل

یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

Ph: 042-37321118, 0324-4662683